شَرَفُ المکانِ بالمکِین

ذکرِ مبارک

مشائخ ساداتِ مکان شریف قدس سرہم

مؤلفہ

قائم الدین قانونگوئے پنشنر مرحوم

اِسلامی کتب خانہ

سیالکوٹ

شرف المکان بالمکین

ھذا

ذکرِ مُبارک

یعنی

تالیفِ منیف در حالات مشائخ السادات مکان شریف

قائم الدین قانونگوئے پنشنر

نذر

"ذکرِ مبارک" کو مجدد ماَتہ الثالثہ عشر قیوم العالم مِن اللہ اولی حضرت سیّد امام علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نامِ نامی سے معنون کرتا ہوا بارگاہ مجیب الدعوات میں دست بدعا ہوں کہ وہ قبول فرما کر اس کا ثواب میرے والد قبلہ غلام علی صاحب مرحوم کو پہنچا دے۔

مے توانی کہ دہی اشک مرا حُسنِ قبول؛
توکہ دُرِ ساختہ قطرۂ بارانی را

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

قائم الدین قانونگوئے پنشنر
متصل جامع مسجد گوکل پورہ امرتسر

فہرست

معظم پرنٹرز لاہور

ارشادِ عالی

سجادہ نشین سوم مکان شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الْمُرْسَلِیْنَ

قاضی قائم الدین صاحب کے والد ماجد قاضی غلام علی مرحوم قیوم عالم حضرت سیّدنا امام علی شاہ صاحب قدس سرّہ العزیز کے خاص متوسلین سے تھے۔ اسی خاص تعلق کی وجہ سے قاضی صاحب موصوف کا مدّت سے خیال تھا کہ حضرات مکان شریف کے چیدہ اور کندہ حالات جو ابھی تک عوام بلکہ خواص کی نظروں سے بھی بالکل اوجھل ہیں۔ اور اکثر حالات ایسے ہیں جو اب تک کسی کتاب میں نہیں آئے۔ اُن کو جمع کر کے صفحہ قرطاس پر لایا جاوے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت جانفشانی اور کوشش سے ان حالات کو جمع کیا۔ بعض اقتباسات آثارِ قیومیہ[1] جو مولانا سیّد احمد علی صاحب مرحوم نے اعلیٰ حضرت قیوم عالم سیّدنا امام علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں قلمبند فرمائی تھی۔ جو ابھی تک چھپ نہیں سکی۔ اور نہ ہی دوستوں کو اس کی اہمیت کا علم ہے۔ اور بعض دیگر معتبر ذرائع سے حاصل کر کے صرف پہلا حصّہ شائع کیا ہے۔

امّید ہے کہ جملہ مسلمان اور خاص کر متوسلین مکان شریف اس ذکرِ مبارک سے برکت حاصل کریں گے۔

میر محمّد مظہر قیوم
سجادہ نشین مکان شریف

---

[1] آیاتِ قیومیہ یا آثارِ قیومیہ ایک ہی کتاب ہے ۱۲ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰   نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

عرضِ ناشر

آج سے چالیس سال پہلے سادات مکان شریف کے حالات میں "ذکرِ مبارک" کے نام سے پہلی جلد طبع ہوئی اور دوسری جلد زیرِ ترتیب تھی جس میں قیوم عالم حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات تفصیل سے درج تھے ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں تلف ہوگئی۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ کوئی صاحبِ علم اس طرف توجہ دیتا تاکہ جس کام کی ابتدا محترم منشی قائم الدین مرحوم نے کی تھی اس کی تعمیل ہوتی اور اہلِ سلسلہ کو خاص طور پر فائدہ پہنچتا اور عام مسلمان بھی استفادہ کرتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس تاخیر میں کیا حکمت پوشیدہ ہے۔

فقیر قدرت اللہ جو آستانہ عالیہ مکان شریف کا دیرینہ خادم ہے۔ اور زندگی کی آخری منزلوں میں سفر کر رہا ہے کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ دوسری جلد مرتب کرنا تو کسی صاحبِ ہمت آدمی کا کام ہے۔ دیکھئے یہ سعادت کس خوش بخت کے ہاتھ آتی ہے۔ سردست "ذکرِ مبارک" کا پہلا حصہ ہی چھپوا دیا جائے۔ کیونکہ اب یہ بھی کم یاب ہو چکا ہے۔ اور نئی نسل ان بزرگوں کے حالات سے بالکل بے خبر ہے۔ توکلاً علی اللہ یہ کام کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ حضرت قبلہ سجادہ نشین صاحب مدظلہ العالی نے اپنی اجازت و تعاون سے سرفراز فرمایا۔ حافظ محمد اشرف مجددی سیالکوٹی نے کتابت اور چھپوائی کا کام اپنے ذمہ لیا۔ جزاہ اللہ خیر الجزا

چونکہ "ذکرِ مبارک" کی پہلی جلد میں قیوم عالم حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ شامل نہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ آپ کے مختصر حالات شامل کر دیئے جائیں۔ لہٰذا چند مستند کتب سے آپ کے کچھ حالات نقل کر دیئے ہیں۔ گو سیرت و سوانح کے قواعد کے مطابق مرتب شدہ نہیں۔ لیکن پھر بھی امید ہے کہ اہلِ سلسلہ اور بزرگانِ دین سے عقیدت رکھنے والے حضرات فقیر کی اس ناچیز کوشش کو پسند فرمائیں گے۔

فقیر قدرت اللہ

ا چک نمبر ۱۱۹۔ بھولیر ضلع شیخوپورہ

عرضِ حال

مؤلف کی علمی بے بضاعتی

بچپن کے پانچ سال مدت تعلیم۔ مڈل کا نتیجہ نکلنے سے پہلے ہی تلاش معاش میں نکلنا پڑا اور وظیفہ ملنے پر بھی سلسلہ تعلیم بوجہ غربت جاری نہ رہ سکا۔ "بندوبست" کی قیدو بند اور محکمہ مال کی ضرب پڑتال اور گرداوری کی مصروفیتوں نے کسی دوسری طرف نظر اٹھانے کی مہلت نہ دی۔

اب پنشن ملنے پر میں ہوں اور علم و عمل کی تہید ستی اور عمر رفتہ کا ماتم۔

مکان شریف سے تعلق

والد صاحبؒ نے مبارک وقت میں قیوم العالم حضرت سید امام علی شاہ صاحبؒ کی غلامی کا فخر حاصل کیا اور وہی مکان شریف سے تعلق کا باعث ہُوا۔

مکان شریف اہلِ دل کی نظروں میں

پنجاب کی دو بہت بزرگ ہستیاں ابھی ہماری نظروں سے اوجھل ہوئی ہیں۔ مکان شریف کو ان کی نظروں نے دیکھا۔

(۱) قبلہ سید جماعت علی شاہ صاحب لاثانی علی پوری مرحوم نے راقم سے فرمایا کہ "مکان شریف وہ مبارک جگہ ہے جس کے نام پر لوگ وجد میں آجاتے تھے۔"

فرمایا ابتدا میں میں چوُرہ شریف پیدل جایا کرتا تھا ہم دو آدمی (آپ نے دوسرے ہمراہی کا نام نہیں لیا تھا لیکن وہ غالباً حضرت غلام نبی صاحب مرحوم ساکن چک قریشیاں ہوں گے) پیدل چوُرہ شریف سے واپس آرہے تھے کہ دھنی کے علاقے میں جہاں کنوئیں نہیں۔ صبح ایک

جوہڑ پر ہم نے نماز پڑھی۔ ایک سفید ریش لباس میں آئے اور دریافت کیا کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ ہم نے کہا، دریائے راوی کے کنارے۔ دریائے راوی کا نام سُن کر کہا کہ جہاں مکان شریف ہے۔ ابھی جواب کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ مکان شریف کے نام پر ان کو وجد آگیا اور زمین پر لوٹنے لگے۔ ان کے کپڑے مٹی میں لت پت ہو گئے۔

(۲) قبلہ حضرت میاں شیر محمد صاحب مرحوم شرقپوری سجادہ نشین[۱] صاحب مکان شریف نے فرمایا کہ:

"میاں صاحب مرحوم نے مکان شریف میں ایک بیٹھک تیار کرانے کے لیے معمار روانہ فرمائے۔ اتفاقاً تعمیر میں کچھ رکاوٹ پیش آگئی جس کے لیے معماروں نے حضرت کو لکھا۔ آپ نے تحریر فرمایا وہیں منتظر رہو اور یہ سمجھو کہ تم مدینہ شریف میں بیٹھے ہو۔"

اس وجد آفریں مدینہ پنجاب (مکان شریف) کے اُن بزرگوں کے حالات جنھوں نے رتڑ چھتڑ[۲] جیسی جگہ کو اپنے شرف سے مشرف کر کے مکان شریف بنا دیا تھا، تاحال شائع نہ ہوئے تھے۔ قریباً دس سال کے پس و پیش کے بعد آخر ع

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

آلِ اطہر (کشتیِ نوح) کے ذریعہ شاید یہ آہنِ زنگ خوردہ (راقم)

---

[۱] کتاب کی تالیف کے وقت مکان شریف کے سجادہ نشین حضرت قبلہ سید مظہر قیوم رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ "خزینۂ کرم" میں ان کا مختصر تذکرہ موجود ہے۔ اگر کوئی اہل قلم شاہ صاحب موصوف کے حالات زندگی ترتیب دے کر یہ سعادت حاصل کرے تو اہل سلسلہ کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ (ناشر)

[۲] مکان شریف کا پرانا نام ہے۔ پنجاب کے ضلع گورداسپور میں مشہور قصبہ ہے۔ پاکستان بننے کے وقت یہ بستی انڈیا میں آگئی تھی۔ (ناشر)

ڈوبنے سے بچ جاوے۔

ذکرِ مبارک میں نہ کوئی ترتیب ہے نہ کوئی علمی وادبی خوبی۔ صرف حالات کو جمع کیا گیا ہے تاکہ ضائع ہونے سے محفوظ رہیں۔

قارئین کرام میری کم علمی، مضامین کی بے ترتیبی اور تحریر کے نقائص پر نظر نہ کریں۔ "ذکرِ مبارک" کو بمصداق ع

گردِ مرداں گرد گر مئے کم شود بوئے رسد

پڑھیں۔ اور اس کی برکات سے مستفیض اور مستفید ہوکر راقم کو دعائے خیر سے یاد فرمادیں۔

قائم الدین قانون گو (پنشنر)
متصل جامع مسجد گوکل پورہ امرتسر
اپریل ۱۹۴۰ء

دیباچہ

از فخر مکان شریف مولانا سید محمد منظور صاحب نقشبندی مجددی[1]

نَحْمَدُكَ یَا مَنْ اَرْسَلَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا كَرِیْمًا، وَجَعَلَهٗ فِی السَّمَاءِ سِرَاجًا مُّنِیْرًا

لِلرُّوْحِ خَیَالُهٗ اَنِیْسُ الْخَلَوَاتِ | لِلْعَالَمِیْنَ جَمَالُهٗ جَلِیْسُ الْجَلَوَاتِ
اَهْدَاهُ اللّٰهُ مِنْ صِلَاتِ الصَّلٰوةِ | اَضْعَافَ اَضَاعِیْفِ رِمَالِ الْفَلَوَاتِ

اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندوں کی پاکیزہ اور مطہر زندگیاں بنی نوع انسان کے لیے مشعل ہدایت ثابت ہوئی ہیں۔ اس دنیا کا مسافر اگر زندگی کے مراحل طے کرتا ہوا نفوس قدسیہ کے مقامات عالیہ پر نظر ڈالتا جائے تو وہ یقیناً اپنے مبداء تعین کے مطابق سر حد مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

مگر آج مغرب کی ساحرہ نے ہمارے کانوں میں کچھ ایسا افسوں پھونک دیا ہے کہ اگر وہ کہے کہ میں نے تعیش کے جام میں انسانی چہرہ کا عکس بندر کی شکل میں دیکھا ہے تو ہم فوراً کہہ دیتے ہیں کہ مسئلہ ارتقا کہتے ہی اسی کو ہیں ؎

---

[1] تقسیم ہند کے بعد مکان شریف کے تمام سادات ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے۔ شاہ صاحب مرحوم و مغفور ساہیوال شہر میں مقیم ہو گئے ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۹ء میں انتقال فرمایا اور آپ کی رہائشی کوٹھی میں ہی ایک طرف آپ کا مزار شریف ہے۔ آپ کے مختصر حالات" بام عرش "مطبوعہ تاج کمپنی، اکابر تحریک پاکستان اور خزینۂ کرم میں چھپ چکے ہیں۔ شاہ صاحب موصوف بڑے متبحر عالم اور جامع شخصیت تھے، ایسی ہستیوں کے مفصل تذکرے مرتب ہونے چاہئیں تاکہ نئی نسل راہنمائی حاصل کرے۔ (ناشر)

دَورِ فلک کا ماجرا آپ سے کیا بیان کریں	تفرقہ دیکھیئے ذرا ہم پہ پڑے ہیں عجب دن
عقل سپرد ماسٹر، دل سپردِ آنجناب	جسم سپردِ ڈاکٹر، روح سپردِ ڈارون[۱]

لیکن اگر کوئی اللہ کا بندہ اُن سے کہے کہ بھئی کمالات کی حد محض برق و تجارت ہی نہیں بلکہ قوتِ قدسیہ کی مدد سے ان لطائف عشرہ کا حصول ہے جو ذاتِ بحت نے عالم خلق اور عالم امر کی امتزاج سے انسانی وجود کے اندر تعبیہ کر رکھے ہیں اور جو حقیقتِ انسانیہ میں خلافتِ الٰہیہ کے حُسن کے آئینہ دار ہیں۔ تو اس زمانہ کا شُستہ رو تاریک جان جنٹلمین ایک لمحے کے لیے بھی ایسی ثقیل اور بزعمِ خود غیر فطری بات کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

آج ہماری نظروں سے وہ تمام اہلِ بصیرت حضرات مُستتر اور مخفی ہیں جنہوں نے محض ملکۂ قدسیہ کی بدولت فطرت و خلافتِ الٰہیہ کے ان باریک رازہائے درونِ پردہ کی نقاب کشائی کی جو آج بھی صدہا سال کی کوششہائے پیہم کے باوجود مادی ذرائع کے رہینِ منت معلوم ہوتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں ریڈیو کی ایجاد نے اس حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا ہے کہ کلام لفظی فضا میں محفوظ رہتا ہے۔ جیسے ایک آلہ کے ذریعے دور دراز مقامات تک انسانی سمع تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اب جدید تحقیق یہ ہے کہ تمام کلام جو ابتدائے آفرینش سے آج تک انسانوں نے کیے ہیں وہ سب فضا میں بعینہٖ محفوظ ہیں اور شاید یہ کوشش ہو رہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور دیگر مصلحین کی تقاریر کو آلات کے ذریعے اخذ کیا جاسکے۔ لیکن یہی بات جو یہاں اِن مادی اسباب کے ذریعے آج معلوم ہوئی۔ اس حقیقت کے انکشاف کا سہرا آج سے آٹھ سو سال پیشتر کے ایک صوفی کے سر پر ہے۔ حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں:

---

[۱] کہا منصور نے خُدا ہوں میں	ڈارون بولا بوزنا ہُوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست	فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

(اکبر الٰہ آبادی) مولف

اما الحروف اللفظیۃ فانھا تتشکل فی الھواء وبھذا تتصل بالسمع علی صورۃ ما نطق بھا المتکلم فاذا تشکلت فی الھواء قامت بھا ارواحھا وھذہ الحروف لا یزال الھواء یمسک علیھا شکلھا۔ وھذہ الحروف الھوایۃ للفظیۃ لا یدرکھا الموت بعد وجودھا بخلاف الحروف الرقیمیۃ تقبل التغیر والزوال لانہ فی محل یقبل ذالک والاشکال اللفظیۃ فی محل لا یقبل ذالک ولھذا کان لھا البقاء فالجو کلہ مملوءٌ من کلام العالم یراہ صاحب الکشف صورۃ قائمہ (فتوحات جلد اوّل صفحہ ۱۹۱)

اس عبارت کا ملخص یہ ہے کہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی صورت ہوا میں قائم ہو جاتی ہے اور ان کی روحیں کائنات فضائی میں ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہیں بخلاف تحریری حروف کے کہ وہ امتداد زمانہ کے باعث صفحات ہستی سے محو ہو جاتے ہیں کلام لفظی اس قسم کی موت اور بربادی سے محفوظ جوں کا توں باقی ہے اور صاحب کشف انہیں دیکھ سکتا ہے۔

جدت و ایجاد پر جان دینے والوں، اپنے ہاں کے قدیم علوم و فنون اور روحانیت کا مضحکہ اڑانے والوں اور دانایان فرنگ سے مرعوب ذہنوں کے لیے مقام حیرت ہے کہ آج یہ فخر بھی ہاتھ سے گیا اور جس تھیوری (نظریہ) کو وہ بیسویں صدی کا تازہ شاہکار سمجھ رہے تھے وہ آٹھویں صدی کے ایک کہنہ بیاض سے ہاتھ آ گیا ؎

نوجوانانِ تشنہ لب خالی ایاغ	شستہ رُو تاریک جاں روشن دماغ
کم نگاہ و بے یقین و نا اُمید	چشمِ شاں اندر جہاں چیزے ندید

اس قسم کی مقدس اور پاکیزہ انفاس ہستیاں اُمّتِ مرحومہ کے اندر ہمیشہ سے ہمیشہ تک رہیں گی۔ جن کے وجود مادی اور روحانی دنیا کے لیے باعث صد فخر و مباہات ہیں اور جن کی قیومت سے عالم کا قیام اور مجددیت سے دین کی

تجدید ہوتی چلی جائے گی۔ آقا (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُمتیوں کو ایسے ایسے جلیل القدر مناصب عطا فرمائے کہ جنہیں دیکھ کر انبیائے ماسبق رشک کرنے لگے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون والشھداء[1]

وقال علیہ السلام ان من عباد اللہ لاناسًا ماھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیامۃ الخ[2]

نویں صدی ہجری کے آغاز میں سادات مکان شریف کا مورث اعلیٰ عرب کی مُقدّس سرزمین سے مشعل ہدایت ہاتھ میں لیے ہند کی تاریکی کو دور کرنے کے لیے دیگر اولیاء اللہ کی طرح ایسے مبارک وقت میں وارد پنجاب ہوا کہ جس کی برکت سے نویں صدی سے لے کر چودھویں صدی کی ابتدا تک نسلاً بعد نسلاً ایسے ایسے باکمال افراد ہوئے کہ جن کے تقدّس کی شہرت کا سکہ ہر خاص و عام کے دل پر بیٹھ گیا۔ اور جن کے روحانی تصرفات اور کشف و کرامات کے چرچے گھر گھر ہونے لگے۔ مگر بایں ہمہ ان بزرگوں کے حالات کتاب کی شکل میں معرضِ تحریر میں آ کر آج تک مُلک کی مروجہ زبان میں طباعت و اشاعت تک نہ پہنچ سکے۔ اب وقت کے اقتضا نے حبیّ فی اللہ قاضی قائم الدین کی طبیعت کو گرمایا اور یہ سعادت اِن کی قسمت میں آئی۔ قاضی صاحب موصوف نے "ذکرِ مبارک" لکھ کر طمانیت قلب کا ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔

محمد منظور
مکان شریف

---

[1] رواہ الترمذی [2] رواہ ابوداود و رواہ فی شرح السنۃ عن ابی مالک بلفظ المصابیح مع زوائد وکذا فی شعب الایمان۔ (مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ)
(ناشر)

جل جلالہ
صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
رب یسر و تمم بالخیر

حمد

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ○[1]

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہہ دو کہ اگر میرے پروردگار کے کلمات کے لکھنے کے لیے سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ استعمال کیا جاوے تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں ختم ہوں سمندر کا پانی ختم ہو جاوے گا اگرچہ ویسا ہی اور سمندر مدد کو لایا جاوے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ اگر ایک تولہ پانی سیاہی کی جگہ استعمال کیا جاوے تو اس سے کئی صفحات تحریر کیے جا سکتے ہیں۔ پانی کا ایک مٹکا سینکڑوں کتابیں تحریر کرنے پر بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اگر کل چاہات، تالاب، دریا، جھیلیں، ندی، نالوں اور جوہڑوں کے پانی سے روئے زمین کے کل انسان مصروف کتابت ہوں تو اس پانی کو ختم کرنے سے عاجز ہو جاویں گے۔

یہ پانی صرف ربع مسکون کا ہے۔ اگر کل مخلوقات ازل سے قیامت تک اللہ تعالےٰ کی حمد تحریر کرتی رہے تو بھی کل بحر ہائے ناپیدا کنار کا پانی ختم ہونا مشکل ہے۔ پھر اگر ویسے ہی اور سمندر بھی لائے جاویں تو بھی کلمات الٰہی کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس مثال سے واضح ہے کہ عقل انسانی کی رسائی کہاں تک ہے اور انسان حمد یا کلمات الٰہی کی تحریر سے کیسا عاجز ہے۔ خاصان خدا کو بھی عجز کے ساتھ لا احصی ثناء کا اقرار کرنا پڑا۔

---

[1] (پ ۱۶ ع ۳) (الکہف)

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے ناچیز بندوں کو حمدِ الٰہی ایسے عظیم الشان کام سے اپنے کاموں کی ابتدا اور قلم و زبان کو اس سے مفتخر و متبرک بنانے کی اجازت بخشی ہے فَلَہُ الْحَمْدُ اَلْاٰنَ عَلٰی ذٰلِکَ۔ ورنہ میرے جیسے عاصی کی زبان و قلم کہاں اور حمدِ الٰہی کہاں۔ سُبْحَانَکَ عَلٰی عِلْمِکَ بَعْدَ عِلْمِکَ و سُبْحَانَکَ عَلٰی عَفْوِکَ بَعْدَ قُدْرَتِکَ اس کا حمد اور شکر کہ اس نے اپنا پاک نام لینے کی اجازت[1] میرے جیسے ناپاک انسانوں کو دی ہے۔

نعت

لوائے حمد کے مالک محمد صلی اللہ علیہ وسلم حامد، حمید جو کائنات عالم میں سب سے زیادہ حمد کہنے والے اور واقفِ آداب، رموزِ حمد ہیں جبکہ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً فرمادیں تو پھر کسی اور بشر کی کیا طاقت ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں کلمات کا ترجمہ پیغمبر ال کا کیا ہے۔ جس کی سند قرآن شریف میں بھی موجود ہے رسول اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ ج اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ[2] گویا آیت بالا سرورِ انبیاء علیہ السلام کی تعریف میں ہے۔

پس جس طرح حمدِ الٰہی سے انسان عاجز ہے اسی طرح اس رحمۃ اللعالمین، رؤف، رحیم کی نعت بھی انسانی امکان سے باہر ہے ع

وصفِ خالق ہی جو فرمائے تو بندہ کیا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعت یا تعریف اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے۔ آیاتِ بالا کی طرح آیاتِ قرآنی پر غور کرنے سے انسانی عجز کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔ یوں تو سارا قرآن مجید آپ کی نعت سے پُر ہے۔ ع

قرآن تمام وصفِ ذاتِ تست معمور ا

---

[1] اسم ذات کی اجازت ہی سلسلہ نقشبندیہ میں دی جاتی ہے۔ (مؤلف) [2] (پ ۶ ع ۳) (ناشر)

لیکن یہاں صرف مختصراً دو آیات اہل بصیرت کے غور کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [1]

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ رب العالمین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین۔ گویا جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کام کر رہی ہے، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بھی موجود ہے۔ اگر جدید تحقیقات کے مطابق مریخ میں ایک دنیا موجود ہو اور صرف مریخ پر کیا منحصر ہے ہر ایک ستارہ میں اگر ایک دنیا آباد ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کے لیے بھی رحمت اللعالمین ہیں۔ آسمانوں میں، زمین میں، ہواؤں میں، پانی میں، سمندروں کی تہہ میں ناقابل گزر پہاڑوں کی چوٹیوں پر، پتھروں کے جوف میں۔ ابتدا میں، انتہا میں، ظاہر میں، باطن میں، ماضی میں، مستقبل میں، حال میں۔ غرض دنیا اور آخرت میں اور جہاں تک انسانی دماغ کی رسائی ہے اور جہاں رسائی نہیں ہر جگہ کے لیے اور ہر جگہ کی مخلوق کے لیے آپ کی رحمت شامل ہے۔

(۲) اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [3]

تحقیق اللہ تعالیٰ خود اور اس کے فرشتے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی درود و سلام بھیجو اس نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر۔

ساڑھے تیرہ سو سال سے کل روئے زمین کے مومنین درود و سلام پڑھتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین اور جملہ اوتاد و اقطاب، اولیاء، صلحا، غوث، عاشقان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمین شامل ہیں اور نہ صرف مومنین بلکہ کل فرشتے جن کا شمار انسانی عقول نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ ہر ایک انسان کے ہمراہ دو فرشتے

---

[1] (پ ۱۷ ع ۷)۔ [2] زاں سبب فرمود حق صلو علیہ ۔ کہ محمد ہست محتاج الیہ (مؤلف)

[3] (پ ۲۲ ع ۴)۔ (ناشر)

کراماً کاتبین کل انسانوں سے بھی دو چند ہیں۔ اور علاوہ ازیں لاتعداد وہ پاک فرشتے جن کو نہ کھانے کی حاجت نہ شہوت نہ حرص نہ کوئی اور آلودگی ہے۔ اپنی پاک زبانوں سے نہیں معلوم کب سے اور نہیں معلوم کب تک مصروف درود وسلام ہیں۔ کل انسانوں کے مقابلہ میں فرشتوں اور خصوصاً جبرائیل علیہ السلام کا درود وسلام اور پھر کل انسانوں اور کل فرشتوں کے مقابلہ میں خود اللہ جل جلالہ کا درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کی کس قدر زبردست شہادت ہے۔ کل انسان ابد تک درود وسلام پڑھتے رہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک دفعہ درود وسلام کے برابر نہیں ہو سکتا پھر اللہ جل شانہ، نمعلوم کب سے درود شریف بھیجتا ہے اور کب تک بھیجتا رہے گا اس سوال کا کہ اللہ جلشانہ، اس وقت کیا کرتا ہے۔ اس سے زیادہ صحیح جواب اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہے۔

سبحان اللہ کس قدر بلیغ پیرایہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ جہاں وہ ذات مقدس خود اور اس کے فرشتے مصروف درود وسلام ہوں وہاں انسانوں کی شمولیت کی کیا احتیاج ہے۔ یہ صرف اللہ تعالےٰ کا بندوں پر خاص احسان بہ تصدق اس رحمۃ للعالمین کے ہے کہ انسانوں کو اس کے پڑھنے کی اجازت دے کر ان کی عزت افزائی کی (لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا[1]) اور ان پر بے انتہا رحمتوں کی بارش کی گئی۔ اس احسان الٰہی کا ہم کس طرح شکریہ ادا کر سکتے ہیں ؎

از دست وزباں کہ برآید　　کز عہدہٴ شکرش بدر آید

آج کل کے نعت نویس یا نعت خواں جو عشقیہ بازاری غزلیات میں تحریف کر کے نعت کا رنگ دیتے ہیں اور بجائے تعریف کے بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ذرا قرآنی نعتوں پر غور فرمادیں اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ[2] کا قرانی انداز دیکھیں انسانی

---

[1] (پ ۴ ع ۸)۔ [2] (پ ۳۰)۔ (ناشر)

عقلوں کی رسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت تک کہاں ہو سکتی ہے۔ وہ جس طرح حمدِ الٰہی سے عاجز ہیں اسی طرح نعتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عاجز ہیں ؎

دگر چہ سود کہ گویم سخن بنا دانی | بما رؤف و رحیمی خدا رؤف و رحیم

یہ اللہ تعالےٰ کا فضل بہ تصدق اُس رحمۃ اللعالمین، رؤف و رحیم کے ہے کہ اس نے عاصی انسانوں کو اس کی اجازت[1] دے کر ان کی عزت و تکریم فرمائی ہے ورنہ ؎

محمد چشم بر راہ ثنا نیست | خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست
خدا خود مدح خوانِ مصطفیٰ بس | محمدؐ حامدِ حمدِ خدا بس

✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤

---
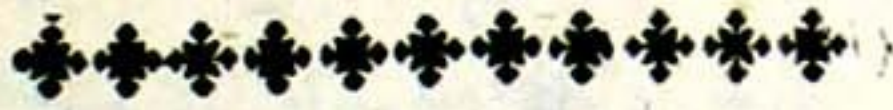
[1] درود شریف کی اجازت اولیاء اللہ کا معمول ہے جو دینی و دنیوی فلاح کے لیے اکسیر ہے (مؤلف)

مذہب صرف اسلام ہے

اس قادرِ ذوالجلال نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض ایسی بدیہی خصوصیتیں عطا فرمائی ہیں۔ جس سے سوائے ہٹ دھرم اشخاص کے کوئی سلیم الطبع بشر انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہی خصوصیتیں اسلام کو باقی مذاہب سے ممتاز کرتی ہیں۔ ذیل کے مضمون میں اس کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مضمون گو کتاب کے موضوع سے بے تعلق معلوم ہوتا ہے مگر امید ہے کہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا خصوصًا واردھا اور ودّیا مندر سکیم کے اس نظریہ کی تردید کے لیے کہ سب مذاہب یکساں ہیں۔ اس کی سخت ضرورت ہے تاکہ نوجوان اس کے اثر سے محفوظ رہ سکیں۔

دنیا میں ابتدائے آفرینش سے ہستی باری تعالےٰ کا خیال چلا آتا ہے اور کوئی انسان اس خیال سے خالی نہیں۔ بعض لامذہب اور دہریے جو اسی ہستی کے منکر ہیں بالآخر اُن کو بھی کسی طاقت کا قائل ہونا پڑا ہے۔

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا | حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھے جانا ہے ضرور | بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

بلبل نے چمن میں نغمہ گایا تیرا | آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہریوں نے کیا دہر سے تعبیر تجھے | انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

بہرحال ہر زمانہ میں اور دنیا کے ہر گوشے میں اس مخلوق کا کوئی نہ کوئی خالق تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ منکرین النادر کالمعدوم۔

بنی نوع انسان میں باوجود مذہب اور اپنے خالق کی ہستی کا خیال مشترک ہونے

کے صرف مذہب میں اشتراک واتحاد نہ ہونے کی بنا پر شدید اختلاف رہا ہے، اور ہے۔ اکثر خونریزیاں خوفناک جنگ ہولناک محاربے اور مقاتلے صرف اختلافِ مذہب کی وجہ سے ہوتے رہے ہیں اور دنیا فتنہ وفساد کا محشرستان بنی رہتی ہے۔

ہر ایک شخص اپنے مذہب کو سچا یقین کرتا ہے اور دیگر جملہ مذاہب کو باطل خیال کرتا ہے۔ دنیا کا ہر حصّہ ایسے مناظر کا مظہر ہے۔ لیکن صراطِ مستقیم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ مذاہب کے حق و باطل پر کھنے کا اور صراطِ مستقیم معلوم کرنے کا کیا معیار ہے؟ کیا سب مذاہب سچے ہیں یا سب باطل ہیں۔ یا کیا صراطِ مستقیم ایک کے سوا کئی ہو سکتے ہیں؟

اگر یہ صحیح ہے کہ ہر ایک مذہب میں سچائی کا عنصر ضرور ہے اور ہر مذہب کی بنیاد صداقت کے اصولوں پر مبنی ہے تو پھر کتنے تعجب کی بات ہے کہ اس ایک خالق کی ساری مخلوق جو اُسی ایک مالک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مذہب کی پابند ہے۔ اس میں کس قدر شدید اختلاف وافتراق ہے۔ اور ان سچائیوں اور صداقتوں میں اتنا بعد المشرقین کیوں ہے؟

جب مذہب نسل انسانی کی اخلاقی اصلاح اور اجتماعی بہتری کے لیے ہے۔ تو پھر یہ ابتری کیوں ہے۔ کیا منشائے الٰہی یہی ہے کہ مذہب کے نام پر خلقت کٹتی مرتی رہے۔ یا کیا یہ فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یقیناً نہیں۔ خدا تعالےٰ اپنے بندوں پر یہ ظلم روا نہیں رکھ سکتا اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ[1]

ہر وہ مذہب جو خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اس میں نوعِ انسان کی بھلائی، خوش اسلوبی سے رہنے کے طریق، اجتماعی زندگی کے گر، انسانوں کی ہمدردی، خداشناسی کے اسلوب اور اس واحد خدا کی پرستش کے ڈھنگ تبلائے گئے ہیں۔ خدا کے دین میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ منشائے الٰہی یا اس ایک خدا کا قانون یا مذہب صرف

---

[1] (پ ۴ ع ۱۰) (ناشر)

ایک کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خالق کا کوئی حکم اپنی مخلوق کی فطرت کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے۔

ابتدائے آفرینش سے جس قدر مذاہب حقّہ سطح زمین پر نسل انسانی کے لیے وضع ہوئے ہیں۔ وہ سب کے سب ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہوئے ہیں۔ اسی خلّاق ارض وسماء کی طرف سے ہیں۔ سب کا صرف ایک ہی مقصد ہے۔ خواہ اس کے ماننے والے کتنے ہی دور دراز ملک اور کتنے ہی متمدّن یا غیر متمدّن خطّے میں آباد ہوں۔ وہ گورے کالے، سیّد پٹھان، چوہڑے چمار۔ برہمن، شودر سب کے لیے یکساں ہے۔ خدا کے مذہب میں ذات پات، اونچ نیچ کی تمیز نہیں ہو سکتی ؎

ذات پات نہ پوچھے کو | ہر کو بھجے سو ہر کا ہو

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1] خدا تعالےٰ کے نزدیک وہی معزز ہے جو متقی ہے۔

ہر خدا تعالےٰ کے پیغام پہنچانے والے (پیغام بر) نے اسی ایک دین الفطرت کی طرف سب لوگوں کو بلایا ہے۔ انسان اس پیغام الٰہی کو بار بار فراموش کرتے رہے۔ اور ہر بار بارگاہِ احدیت سے اس کی تجدید ہوتی رہی۔ ہر بار کچھ مرور زمانہ کی وجہ سے کچھ غلط فہمیوں سے کچھ عقائد کی نافہمی سے کچھ بدنیّتی سے۔ کچھ تاویلاتِ باطلہ سے کچھ نفس پسندی اور آرام طلبی کے باعث۔ کچھ کتاب الٰہی کے غلط تراجم اور کچھ تجنیس خطّی کی مغائرت کے سبب لوگ اس پیغامِ الٰہی کو بھولتے رہے اور ہر بار اُسی پیغام یا قانون کو پہلے سے زیادہ واضح اور مطلب خیز الفاظ میں بیان کیا گیا۔ اصل دین الٰہی میں کوئی اختلاف نہیں ہُوا۔ بلکہ اس کی تجدید و تکمیل ہوتی رہی۔ المختصر یہ کہ خدا تعالےٰ کا پیغام ہر جگہ اور ہر زمانہ میں (وقتی اور مقامی ضرورتوں کے مطابق فروعی اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے) انسانوں تک پہنچتا رہا ہے۔ چونکہ وہ ایک خدائے برتر کی طرف سے تھا۔ ہر جگہ اور ہر وقت اس کا ایک ہی مقصد وحید

---

[1] (پ ۲۶ ع ۱۴) (ناشر)

(صلاحیت انسانی) رہا ہے۔

جب اور جہاں بھی اس پیغام میں اس قدر تغیر و تبدل کیا گیا جس سے اصل اصول دین جن پر مدار نجات تھا بدلنے لگے تو نئے پیغامبر کے ذریعہ اس کی تجدید ہوتی رہی۔

اصولِ ارتقاء کے ماتحت جس طرح ہر چیز اپنے ابتدائی منازل طے کرتی ہوئی کمال تک پہنچتی ہے اور اُسی طرح جس طرح ڈارون نے اپنی تھیوری میں جمادات سے لے کر ارتقائی منازل دکھاتے ہوئے اشرف المخلوقات انسان پر اس کو ختم کیا ہے۔ اور انسانوں میں سے ایک عرب کو اس ارتقاء کی آخری تکمیل کی منزل تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح مذاہب عالم کی انتہا اور آخری تکمیل اسلام پر آکر ختم ہوتی ہے۔ یا جس طرح پیدا ہونے کے بعد انسان کی جسمانی ترقی ایک حد پر پہنچ کر رُک جاتی ہے۔ اور اس سے بڑھ نہیں سکتی۔ اِسی طرح اسلام ارتقاء کی آخری منزل اور آخری مکمل مذہب ہے۔ جس میں اب کسی مزید تکمیل کی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام کا آخری مکمل مذہب ہونے کا دعوےٰ صرف زبانی یا خوش اعتقادی پر مبنی نہیں ہے۔ اس قسم کا دعوےٰ کرنے کا ہر مذہب کو حق حاصل ہے۔ اس لیے جملہ مذاہب کو دلائل کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔ بے جا حمائت اور تعصّب کی عینک آتار کر مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راقم الحروف مسلمان ہے اور بمقابلہ دیگر مذاہب اس کو اسلام کے مطالعہ کا زیادہ موقعہ ملا ہے۔ لیکن ہمیں خلوص نیت سے نہایت ایمانداری کے ساتھ ہر ایک مذہب کو منجانب اللہ سچا سمجھ کر دل و دماغ کو ہر ایک قسم کی حمایت کے تاثرات سے پاک کر کے انصاف کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔

خدا تعالیٰ ہماری نیتوں کا جاننے والا اور ہماری صاف باطنی کا گواہ کافی ہے۔

ایک سلیم الطبع سعید الفطرت طالب صداقت جس کا دماغ ہر ایک قسم کے مذہبی اثرات سے صاف ہو۔ جب منشائے الٰہی معلوم کرنا اور خدا تعالےٰ کے بھیجے ہوئے پیغام پر عمل پیرا ہونا چاہے تو وہ ہر ایک مذہب کے مالہ و ماعلیہ پر کامل عبور

کرنے کے بعد صداقت کی تلاش نہیں کر سکے گا۔ اس کے لیے تو عمرِ نوحؑ چاہیئے۔ البتہ اس کو اس کے سوا چارہ نہ ہوگا کہ وہ کم از کم اس قدر اطمینان تو کر لیوے کہ وہ پیغامِ الٰہی جو کسی الہامی کتاب کی صورت میں ہر مذہب میں موجود ہے۔ وہ غیر محرف اور اصلی الفاظ میں کہاں مل سکتا ہے۔ کیونکہ اگر پیغام اصل الفاظ میں نہ مل سکے گا تو اس کا مفہوم بھی مشتبہ ہو جاوے گا۔ اور جس زبان میں وہ کتاب نازل شدہ ہے، کیا وہ زبان بعینہٖ اُسی حالت میں جو نزولِ کتاب کے وقت تھی کہیں بولی جاتی ہے۔ کیونکہ کسی زبان کا صحیح مفہوم اور محاورات کے صحیح مطالب سوائے اہلِ زبان کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس کتاب کے جملہ احکام بھی عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہوں۔ کیونکہ جب تک صحیح الفاظ اور صحیح معانی معلوم نہ ہوں اور اس کتاب کے جملہ احکام مطابقِ فطرت نہ ہوں۔ صحیح طور پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اس کو یہ بھی اطمینان کرنا ہوگا کہ جو مجموعہ احکام الہامی الفاظ میں پیش کیا جا رہا ہے، کیا وہ اس تک صحیح طور پر پہنچایا گیا ہے۔ اگر پہنچانے والے کی دیانت وامانت میں کچھ شبہ ہو یا اس کے حالات کا علم نہ ہو تو بھی اس پیغام کی صحت مشکوک ہو جائے گی۔

اس لیے اس پیغامِ الٰہی کو انسانوں تک پہنچانے والے (پیغام بر) کے حالاتِ زندگی بھی معلوم ہونے ضروری ہیں کہ اُس نے اپنی زندگی دنیا میں کس طرح بسر کی۔ کیا اس کے تعامل سے اس بات پر یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس نے وہ پیغام صحیح طور پر پہنچا دیا ہے؟ مختصراً یہ:

(۱) کون سی الہامی کتاب اصل الفاظ میں محفوظ ہے؟

(۲) اس الہامی کتاب کی زبان زمانہ نزولِ کتاب سے لے کر اب تک جوں کی توں کہیں مروج ہے؟

(۳) مضامین کتاب عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں؟

(۴) پیغام پہنچانے والے کی زندگی کے حالات اور اس کا تعامل اس کتاب کی صحیح تفسیر ہے؟ کیونکہ جب تک پیغامِ الٰہی کی صحت کا یقین کامل نہ ہو جائے

اس کو قابل تعمیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس معیار کے مطابق کون سی الہامی کتاب محفوظ اور قابل تعمیل مل سکتی ہے۔

(۱) اصل الفاظ کی حفاظت بدوں حفاظ کے نہیں ہو سکتی کیونکہ تجنیس خطی اور سہو کتابت سے اس میں تغیر آسکتا ہے اور تحریف و تبدیلی ہو سکتی ہے۔ حفاظ بھی نزول کتاب سے لے کر اس وقت تک اور اس وقت تک ہی نہیں بلکہ جس وقت تک وہ کتاب قابل عمل در آمد ہے۔ متواتر اور بکثرت ہوں۔ چند حافظ کسی وقت رہے ہوں اور بکثرت اور متواتر نہ ہوں تو صحت کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔

اب کل دنیا کے مذاہب کی الہامی کتابوں پر نظر ڈالو۔ توریت، انجیل، ژند، اُستا، وید حتیٰ کہ گورو گرنتھ صاحب کو بھی اگر الہامی کتاب کہا جائے اور ان پر ہی منحصر نہیں روئے زمین کی کوئی ایسی کتاب جو الہامی ہونے کی دعویدار ہو اور اس کے حافظ بکثرت اور نزول کتاب سے اب تک متواتر ثابت ہو جاویں تو اس کے الفاظ صحیح اور محفوظ ورنہ نا قابل اعتبار۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ سوائے قرآن شریف کے کسی الہامی کتاب کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔ ہر ایک کتاب پر بحث کی ضرورت نہیں۔ خود ان کتابوں کے متبع اس کے شاہد ہیں۔

قرآن شریف کی یہ حفاظت اتفاقیہ نہیں ہے۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ کا فرمان ہے جس پر قرآن شریف شاہد ہے کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (پ ۱۴ ع ۱)	ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔

ان الفاظ کی صداقت پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ کس معجزانہ طریق سے اس کی حفاظت ہو رہی ہے۔ نزول کتاب سے لے کر اب تک ایک ایک لفظ ایک ایک نقطہ زیر زبر تک محفوظ ہے۔ اگر روئے زمین سے قرآن شریف محو بھی ہو جائے تو حفاظ کی زبان سے اُسی طرح قلمبند ہو سکتا ہے کہ اس میں مطلق کوئی فرق اور

شوشہ تک کا اختلاف نہ ہوگا۔

اگر کوئی ایسی کتاب پیش کی جاسکتی ہو تو پیش کی جاوے۔ہم اس کے تسلیم کرنے کو تیار ہیں ورنہ غیر محفوظ اور مشتبہ احکام قابلِ تعمیل نہیں قرار پا سکتے۔

(۲) جب کوئی قانون منسوخ ہو جاوے تو وہ قابل عملدرآمد نہیں رہ سکتا۔ بظاہر قانون الٰہی کے متعلق کوئی صحیح معیار قائم کرنا مشکل ہے۔کہ کونسی کتاب منسوخ شدہ ہے اور کون سی قابلِ عمل درآمد۔لیکن قدرت کا ایک زبردست اور ناقابلِ انکار فیصلہ اس کے متعلق موجود ہے کہ بوجہ تحریف و تغیر جو کتابیں منسوخ ہوکر قابلِ عملدرآمد نہیں رہیں ان کی زبان بھی خداتعالےٰ نے (منسوخ کرکے) صفحہ ہستی سے اٹھالی ہے۔

نزولِ قرآن سے پہلے جو الہامی کتابیں نازل ہوئیں ان کی وہ زبان جس میں وہ کتابیں اتاری گئیں۔دنیا کے کسی حصہ میں آج بولی نہیں جاتی حتیٰ کہ نزولِ قرآن کے بعد بھی اگر کسی کتاب کو الہامی ہونے کا دعوےٰ ہو تو اُس کی زبان بھی اپنی اصلی حالت میں کہیں مروج نہیں ہے۔مثال کے طور پر گورو گرنتھ صاحب کو لیجئے۔اگر اس کو الہامی کتاب مان لیا جاوے تو اس کی زبان ہی اب کہیں بولی نہیں جاتی۔یہ امر بھی اتفاقیہ نہیں ہے۔بلکہ قرآن مجید میں خداتعالےٰ نے زبان عربی کو (عربی مبین) فرمایا ہے اور باقی زبانوں کو عجمی۔اور عجمی کے معنی گونگے کے ہیں۔گویا زبانِ عربی ہی واضح اور قابلِ عمل درآمد ہے۔باقی زبانیں عجمی یا گونگی یا منسوخ شدہ ہیں۔

زبان عربی کی اس سے زیادہ واضح اور بیّن ہونے کی اور کیا قدرتی اور زبردست شہادت ہوسکتی ہے کہ قطعہ حجاز علاقہ عرب (جہاں قرآن مبین نازل ہُوا) کی زبان اس وقت بھی وہی ہے جو نزول قرآن کے وقت تھی۔متعدد محققان یورپ نے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ہر زبان پچاس سال کے بعد اور پچاس کوس پر جاکر کچھ بدل جاتی ہے۔لیکن قطعہ حجاز کی زبان اس مکان و زمان کے اثر سے محفوظ ہے۔یہ قرآن شریف کی صداقت اور آخری مکمل پیغام ہونے کا اعجاز کس قدر محیر العقول ہے۔جب اہل زبان نہ ہوں تو ترجمے میں بہت کچھ رطب و یابس کی کھپت ہوسکتی ہے۔مطالب کے توڑ مروڑ جاری

رہ سکتی ہے۔ اور اہلِ زبان کے سوا الہامی کتاب کا مفہوم ناممکن الحصول ہوگا۔

ایسی صورت میں کسی طالبِ صداقت کا سوائے قرآن شریف کی طرف رجوع کرنے کے چارہ نہیں۔

(۳) ہر سوسائٹی کے قیام کے لیے چند قواعد کی بطور اصول موضوعہ ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جس کی پابندی کے بغیر سوسائٹی کا اجتماعی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ ڈھونڈا۔

(۱) ان قواعد کا مرتب کرنے والا ہو یعنی قانون ساز	خدائے تعالیٰ =	اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ
(۲) ان قواعد کا سوسائٹی تک پہنچانا اور مشتہر کرنا	فرشتگان و رسل	وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ
(۳) خود مجموعہ قواعد	کتب	
(۴) قواعد کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف تعزیری کارروائی اور اس کے وقت کا تعین	جزا و سزا اور یومِ قیامت	وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
(۵) ان قواعد کی صحت کا یقین اور تعمیل کا اقرار	اقرار لسانی و تصدیق قلبی	اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ

پس ایک مومن کے بھی یہی صفاتِ ایمان ہیں اور دین الفطرت (اسلام) ہے۔

قریبًا ہر مذہب میں نسلی اور ملکی امتیاز قائم ہیں۔ برہمن اور شودر کے حقوق یکساں نہیں۔ کالے۔ گورے یورپین اور انڈین کے حقوق میں اختلاف ہے۔ کہیں اکثر انسانوں کو پیغامِ خدا (کتاب الٰہی) کے پڑھنے بلکہ چھونے سے محروم کیا جا رہا ہے۔ (کہیں بعض انسانوں کے لیے خدا کی بادشاہت کا دروازہ بند ہے) کہیں بے قصور انسان پیدائشی گنہگار ہے اور کہیں وہ پچھلے کرموں کے پھل میں گرفتار ہے۔

صرف مذہب اسلام ہی وہ دین الفطرت ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لیے یکساں رحمت ہے۔ جس کا دروازہ ہر نسل، ہر رنگ، ہر ملک کے انسانوں کے

لیے قطع نظر اس کے کہ وہ برہمن ہے یا شودر۔ یورپ کا سفید فام ہے یا افریقہ کا کالا کلوٹا حبشی، فلاسفر ہے یا جاہل سب کے لیے کھلا ہے۔ جہاں شہنشاہ اور غلام میں فرق نہیں۔ جہاں محمود و ایاز کے دوش بدوش ایک صف میں کھڑے ہونے پر نازاں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، جو یہودیوں کے زرخرید غلام تھے۔ خاندانِ نبوت (اہل بیت) کے درجہ پر فائز ہو جاتے ہیں۔ حضرت بلال کو جو بُت پرستوں کے حبشی غلام تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ (جن کی ہیبت اور سطوت سے قیصر و کسریٰ لرزہ براندام تھے) آقا کہہ کر پکارتے ہیں۔

ہندو اچھوتوں کو نہ ملا سکے۔ عیسائی ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال تھپڑ کھانے کے لیے پیش نہ کر سکے۔ کہیں رسم ستی کو چھوڑ کر بیوگان کے نکاح کی ضرورت۔ کسی مہاتما کو اچھوتوں کی اصلاح مطلوب ہے۔ کہیں یورپ میں عورتوں کی کثرت کثرتِ ازدواج کی متقاضی ہے۔ کہیں روس کی لامذہبی میں مسئلہ عدت کی تلاش ہے۔ غرض ہر مسئلہ کا مکمل حل اس آخری پیغام کے سوا کہیں نہیں مل سکتا۔ یہ سب کچھ بحث کے لیے نہیں ہے بلکہ اسلام کا دعوےٰ ہے کہ وہ دین الفطرت ہے۔ (اَلْاِسْلَامُ دِیْنُ الْفِطْرَۃِ ؕ)

انسان فطرتاً مسلمان پیدا ہوتا ہے۔ غالباً کوئی الہامی کتاب اپنے اندر یہ دعویٰ نہیں رکھتی۔ نہ اس کو نباہ سکی ہے۔ دنیا اسلام کے انکار کے باوجود اس کے اصولوں کو تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہو رہی ہے۔ یہی اس کے دین الفطرت ہونے کا سب سے بیّن ثبوت ہے۔

(۴) جب تک اس شخص کے حالات زندگی جس پر آسمانی کتاب نازل ہوئی ہو اور جو اس کی نشر و اشاعت پر مامور ہو۔ معلوم نہ ہوں اور اس کی امانت و صداقت قبل از دعوےٰ نبوت اور اس کتاب کے مطابق اس کی عملی زندگی بعد از دعوےٰ نبوت ثابت نہ ہو۔ اس کی پیش کردہ کتاب کو الہامی اور منجانب اللہ مان لینا مشکل ہے۔ اب ہر ایک مذہب کے پیغامبر کے حالات پر نظر کرو اور اچھی طرح تحقیقات

کرد اور دیکھو کہ دنیا کے کسی ایسے انسان کی زندگی اس قدر روشن اور اس قدر پُر از صداقت مل سکتی ہے؟

کون ہے جس کو ملک اور قوم نے اور ملک اور قوم بھی کیسی جو صدیوں حرب الفجار جیسی لڑائیوں میں مصروف رہ کر آپس میں شدید اختلاف رکھتی ہو متفقہ طور پر قبل از دعوئے نبوت صادق اور امین کا خطاب دیا ہوا ور کون ہے جس کی بعد از نبوت کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن ترجمہ: (آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا) کے الفاظ سے تصدیق کی گئی ہو اور پھر کون ہے جس کو بارگاہ خداوندی سے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی سند ملی ہو۔ اور کون ہے جس کی زندگی کا ایک ایک واقعہ نہایت احتیاط کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہو۔ اور جس کی تصدیق کے لیے اسماء الرجال کی کتب میں تیرہ ہزار ۱۳۰۰۰ راویوں کے حالات لکھے گئے ہوں۔

یقیناً کوئی مذہب اپنے پیغمبر کے اس قدر روشن حالات زندگی پیش نہیں کر سکے گا۔ پس جس مذہب کے پیغمبر کے حالات قبل و بعد از دعوئے نبوت معلوم نہ ہوں۔ اس کے لائے ہوئے پیغام پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

تمام دنیا میں وہ صرف ایک ہی ذات گرامی (فِدَاهُ اَبِيْ وَاُمِّيْ) جو خدا کا آخری اور مکمل پیغام کل ساکنانِ زمین کے لیے لے کر آیا ہے۔

اب اس قدر بحث کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے۔ کہ صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو تاریخ نزول سے لفظاً و معناً ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ اور قیامت تک رہے گی۔ صرف اُسی کے احکام مطابق فطرت ہیں اور صرف اُسی کا لانے والا قرآن نازل ہونے سے پہلے صادق اور امین مشہور تھا۔ اور صرف اُسی نے کتاب الٰہی کے مطابق عامل ہو کر لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1] (تحقیق آپ کی زندگی ایک مکمل نمونہ ہے) کا طغرائے امتیاز حاصل کیا۔

---

[1] (پ۲۱ ع ۱۹)

اِس لیے یہی آخری پیغام اب قابلِ التفات ہے اور ہر تشنۂ صداقت کی پیاس یہیں بجھ سکتی ہے۔ دنیا کے اور کسی مذہب کو یہ فخر حاصل نہیں ہے۔ لامحالہ ایک جویائے حق اور طالب صداقت کو اسلام کے مطالعہ کے سوا چارہ نہیں ہے۔

اب اس مضمون میں صرف ایک بحث ناتمام رہ گئی ہے کہ اسلام آخری اور مکمل مذہب کیونکر ہے۔

دنیا کے مذاہب ایک دوسرے کی تبطیل کرتے ہوئے ایک دوسرے کو سچا نہیں سمجھتے لیکن اسلام اپنی الہامی زبان یعنی قرآن شریف کے ذریعہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ[1] (رسولوں یعنی پیغمبروں میں فرق نہ ڈالو) فرما کر سب کی صداقت کا شاہد ہے اور فرمانِ الٰہی ہے کہ ہم نے کسی اُمّت کو ہلاک نہیں کیا جب تک اس میں ایک ڈرانے والا یعنی ایک پیغمبر نہیں بھیج دیا۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْہَا نَذِیْرٌ[2]

گویا ہر مُعذّب بستی اور ہر اُمّت میں پیغام خدا پہنچتا رہا جس میں کسی مذہب کی بھی تکذیب نہیں ہے۔ اب اسلام کے آخری اور مکمل ہونے کا دعویٰ خدائی الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[3]	آج تمہارا دین مکمل ہو گیا اور ہم نے تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔ اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

اَلْیَوْمَ میں ابتدائے آفرینش سے لے کر نزولِ قرآن تک کے ارتقاء کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا نے خاتم النبیین (آخری نبی) فرمایا ہے کہ ان کے بعد اب نہ کسی پیغام کی اور نہ کسی پیغمبر کی ضرورت ہے۔

خود خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جن کو مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ

---

[1] (پ ۳ ع ۷)۔ [2] (پ ۲۲ ع ۱۵)۔ [3] (پ ۶ ع ۵)۔ (ناشر)

اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی[1] (پیغمبر خدا اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ وحی کے ذریعہ انہیں حکم ہو بیان فرماتے ہیں) کی سند مل چکی ہے۔ فرمایا ہے کہ میں اس مکان کی آخری خشت ہوں میرے آنے سے مذاہب دنیا کی تعمیر ختم یعنی مکمل ہو گئی ہے۔

پیغمبر اسلام کے سوا دنیا کے کسی پیغمبر کا یہ دعوٰی نہیں ہے کہ وہ ساری دنیا کے لیے ہے یا قیامت تک ہے۔ مگر آپ بالفاظ قرآنی رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ یعنی جملہ بنی نوع انسان کے لیے آخری نبی ہیں۔ جن کی تشریف آوری کی بشارتیں مذاہب ماقبل میں موجود ہیں۔

اب ان آیاتِ بیّنات۔ اور براہینِ قاطعہ کے بعد بھی اگر کسی کو قرآن مجید کی صداقت میں شبہ ہو تو حکم ہوتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ[2]

اور ہم نے جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر قرآن نازل کیا ہے۔ اگر تم کو اس میں شک ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں۔ بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی کتاب ہے اور اپنے دعوے میں سچے ہو۔ تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمائتیوں کو بھی بُلا لو پس اگر یہ نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جس کے ایندھن ہوں گے آدمی اور پتھر۔ تیار کی گئی واسطے کافروں (یعنی منکرین قرآن) کے۔

یہ ایک کھلا چیلنج ساڑھے تیرہ سو سال سے کل دنیا کو دیا جا رہا ہے۔ اور اس شدّت یقین کے ساتھ پیشگوئی کی گئی ہے کہ ساری دنیا کے انسان اور ان سب کے حمائتی مل کر قیامت تک ایسی سورت ہرگز نہیں بنا سکیں گے۔ بڑے بڑے مخالف

---

[1] (پ۲۷ ع ۵) [2] (پ۱ ع ۳) (ناشر)

اور دشمنانِ اسلام، فصحا، بلغا نہ اس کا جواب اب تک دے سکے ہیں نہ قیامت تک دے سکیں گے۔

کوئی ہے؟

جس کے سینہ میں دل اور دل میں سچائی اور سر میں دماغ اور دماغ میں عقل موجود ہو اور پھر اس قرآن کو کلامِ خدا نہ مانے اور اس کے پہنچانے والے کو خاتم النبیین نہ مانے۔

اب اس قرآن کریم کی صداقت کا خود اندازہ کرلو کہ:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ [1]	خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔
وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ [2]	اور اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں کیا جاوے گا۔

غور کرو کہ ان حالات کے بعد اسلام سے اعراض یا انکار کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے؟

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ [3] (اب اس کے بعد تمہارے ایمان لانے کے لیے اور کون سی بات ہوگی) کیا اب ہم یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ دنیا کے ہر سمجھ دار انسان کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد اسلام قبول کرنا پڑے گا۔ اور اعلان کرسکتے ہیں کہ ؎

کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو

✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽✽

---

[1] (پ ۳ ع ۱۰)۔ [2] (پ ۳ ع ۱۷)۔ [3] (پ ۲۹ ع ۲۲)۔ (ناشر)

تمہید

یہ سنت اللہ ہمیشہ سے جاری رہی ہے کہ جب کسی دین میں تحریف ہوئی اور اصول نجات بدلے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے دین کی تجدید کے لیے ایک نیا نبی مبعوث فرمایا۔ یہ انبیاء اپنی اپنی قوم کی طرف آئے لیکن خاتم النبیین ساری دنیا کی طرف بھیجے گئے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ[1]

نبوت آپ پر ختم ہوگئی اور دین مکمل ہوگیا۔ اب نہ کسی جدید نبی کی ضرورت ہے۔ نہ دین مکمل کے بعد اور کسی دین کی۔

البتہ غافل انسانوں کی مزید ہدایت کے لیے انبیاء بنی اسرائیل کی طرح اس اُمت میں اولیاء اللہ آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ جس طرح انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قسم کے حالات کو محفوظ رکھا ہے۔ اولیاء اللہ کے سوانح حیات کبھی محو نہ ہونے دیں۔ اور یہ فرض ان کا صرف اخلاقی فرض ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ فرض ان پر بڑے شد و مد کے ساتھ عاید کیا گیا ہے۔

ہم پانچوں وقت نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتے وقت بارگاہِ ایزدی میں دعا کرتے ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[2]	ہمیں ہدایت کر صراط مستقیم کی۔ یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا انعام کیا۔

اب اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی قرآنی تفسیر ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہے:

---

[1] (پ ع) - [2] (سورہ فاتحہ) - (ناشر)

اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ [۱]	نبی، صدیق، شہید اور صلحاء وہ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے اپنا انعام کیا ہے۔

گویا انبیاء، صدیقین، شہدا صالحین کے راستہ پر چلنے کے لیے ہدائت اور استعانت طلب کرتے ہیں۔ جب تک ان کی زندگی کا ہر ایک پہلو اور اسوۂ حسنہ پیش نظر نہ ہو ان کے راستہ پر چلنا مشکل ہے تو انبیاء کی طرح صدیقین و شہدا و صلحا کی سیرت کا بھی مکمل رکھنا مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ انہیں دیگر مذاہب اور امم سالقہ کی فراموش کاری سے عبرت پذیر ہونا چاہیے۔

خیر الامم کا طغرائے امتیاز ہی یہی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو کامل طور پر محفوظ رکھا ہے۔ تو انہیں دیگر انعام یافتہ لوگوں کی سوانح کو بھی محفوظ رکھنا چاہیئے۔ ایک اور مغالطہ یہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ اور صلحاء نے اپنی زندگی میں اپنے حالات زندگی اور مقالات کے تحریر کرنے اور محفوظ رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس لیے اُن کے معرض تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مگر اس کے متعلق یہ بات بھی مدِنظر رکھنے کے قابل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حدیث شریف کی تحریر کی کب اجازت دی تھی؟

مگر جب تابعین اور تبع تابعین کو ان آثار کے مٹنے کا خوف ہُوا۔ اور قرآن کریم کے محفوظ ہونے کے باوجود حدیث شریف کی حفاظت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے حدیث شریف جمع کرنے اور محفوظ کرنے میں وہ محنت کی جس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

جس طرح احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مختلف آیاتِ قرآنی کا مضمون ایک جملہ میں بیان کیا گیا ہے بعینہٖ اسی طرح اولیاء اللہ کے ملفوظات میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی نہایت موزوں اور دلنشیں پیرایہ میں تعلیم موجود ہوتی ہے۔ ان

---

[۱] (پ۵ ع ۶)۔ (ناشر)

بزرگوں نے کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ کی تعمیل میں اپنی زبان میں نہایت سادہ اور عام فہم طریق پر قرآنی مطالب اور احادیث کے مفہوم کو ذہن نشین کرایا ہے۔ ان کی زندگیاں اسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو تازہ کر دیتی ہیں۔ اور ان کی حیاتِ طیبہ کا عملی رنگ اہلِ بصیرت کو صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اجتماعی اور قومی زندگی کے لیے بھی یہ ضروری ہے۔ کہ اپنی قوم کے مشاہیر کی یاد تازہ رکھی جاوے۔

زندہ قومیں اپنے رہنماؤں کو زندہ رکھتی ہیں۔ اور جو اُن کو مٹا دیتی ہیں وہ خود مٹ جاتی ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے ؎

نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن　　　تا بماند نامِ نیکت برقرار

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بصائر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر فرمایا ہے۔ آنکھ خواہ تندرست اور روشن ہی کیوں نہ ہو بغیر بیرونی روشنی (سراج منیر) — اندھیرے میں کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ اس ظلمت کدۂ دنیا میں انسان کی راہنمائی اللہ تعالیٰ کی طرف جو نور السموات والارض ہے۔ سوائے بصائر قرآنی اور سراج منیر کے ہو نہیں سکتی۔ گویا قرآن شریف مجموعہ احکام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عملی تفسیر ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری وصیت میں ارشاد فرمایا کہ میں دو چیزیں تمہارے پاس چھوڑ چلا ہوں۔ قرآنِ حکیم اور آلِ اطہر۔ قرآن شریف مجموعہ احکام وقوانین اور آل اطہر اس کا عملی رنگ۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث اور قائم مقام ہے جب تک عملی نمونہ سامنے نہ ہو۔ عمل ہونا مشکل ہے۔ ایسی نورانی ہستیاں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع کیا ہے۔ سراج منیر کی قائم مقام اور قرآن شریف کی عملی تفسیر ہیں۔ ان کے سوانحات اور ملفوظات کا تازہ اور محفوظ رکھنا قرآن فہمی اور راہنمائی کے لیے ضروری ہے۔

چونکہ آج کل اخلاقِ قرآنی کے نمونوں کی از حد کمی ہو رہی ہے اور خلف میں سلف کا

عملی رنگ، بالکل مفقود ہو رہا ہے۔ دین کا شوق کم ہو رہا ہے۔ عالمِ عمل سے مُعرّا ہو رہے ہیں۔ ان میں خلقِ عظیم کی جھلک دکھائی نہیں دیتی جو قرونِ اولیٰ میں نظر آتی تھی۔ اس لیے ایسے حضرات کا تذکرہ جو مخلق باخلاق اللہ ہوں قلوب میں روشنی پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ آلِ اطہر صحیح معنوں میں وہی ہو سکتی ہے۔ جو آپ کے اُسوۂ حسنہ پر ہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

جس طرح اللہ جلّ شانہٗ نے آلِ ابراہیم کو فضلیت اور برکت دے کر وراثتِ نبوت عطا فرمائی۔ اُسی طرح آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (خاتم النبیین) میں وہ علماء ورثۃ الانبیاء کانبیائے بنی اسرائیل اور اولیاء اللہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ[1] کے مصداق پیدا کیے۔ جنہوں نے مشرق سے مغرب تک کل جہان کو اپنی عالمتاب کرنوں سے منور کر دیا اور طالبانِ حق کے سینوں کو نورِ اسلام سے روشن اور دلوں کو سکینہ اور ایمان سے بھر دیا۔ کفرستان ہند کے اس حصہ میں جہاں کافِ کُن سے لے کر شرک والحاد۔ کفر و بت پرستی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ اور ظلم و ستم قتل و غارت جس کے نام ترٹر چھتر[illegible] سے اب تک مُترشح ہے۔ وہاں آلِ اطہر کے ایک صحیح النسب خاندان کے چند افراد نے وہ نورِ ہدایت پھیلایا۔ جس پر اطراف واکناف کے لوگ بلکہ پنجاب و ہندوستان سے گزر کر کابل، بدخشاں عرب و عجم کے طالبانِ حق پروانہ وار جانیں قربان کرنے لگے۔ اور جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اس آخری زمانہ میں تازہ کر دی۔

اور بمصداق شرف المکان بالمکین ترٹر چھتر جیسی جگہ کو مشرف بنا کر مکان شریف بنا دیا۔ ان بزرگان کے حالات ایسے مخفی ہیں کہ وہاں کے ملنے والے اور معتقدین کو

---

[1] (پ ۱۱ ع ۱۲)۔

بھی معلوم نہیں۔ اور جو کچھ زبانی روایات مشہور اور متواتر چلی آتی ہیں۔ وہ بھی نسیاً منسیاً ہو رہی ہیں۔

وجہ تالیف

۱۹۲۹ء میں بموقعہ عرس شریف حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتح پوری دہلی نبیرہ حضرت* مولانا محمد مسعود[1] صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف تشریف لائے حضرت نے اُن کو وفات سے ایک سال پیشتر تحریر فرما کر مولوی رکن الدین[2] صاحب کی معرفت بلوایا تھا جب ۲۹ء میں عرس مکان شریف میں تشریف لانے کا اتفاق ہوا تو مولانا صاحب کو اپنے پیر و مرشد کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق تھا۔ چنانچہ حکیم نظام الدین[3] صاحب ساکن بھگرائیں داہلہ جو آپ کے برادر طریقت تھے۔ بلوا کر کچھ حالات سُنے مگر بوجہ زبان کی مغائرت اور حالات کی کمیابی کے ان کا شوق پورا نہ ہوا۔ انہوں نے حکیم صاحب سے حضرت کے حالات قلمبند کرنے کی فرمائش کی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت کے حالات مل جاویں تو طبع کرا دیئے جاویں۔

دوسرے سال ۱۹۳۰ء میں مولانا ممدوح بمعہ مولوی رکن الدین صاحب الوری مرحوم بموقعہ عرس شریف تشریف لائے اور حالات و واقعات مکان شریف کی اس لیے جستجو کی گئی کہ مولانا رکن الدین صاحب ایک شجرہ طریقہ خاندان نقشبندیہ جس میں اس سلسلہ عالیہ کے ہر ایک بزرگ کے حالات کا مختصر تذکرہ ہو۔ شائع کرنے کا انتظام فرما رہے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد یسین[4] صاحب کو اس کام پر مامور کر دیا تھا۔

---

* حضرت سید صادق علی شاہ صاحب مرحوم (مؤلف) [1] حضرت مولانا محمد مسعود دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے لیے تذکرہ مظہر مسعود (مطبوعہ کراچی) کا مطالعہ فرمادیں۔ [2] مولانا محمد رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات "مصباح السالکین" اور "بزم جاناں" میں ملاحظہ فرمادیں۔

[3]

[4]

جناب مولوی منظہر اللہ صاحب دہلوی کے ایماء اور قبلہ حکیم نظام الدین صاحب کے اصرار پر خاکسار نے جو یادداشت قلمبند کرنی شروع کر دی تھی۔ جس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ میں صرف مشائخانِ طریقت کے حالات لکھ رہا ہوں تم مکان شریف کے جملہ بزرگان کے اجدادی حالات تحریر کرو۔

ادھر ان حالات کی اشاعت کی ضرورت اور اہمیت کا احساس تھا اور ادھر اپنی بے علمی کم مائیگی پیش نظر تھی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ پہلے کبھی تصنیف و تالیف کا کام نہ کیا تھا۔

گویم مشکل دگر نگویم مشکل

کی کش مکش میں گرفتار رہا۔ اپنی کم علمی کی وجہ سے اس عظیم الشان کام کے قابل اپنے آپ کو نہ پاتا تھا۔ اس لیے مایوس ہو کر اس خیال کو ترک کر دیا جاتا لیکن کسی دوسرے اہل علم کو اس کام کی طرف متوجہ نہ دیکھ کر اس کی ضرورت کا احساس ہوتا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ بالآخر اس خیال سے کہ تَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ کی تعمیل میں جس قدر وقت اس طرف صرف کرونگا۔ وہی مری نجات کا موجب ہوگا۔ اور محض اس ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ذِکْرُ الْاَوْلِیَاءِ حِکْمَۃٌ لِّلْقُلُوْبِ وَکَفَّارَۃٌ لِّلذُّنُوْبِ (اولیاء اللہ کا ذکر دلوں کے لیے حکمت اور گناہوں کے لئے کفارہ ہے) تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لکھنا شروع کر دیا۔

بزرگانِ مکان شریف کے جس قدر حالات بھی محفوظ رہے ہیں وہ غیر مطبوعہ کتاب آیات القیومیہ اور عالی جناب سید میر زاہد صاحب مرحوم کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہیں اور اس تذکرہ کے ماخذ زیادہ تر آیات القیومیہ اور میر صاحب مرحوم کے تحریر کردہ حالات ہیں۔ میں نے صرف واقعات کو یک جا کر کے نقل کر دیا ہے۔

حالات سادات مکان شریف

شجرۂ نسب

۱۔ ہاشم

۲۔ عبدالمطلب

۳ عبداللہ — ابوطالب

۴۔ سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت علی کرم اللہ وجہہ

۵ سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام

۶۔ حضرت امام زین العابدین

۷۔ حضرت امام محمد باقر

۸۔ حضرت امام جعفر صادق

۹۔ حضرت امام موسیٰ کاظم

۱۰۔ حضرت امام علی رضا

۱۱۔ حضرت امام محمد تقی

۱۱۔ حضرت امام محمد تقی

۱۲۔ حضرت امام محمد نقی

۱۳ حضرت امام حسن عسکری — حضرت جعفر تواب

۱۴۔ سید اسماعیل

۱۵۔ سید عبدالرحمٰن معروف ناصر

۱۶۔ سید عبدالرحیم

۱۷۔ سید غالب

۱۸۔ سید جلال

۱۹۔ سید احمد

۲۰۔ سید طالب

۲۱۔ سید زین العابدین

۲۲۔ سید جلال الدین

۲۳۔ سید صدر الدین

۲۳۔ سید صدر الدین

۲۴۔ سید غالب

۲۵۔ سید ولی اللہ

۲۶۔ سید نعمت اللہ

۲۷۔ سید فخر الدین

۲۸۔ سید ابوالمبارک

۲۹۔ سید فتح اللہ

حضرت سید دانیال صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۰۔ (مورث اعلیٰ مکان شریف)

۳۱۔ سید خواجہ

۳۲۔ سید ابوالمعالی

۳۳۔ سید عارف

۳۴۔ حضرت سید شاہ محمد صاحب

نوٹ: تحقیق و تفصیل کے لیے دیکھیے ضمیمہ مرآۃ الانساب مرتبہ جناب محمد ضیاء الدین احمد علوی نقشبندی قادری چشتی امدادی شاذلی امروہی مؤلف کتاب مذکور (یہ نسخہ بھلیر شریف میں موجود ہے) ناشر

حضرت سید شاہ محمدؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فضل کریمؒ — مصنف کتاب — لاولد

میر کریمؒ — سید قاسم علی — سید میر حمزہ صاحب — سید میر محمد زاہد صاحب

کرم کریمؒ

شاہ کریمؒ — قطب زماں سید حاجی شاہ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (عرف بھورے والے صاحب)

سید نبی بخش — سید فرید الدین

سید علی مرتضیٰ — میر مصطفیٰ — میر حیدر — میر جعفر صاحب (کلانور میں مقیم ہیں)

سید محمد حسین شاہ صاحب (سجادہ نشین کلانور)

نیاز احمد — اقبال احمد — ناظر حسین — نور حسین — منظور حسین

لطف کریمؒ — سید فرزند علی — سید حیدر علی

قطب الاقطاب دوراں حضرت پیر پیر امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قطب زماں حضرت سید صادق علی شاہ — میر لطف اللہ صاحب

سید محمد ابراہیم صاحب — سید محمد داؤد صاحب — سید ارادہ اللہ صاحب — سید عبداللہ

حضرت میر آل رسول صاحب — میر عبید اللہ صاحب (لاولد) — حضرت مولانا سید غلام رسول صاحب — حضرت میر بارک اللہ صاحب

سید محمد فتح نجیب صاحب — میجر صوبیدار نصیر نذیر صاحب

افتخار احمد — انتصار احمد — اقتدار احمد — مولانا محمد منظور احمد صاحب (امام مسجد مکان شریف)

سید ظہور السمیع صاحب — سید محمد ظفر الامان صاحب — سید فضل نعیم صاحب — سید مظہر قیوم صاحب مدظلہ سجادہ نشین مکان شریف — سید مخزن العلوم صاحب

سید محمد محفوظ صاحب

ضمیمہ شجرہ نسب

اولادِ قیومِ عالم سیدنا حضرت امام علی شاہ مکان شریفی قدس اللہ سرہ

- قطب زماں سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (فرزندِ اکبر اور سجادہ نشین)
  - حضرت میر بارک اللہ رحمہ اللہ
    - حضرت سید منظر قیوم رحمہ اللہ، سجادہ نشین سوم
      - سید محمد محفوظ مدظلہ، سجادہ نشین چہارم
        - سید حسام القیوم صاحب
          - سید محمد مظہر قیوم فخیم الشیم
          - (بھولیر)
    - سید مخزن العلوم مرحوم
      - سید شرافت علی صاحب
        - انتصام صادق، تیمن صادق، عاطف صادق
        - (بھولیر)
      - سید سعادت علی مرحوم
        - وسیم صادق، بدیع الزمان، حن الفیاض
        - (بھولیر)
    - سید ظہور السمیع مرحوم
      - سجاد حید صاحب
      - چک نمبر ۱۲۰ ضلع فیصل آباد
    - سید فضل نعیم مرحوم
      - بشارت حسین صاحب
        - نعیم صادق صاحب
        - چاہ میراں لاہور
    - سید محمد ظفر الایمان مرحوم لاولد
  - میر آلِ رسول رحمہ اللہ
    - میجر نصر نذیر مرحوم
      - احمد صادق لاپتہ
      - حامد صادق مرحوم
        - اشہب صادق، مصعب صادق، حماد اشہب
        - (بھولیر)
    - نصیر علی مرحوم لاولد
    - محمد فتح نجیب مرحوم
      - مومون صادق، ارشد صادق، اختر صادق
      - (لاہور)
  - میر عبداللہ رحمہ اللہ
  - مولانا سید غلام رسول رحمہ اللہ
    - سید محمد ابراہیم رحمہ اللہ لاولد
    - سید محمد داؤد رحمہ اللہ
      - سعد محمود
        - ایک لڑکا (لندن)
      - سرمد مقصود
        - احمد داؤد، علی امام، سلمان سرمد
        - (لاہور)
      - مقصود بچپن میں فوت ہوگیا
    - مولانا سید منظور احمد رحمہ اللہ، امام مسجد مکان شریف
      - وسیم صادق، بدیع الزمان، حن الفیاض، فرخ ببر، خرم عتیق، سعد عتیق، اسعد، دانیال، زکی رضی
      - (ساہیوال، کوٹھی نمبر ۱۲۰ سول لائن)
    - انتصار احمد مرحوم
      - عضر امام، منتصر امام
      - (لاہور)
    - افتخار احمد صاحب
      - ندیم احسن، مستحسن قیوم، تقویم احسن
        - مجد الاحسن، محمد علی
        - بھولیر
    - اقتدار احمد صاحب
      - آصف صادق، تصور صادق، تحسین صادق
- حضرت سید میر لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ (فرزندِ اصغر)
  - سید امداد اللہ رحمہ اللہ
    - محمد احمد، سعود حیدر، سعید حیدر
    - (بھولیر)
  - سید علیم اللہ رحمہ اللہ
    - خالد لطف، کوثر دانیال
    - فیصل آباد، واپڈا کالونی

حالاتِ خاندان

حضرت امام تقی علیہ السلام دوازدہ اماموں میں سے ہیں۔ آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد کے حالات کتبِ سیر میں بالتفصیل درج ہیں اس لیے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں البتہ آپ کی اولاد کا تذکرہ مجملاً عرض ہے۔

جعفرِ تواب

امام محمد تقی علیہ السلام کے فرزندِ دوم تھے۔ اور خلف اکبر حضرت امام محمد عسکری علیہ السلام تھے۔ جب خلیفہ معتمد نے ۲۶۰ھ سنہ میں حضرت امام حسن عسکری کو زہر دلوا کر شہید کرایا۔ تو جعفر کے دل میں خیال آیا کہ میں نے بھی دعوائے امامت کیا ہے۔ مبادا مجھے بھی ہلاک نہ کیا جاوے۔ چنانچہ اس خیال سے آپ نے سامرہ[1] سے نکل جانے کا قصد کیا جب محمد بن عسکری اور دیگر اراکین خاندان کو اس کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اس ارادہ سے آپ کو منع کیا۔ کہ آپ کا یہاں سے جانا قرینِ مصلحت نہیں۔ کیونکہ اس خاندان کا آپ کے سوا کوئی سرپرست نہیں رہا۔
آپ نے امامت سے تائب ہونے کے بعد بقیہ عمر تعلقاتِ دنیوی کو چھوڑ کر روضہ حضرت موسیٰ رضا علیہ السلام پر معتکف ہو کر بسر کی اور بزمانہ خلافت المقتدر باللہ ۲۷۱ھ سنہ میں رحلت فرمائی۔

حضرت ابوالمبارک بن سید فخر الدین صاحب

آپ کا نسب جیسا کہ شجرہ نسب سے ظاہر ہے۔ سترہ واسطوں سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آپ کا زمانہ خلافتِ عباسیہ کے اختتام کا ہے۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ جن میں سید فتح اللہ صاحب ممتاز تھے۔

سید فتح اللہ صاحب

آپ کی وجہ تسمیہ اس طرح مذکور ہے کہ آپ کے والد ابوالمبارک حاکمِ سامرہ کی طرف سے عہدۂ امیر الحرب پر مامور تھے۔ ایک معرکہ میں آپ مصروفِ جہاد تھے اور فتح یاب ہو کر واپس تشریف لا رہے تھے کہ فرزندِ ارجمند کی تولید کی خبر پہنچی۔ آپ نے اس فتح کی یادگار میں آپ کا نام فتح اللہ رکھا۔
گو آپ کے خاندان میں بہت سی جاگیریں عطا شدہ تھیں۔ لیکن اُن کا بیشتر حصہ فقراء و مساکین پر صرف ہوتا تھا۔ خود سید مبارک اعلیٰ عہدے پر ممتاز تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ کی تعلیم کا انتظام بغداد سے قابل معلّم منگا کر کیا۔ اور آپ نے علوم مروجہ

---

[1] بغداد کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ (ناشر)

میں کمال حاصل کرنے کے علاوہ نیزہ بازی۔ تیغ زنی، تیر اندازی کی مشق بھی کی۔ اور ماہر فنِ حرب ہو گئے۔ آپ کے والد نے آپ کو اپنی جگہ امیر الحرب مقرر کرا دیا اور خود اسی سال ۷۹۴ھ میں وفات پائی۔

آپ حج کو تشریف لے گئے۔ احرام اتارنے اور بال ترشوانے کے وقت آپ نے ایک درویش طریقہ مداریہ کو دیکھا کہ اس نے ہر دو سُنّتوں کی پیروی نہ کی۔ علمائے وقت نے آپ کو حرم میں داخل نہ ہونے دیا اور باہر نکال دیا۔ آپ اس درویش کو اپنے ہاں سے کھانا بھجواتے رہے اور خود بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ ایک روز جب آپ اس درویش کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس نے کہا کہ:

"بخانۂ شما فرزندِ دلبند پیدا شدہ است۔ مبارک باشد چوں بہ خانہ روی نامش "دانیال" بنہ۔ صاحبِ فضل و برکت خواہد شد۔"

آپ نے گھر پہنچ کر بموجب فرمانِ درویش اپنے صاحبزادہ کا نام دانیال رکھا۔ آپ نے ۸۲۹ھ میں جبکہ دانیال خورد سال تھا۔ رحلت فرمائی۔

****

حضرت دانیال

مورثِ اعلیٰ مکان شریف

والد کے قبل از وقت وفات اور وراثت کے تنازعات کی وجہ سے حضرت دانیال زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اس لیے آپ نے بغرضِ حصولِ تعلیم اپنے گھر (سامرہ) کو چھوڑ دیا۔ اور بغداد پہنچ کر تعلیم حاصل کرنے کا قصد کیا۔ جو ان دنوں علوم وفنون کا مرکز تھا آپ بغداد تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں درویشوں کے ایک گروہ سے ملاقات ہوئی۔ جو بارادہ حج خانہ کعبہ کو جا رہے تھے۔ آپ کے معصوم دل پر ان کی معیت کا اثر ہوا اور آپ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور کئی ایک حج بیت اللہ شریف کیے پھر مدینہ شریف پہنچ کر رات دن مصروفِ عبادت رہنے لگے اور وہیں اقامت اختیار کی۔

ایک دفعہ آپ نے مدینہ منورہ سے قصدِ وطن فرمایا۔ رات کو روضۂ حضور پر آخری سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں جب درِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوا تو مکاشفہ میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا۔ اپنا منہ کھولو۔ جب میں نے منہ کھولا تو حضور نے دو دانے انگور کے میرے منہ میں اپنے دستِ مبارک سے ڈالے اور فرمایا کہ یہ خزینہ علوم عرفان الٰہی کا ہے جو تمہارے سینہ میں امانت رکھا گیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ پھولے پھلے گا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے سینے سے دو نورانی شمعیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اور ان ہر دو شمعوں سے کئی اور شمعیں روشن ہو کر فضائے عالم کو منور کر رہی ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے ہر دو بازو جناح (پر) ہو گئے ہیں اور مجھے طاقتِ پرواز حاصل ہو گئی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ مجھے فرما رہے ہیں۔ "دانیالؒ! تم اپنے وطن جانے کا ارادہ کر رہے

ہو۔ حالانکہ قسّامِ مطلق نے تمہارا آب و خور وطن ہندوستان مقرر کیا ہوا ہے۔

صبح میری طبیعت بہت متفکر تھی۔ رات کا سارا ماجرا ایک صاحب حال سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ تمہارا آب و دانہ ہندوستان میں ہے۔ اور آپ کی نسل سے دو بہت بڑے بزرگ پیدا ہوں گے۔ جو ایک زمانہ کو نورِ مذہب سے منور کر دیں گے۔ اُن کا ظہور کسی خاص وقت میں ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ ملک بہت دُور ہے۔ سفر صعوبت انگیز اور زادِ راہ پاس نہیں۔ انہوں نے فرمایا جو خدا تعالےٰ کو کرنا منظور ہوتا ہے۔ اس کے اسباب خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔ گھبراؤ نہیں تمہارے سب مرحلے طے ہو جاویں گے۔ میں تم کو سمجھا دیتا ہوں۔ جب تم بندرگاہ سورت پر جہاز سے اترو تو پہلے اجمیر شریف جانا۔ اور کچھ عرصہ ولی الہند حضرت معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ پر قیام کرنا۔ کیونکہ آپ سلطان الہند ہیں۔ اور ہندوستان کی تمام برکات آپ کے قبضہ میں ہیں۔ پھر جب وہاں سے ارشاد ہو اور اجازت ملے تو اپنے خاندان کے بزرگ سید بدیع الدین شاہ مدار کے پاس جانا اور ان کی خدمت میں اپنا حال عرض کرنا۔ جو کچھ وہ فرماویں گے اس پر عمل کرنا۔

الغرض میں نے ہندوستان جانے کا قصد مصمم کر لیا۔ اور خدا تعالےٰ کا نام لے کر چل پڑا۔ تائیدِ ایزدی شاملِ حال تھی۔ میں نے اُس بزرگ کے فرمان کے مطابق جہاز سے بندرگاہ سورت پر اتر کر اجمیر شریف کی راہ لی۔ اور وہاں پہنچ کر قیام کیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میں نے ایک درویش سے اپنا ماجرائے سفر بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ استخارہ کر کے اس کے متعلق جواب دوں گا۔ صبح جب میں ان سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ :

"تم سیدھے مکن پور چلے جاؤ اس وقت قیوم زماں حضرت بدیع الدین شاہ مدار ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال بیان کرو۔ تمہاری عقدہ کشائی وہاں ہو سکے گی۔ جو حکم وہاں سے ملے اس کی تعمیل کرنی چاہیئے۔"

میں ان کے فرمان کے مطابق مکن پور پہنچا اور عرضِ حال کے لیے حضرت کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ مگر دیکھا تو آپ حالتِ سکر میں تھے۔ اور ایسی حالت میں آپ کے ہر بن مو سے خون کے فوارے اُبل رہے ہیں۔ مجبوراً کچھ دن وہاں قیام کرنا پڑا۔ جب آپ ہوش میں آئے تو میں نے اپنا حال مفصل آپ سے بیان کیا اور عرض کیا کہ میں مُدّت سے آوارۂ دشت غربت ہوں اور مارا مارا پھرتا ہوں۔ آپ نے مہربانی فرما کر پہلے مجھے بعیت کیا۔ پھر فرمایا کہ:

"تمہارا اس ملک میں آنا خالی از حکمت نہیں ہے۔ اس میں کئی مصلحتیں ہیں اور اب تمہارا سفر عنقریب ختم ہونے والا ہے اور جس جگہ خدا تعالےٰ کو آپ کا پہنچانا منظور ہے۔ آپ وہاں پہنچ جاویں گے۔

جس بزرگ نے آپ کو عرب سے ہندوستان روانہ کیا ہے۔ اس نے بلاوجہ آپ کو نہیں بھیجا بلکہ حکمِ الٰہی اسی طرح تھا۔ آپ کو جو دانۂ انگور کھلائے گئے ہیں۔ اُس کی تعبیر یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد آپ کی نسل سے دو مردانِ خدا پیدا ہوں گے۔ جن کی برکات و انوار سے زمانہ روشن ہو جاوے گا۔ اور ان کی شمع ہدایت سے اور کئی لوگ فیض یاب ہو کر روشن ہوں گے۔ اور اُن کی برکت سے ظلمتِ کفر و شرک کافور ہو جاوے گی۔"

مختصر کیفیتِ سفر حضرت بدیع الدین شاہ مدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا قیام مکان شریف

باز وجناح ہونے سے اشارہ سیاحت کا تھا۔ پھر آپ نے کچھ مختصراً اپنے حالاتِ سفر بیان فرمائے تاکہ میرے دل کو تسکین ہو۔ فرمایا:

"میں حلب میں تھا جب مجھے مخدوم اعلیٰ سے خرقہ خلافت عطا ہوا اور حکم ہوا کہ ہندوستان میں ایسی جگہ جا کر اشاعت اسلام کروں جہاں اسلام کا نام و نشان نہ ہو اور جو جگہ ظلم و ستم سے معمور اور اسلام کی ہر قسم کی خوبیوں سے بے بہرہ ہو۔

حسب الارشاد میں بعزمِ ہندوستان جہاز پر سوار ہوا تو راستے میں میں نے

اہل جہاز کو نصیحت کی مگر بجائے اپنی اصلاح کرنے کے انہوں نے مجھے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ خدا کو اسی طرح منظور تھا۔ میں زندہ و سلامت کنارہ پر پہنچ گیا اور سرزمین ہندوستان پر پہنچ کر میں نے بے شمار کوہستان، ریگستان اور بیابان طے کیے آخر علاقہ پنجاب میں ایک ایسی جگہ پہنچا جس کی نظیر دنیا بھر میں بمشکل ملے گی۔

یہ جگہ دریائے راوی کے کنارے پر تھی اور یہاں ایک شہر آباد تھا۔ نسل کیرواں سے یہاں ایک راجہ چتر دھاری حاکم تھا۔ اور یہ شہر اس کی ریاست کا پایۂ تخت تھا۔ یہ راجہ نہایت ظالم سنگدل اور متعصب تھا مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ اس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ مسلمانوں کو جہاں پاتا قتل کرتا اور ان کا خون اپنے چتر پر لگا کر تخت اکرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس شہر کا نام رت چتر یا رتر چتر مشہور ہو گیا تھا اور بگڑ کر رتڑ چھتڑ کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ وہاں کسی مسلمان کا گزر نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت شاہ مدار صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے فرمان خدا کی تعمیل میں وہیں رہنا پڑا۔ میں وہاں رہتا تھا اور اکثر وقت میرا حالت مستی و غلبہ سکر میں بسر ہوتا تھا مجھے نہ کسی نے مسلمان سمجھا اور نہ ہی معترض ہوا۔ جب راجہ کا ظلم مسلمانوں کے سوا باقی رعایا پر بھی بڑھ گیا۔ تو مجھے عرصہ کے بعد ایک فقیر صورت شخص ملا اور اس نے بیان کیا کہ اس ظالم راجہ کی تباہی کا وقت آ گیا ہے اور عنقریب اس پر غضب الٰہی نازل ہونے والا ہے۔ آپ اس شہر سے چلے جاویں جب تک آپ یہاں ہیں عذاب الٰہی نازل نہیں ہوگا۔ حکم الٰہی اسی طرح ہے۔ میں اس بزرگ کے فرمان کے مطابق وہاں سے چلا آیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شہر غرق ہو گیا۔ (یا دریا میں بُرد ہو گیا۔)

پھر فرمایا کہ آپ دہلی چلے جاؤ اور وہاں سے لاہور پہنچ کر حضرت داتا گنج بخش کے مزار مبارک پر اعتکاف کرنا ... سے جس طرح ارشاد ہو تعمیل کرنا۔ آپ کو اس غرق شدہ شہر کی آبادی دوبارہ کرنا ہے اس لیے آپ نکاح بھی کریں۔

دانیال صاحب نے عرض کیا کہ میرے قوائے جسمانی بہت کمزور ہو گئے ہیں اور میں اب نکاح کے لائق نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس غرق شدہ ویرانہ میں جہاں میں

نے چلہ کشی اور عبادتِ الٰہی کی ہے۔ ایک نان پختہ تم کو ملے گی اس کے کھانے سے آپ کو تقویت جسمانی پورے طور پر حاصل ہو جائے گی۔

میں آپ کے فرمان کے مطابق براستہ دہلی لاہور پہنچا۔ اور حضرت داتا گنج بخش کے مزار مبارک پر کچھ عرصہ رہا۔ ایک دن ایک درویش صاحب حال سے میں نے اپنے واقعات بیان کیے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم لاہور سے جانب مشرق دریائے راوی کے کنارے سفر کرو۔ کیفیت تم کو خود معلوم ہو جائے گی۔ دریائے راوی کے کنارے ایک ٹیلہ پر جوگیوں کا مندر ملے گا۔ وہی جگہ قضا و قدر نے آپ کے لیے مقرر کی ہوئی ہے۔

کچھ عرصہ بعد وہ جگہ مل گئی جس کے لیے اس قدر صعوبات سفر برداشت کی تھیں۔ یہ جگہ دریائے راوی کے کنارے سرسبز اور دلکشا معلوم ہوتی تھی۔ ٹیلہ اونچا تھا۔ اور دریائے راوی کا پانی اس کے نیچے بہہ رہا تھا۔

یہ روایت گو تحریری کہیں نہیں ملی مگر عوام میں بہت مشہور ہے کہ جب حضرت دانیال رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں اقامت اختیار کی تو جوگیوں نے مخالفت کی اور اپنا دیرینہ قبضہ بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا میرا قبضہ تم سے زیادہ دیرینہ ہے۔ چنانچہ ان جوگیوں کے روبرو ایک جگہ کھود کر جو آپ کو کشف سے معلوم ہو گئی تھی۔ وہ نان پختہ جس کا ذکر حضرت شاہ مدار صاحب نے فرمایا تھا نکالی۔ جس پر جوگی محجوب ہو کر وہاں سے چلے گئے اور انہوں نے اپنا استھان چکھوڑ میں جا قائم کیا۔

حضرت کی تشریف آوری ۱۴۱۶ء مطابق ۸۳۶ھ میں ہوئی۔ جبکہ سید خضر خاں ولد سید سلیمان خاں دہلی میں حکمران تھا۔

اس روٹی کے کھانے سے آپ کی صحت جسمانی درست ہو گئی اور جوانی پھر عود کر آئی۔ اس واقعہ کو ایک قلمی کتاب جس کا ایک حصہ کرم خوردہ ہے۔ سید فضل کریم صاحب خلف سید شاہ محمد مرحوم نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

نسل ایں احقر ز اولادِ حسین — ہست با صحت ز سوئے والدین
از امامانِ نسل تا حضرت تقی — میرسد با قدوۂ مرتقی

پیشیانِ جملۂ اجدادِ من	در ولایت سامرہ کردہ وطن
سید فتح اللہ کز اجدادِ ما	بود اندر سامرہ ز اہلِ صفا
بُد نہ فرزندے نجانہ آں سعید	زیں سبب او داشت تشویشِ مزید
خواستہ ہمت از زمرۂ اولیاء	تا ز ولدش نسل ماند در قفا
بہرِ فرزندے بگیرد تا دُعا	از بدیع الدین کرد آں التجا
آں بدیع الدین حلبی شاہ مدار	با مرادِ خویش کردش کامگار
پیش آں عارف چو کرد او التجا	با دعائش داد فرزندش خدا
داد چوں فرزند او را ذوالجلال	تسمیہ بنمود سید دانیال
چوں سن تمیز فرزندش رسید	از علائق ہا تجرید آں گزید
ہست در ہندوستاں جائے قیام	چلہ کردم اندر آں با احترام
بعد از دے آتشے افروختم!	آیمہ و سرگین در آنجا سوختم
بعد ازاں نانے در آں انداختم!	خاطر خود را ازاں پرداختم
ہست آں نانے در آں آتش ہنوز	گرچہ بگزشتہ بر آں بسیار روز
رد تواں نانے ازاں آتش برار	پس بخورد خویشتن آنرا بیار
جسم پیرست آں زماں گردد جواں	ناتوانے بدن گردد باتواں
بعد تدریج ز اولادے بداں	تا قیامت نسل باشد جاوداں

اس نظم سے اس قدر شبہ ضرور ہوتا ہے کہ حضرت بدیع الدین شاہ مدار نے زرٹھیتر کی طرف آپ کو عرب سے روانہ کیا یا مکن پور سے۔ مگر اصل واقعہ کی تصدیق ضرور ہوتی ہے۔

الغرض حضرت دانیال نے کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا اور پھر اپنے پیرو مرشد کی زیارت کے حصول کے لیے بارادہ مکن پور دہلی پہنچے۔ دہلی سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ مدار صاحب کا انتقال ۸۳۷ھ میں ہو چکا ہے۔ اس لیے آپ نے مکن پور جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ قیام دہلی کے زمانہ میں ایک نامی بزرگ حاجی سید مسعود سے آپ کا تعارف

ہوا۔ ان کے ہاں کچھ عرصہ مہمان رہے۔ سید مسعود کے ہاں اولاد نرینہ نہ تھی۔ ایک لڑکی اُن کی بالغ تھی۔ حضرت دانیال کو خوش خصال اور نیک دیکھ کر اپنی لڑکی کا نکاح حضرت سے کر دیا۔ آپ عرصہ تک حاجی سید مسعود کے ہاں بطور خانہ داماد رہے۔

حضرت دانیال کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام بالترتیب سید غفور۔ سید طفور، سید خواجہ تھا۔ آپ کو پھر رتڑ چھتر جانے کا شوق ہوا۔ اور یہ شوق کیا تھا۔ الہامی حکم کی تعمیل بھی۔

دونوں بڑے صاحبزادے اپنی والدہ کے ہاں دہلی میں رہے اور آپ سید خواجہ کو لے کر رتڑ چھتر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ اس جگہ پہنچے جہاں اب مکان شریف آباد ہے۔ تو وہاں کوئی آبادی نہ تھی۔ جنگل بیابان تھا۔ بااثر دریا کی وجہ سے ایک جھیل سی بن گئی تھی۔ مشرق کی طرف کلانور اور شمال مغرب کی طرف نارووال آباد تھا۔ قرب وجوار کے لوگ اپنے مویشی چرانے کے لیے وہاں لے آتے تھے۔ جو لوگ زیادہ عرصہ مویشیوں کو یہاں رکھتے وہ کبھی کچھ جنس بھی کاشت کر لیتے تھے طغیانی کے دنوں میں اکثر واپس چلے جاتے اور باقی وقت وہیں بسر کرتے۔

حضرت نے اُسی ٹیلہ پر جہاں پہلے کچھ عرصہ قیام کر چکے تھے۔ ایک جھونپڑی بنا کر رہنا اختیار کیا۔ ان دنوں میں اتفاقاً پھیرو کاٹس جس کے نام پر موضع پھیرو وال مشہور ہے کے مویشیوں میں وبا نمودار ہوئی اور مویشی مرنے لگے۔ پھیرو نے حضرت سے دعا کے لیے عرض کیا۔ آپ نے پانی دم کر کے دیا۔ جس سے پھیرو کے مال مویشی وبا سے محفوظ ہو گئے۔ پھر تو جس کا کوئی مویشی بیمار ہوتا وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ پھیرو نے جو حضرت کا بہت معتقد ہو چکا تھا۔ اجازت لے کر وہیں رہنا شروع کر دیا۔ اور اپنی رہائش کے لیے وہیں چھپر وغیرہ بنا لیا۔

پھیرو کے ایک رشتہ دار نتھو کی بیوی جو علاقہ چنبہ کی تھی بیمار ہو گئی۔ لوگ اسے آسیب زدہ سمجھتے تھے۔ حضرت کی دُعا سے خدا تعالیٰ نے اس کو شفا بخشی۔ جس سے پھیرو کے رشتہ دار بالخصوص اور پہاڑی علاقے کے لوگ بالعموم آپ کے معتقد

ہو گئے۔

ان ہی ایام میں آپ کی شہرت سُن کر چوہدری بدو جس کے نام پر موضع بدو ملی آباد ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہے۔ آپ دعا فرماویں۔ حضرت کی دعا سے وہ صاحب اولاد ہو گیا۔ غرض اس طرح جب آپ کے فیض عام کی شہرت ہوئی تو لوگ جوق در جوق آنے لگے اور لوگوں کا مجمع لگا رہتا۔ گوجر اور زمیندار اپنے مویشی بھی وہاں لے آتے اور اپنے مال میں حضرت کا کچھ حصہ مقرر کر دیا اور اکثر لوگوں نے وہاں مکان بنا کر سکونت اختیار کر لی! اور اس طرح یہ ویرانہ پھر حضرت کی برکت سے آباد ہو گیا۔ اس آبادی کا نام وہی زنجر چھتر ہی رہا۔ اس وقت لوگوں نے سایہ کے لیے بڑ اور پیپل کے درخت لگائے جو قریباً چار صد برس تک رہے۔ چنانچہ جو درخت پیپل بھیرو کا جس کی عورت نے اپنے گھر لگایا تھا۔ وہ پری والا یا پریاں والا پیپل کے نام سے مشہور تھا۔ ایک پیپل کا درخت جو خشک ہو گیا تھا حضرت سید صادق علی شاہ کے عہد میں کاٹا گیا۔ اور ایک بوہڑ کے درخت کا کچھ حصہ پرانے بوہڑ کے نام سے اب تک مشہور اور موجود ہے۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے آپ پھر دہلی گئے۔ ممکن ہے اس سفر سے آپ کی غرض اپنے اہل و عیال کو یہاں لا کر آباد کرنے کی ہو یا صرف ان کو دیکھنے کی اور یہ بھی ممکن ہے کہ سید خواجہ اس آخری سفر میں آپ کے ساتھ آئے ہوں۔ کیونکہ دونوں بڑے صاحبزادے اور اُن کی والدہ دہلی ہی میں اپنے نانا کے وارث ہوئے۔

پیر لوچہ جبٹ زند ھاوا موریث اعلیٰ دہرم کوٹ وغیرہ

ابتدائی سفر میں جب آپ دہلی سے تشریف لا رہے تھے تو آپ کو موضع دھرموں چک متصل رامدیوالی میں شام ہو گئی اور ایک شخص مسمی تھراج نے جس کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی آپ کو درویش صورت سمجھ کر اپنے مکان پر لے جا کر بہت

خدمت و تواضع کی اور اپنے حالات لاولدی کا اظہار کیا۔ حضرت نے بدرگاہ مجیب الدعوات التجا کی کہ رب العالمین! جس طرح اس شخص نے میری للّٰہ خدمت کی ہے۔ تو بھی اپنے فضل و کرم سے اسے ثمرۂ اولاد سے بہرہ ور فرما۔ آپ کو اس دعائے نیم شبی کی قبولیت کا یقین ہو گیا، تو صبح روانگی کے وقت آپ نے فرمایا دیکھو تہراج اللہ تعالیٰ آپ کو دو فرزند عطا فرمائے گا۔ ایک صحیح سالم دوسرا گوش بریدہ (بوچہ) صحیح سالم تمہارا ہو گا۔ گوش بریدہ ہمیں دے دینا۔ تہراج نے کمال خوشی سے تعمیل حکم کا وعدہ کیا۔ یہ واقعہ غالباً حضرت کے متاہل ہونے سے پہلے کا ہے۔ آپ کی بشارت کے مطابق دونوں لڑکے توام پیدا ہوئے اور تہراج نے وعدہ کے مطابق ایک لڑکا آپ کے حوالے کر دیا۔

یہ گوش بریدہ تہراج کا لڑکا بعد میں پیر بوچہ کے نام سے مشہور ہوا۔

اسی موقعہ پر ایک اور بہت مشہور واقعہ زبان زدِ خاص و عام ہے۔ جب پھر حضرت تہراج کے پاس پہنچے تو تہراج کی بیوی نے آزمائش کے لیے یا محبتِ مادری کی وجہ سے غدر کیا اور گوش بریدہ لڑکے کو چھپا کر کہا کہ حضرت میرے ہاں صرف ایک بچہ ہی ہوا ہے جس کے کان موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کا لڑکا تو ہو گیا ہے ہمارا نہیں ہُوا نہ سہی۔ آپ رخصت ہو کر باہر نکلے تو گوش بریدہ لڑکا دست اور قے آنے سے نیم حال ہو گیا۔ جب اس کی موت کا یقین ہو گیا تو میاں بیوی دوڑتے ہوئے حضرت کے پاس پہنچے اور معذرت کر کے واپس لائے اور لڑکا گوش بریدہ آپ کے حوالے کیا۔ بہر حال تہراج نے جب لڑکا دے کر حضرت کو رخصت کرنا چاہا تو دست بستہ عرض کی کہ حضرت یہ جاٹ کا لڑکا ہے اس کو دھوئیں دار فقیر نہ بنا دینا۔

حضرت نے کمال شفقت سے اس لڑکے کی پرورش کی اور تعلیم دلائی۔ اور علوم باطنی کی طرف متوجہ کیا۔ جب یہ لڑکا (پیر بوچہ) علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ ہو گیا تو حضرت کو اس کے نکاح کا فکر ہوا۔ کوشش کی گئی۔

پھر دو اُس کو بلا کر بھی آپ نے کہا۔ اس نے عرض کی کہ اگر میرے گھر لڑکی ہوتی تو میں کبھی عذر نہ کرتا۔ پھر آپ نے چوہدری بدو مورث اعلیٰ بدو ملی کو بلا کر ارشاد فرمایا۔ چوہدری بدو نے آپ کے فرمان کی تعمیل میں اپنی لڑکی پیر لوچہ سے منسوب کر دی۔ حضرت نے لقب فرزندی سے سرفراز فرما کر پیر لوچہ کے نام سے اس کو مشہور کر دیا۔ شادی ہوگئی اور حضرت کی حیات میں پیر لوچہ صاحب اولاد ہوگیا۔

حضرت نے پیر لوچہ سے کہا کہ تم اپنا آبائی پیشہ اختیار کرو۔ اردگرد کی زمین قابلِ کاشت ہے اس کو آباد کرو۔ پیر لوچہ کے ہاں چار لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک بچپن میں فوت ہوگیا۔ دو لڑکے سدہاری و سینما بڑے ہو کر دریائے چناب کے پار جا کر آباد ہوگئے اور مسمی بکھاری اپنے باپ کے پاس رہا۔ اور دونو باپ بیٹوں نے اردگرد کی اراضی کو مزروعہ کیا۔ حضرت کو تہراج کے وہ الفاظ یاد تھے۔ جب اس نے اپنے لڑکے کو حضرت کے حوالے کیا تھا کہ حضرت یہ جاٹ کا لڑکا ہے اس کو دھوئیں دار فقیر نہ بنا دینا۔ آپ کی دعا سے پیر لوچہ کی نسل سے صرف بکھاری کی اولاد سے قوم جاٹ رندھاوا سے مکان شریف کے اردگرد بارہ گاؤں آباد ہیں مثلاً شہزادہ، منصور، مکان شریف، ڈالہ، موہلو والی، دھرم کوٹ، جن میں سے دھرم کوٹ رندھاوا مشہور قصبہ ہے اور یہ سب لوگ پیر لوچہ کی اولاد ہیں اور ان کو اپنا بزرگ مانتے ہیں۔ ۹ صفر ۹۵۸ھ مطابق ۱۴۹۴ء بعارضہ تپ دق پیر لوچہ نے وفات پائی۔ پیر لوچہ کی تاریخ وفات کسی نے خوب کہی ہے۔ اور اس میں اختصار کے ساتھ واقعات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

تاریخ وفات پیر لوچہ جٹ رندھاوا

پیر لوچہ پورِ دہقاں شد دعائے دانیال
کرد مسلم بعد از آں آموخت احکامِ جلال
از شریعت ساخت پختہ در طریقت کرد چست
تا نگوید بعد ازیں آوردہ ماند در ضلال

۹۵۸ھ

حضرت دانیال صاحب کے جانب شمال پیر لوجیہ مدفون ہیں۔ پہلے چھوٹی سی قبر تھی، اعلیٰحضرت سید امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں سات فٹ اونچا دس مربع فٹ چبوترا بنوا کر اوپر قبر کا تعویذ بنوایا گیا جو کلر کی وجہ سے پھر خراب ہو گیا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں میر زاہد صاحب نے اب از سر نو مرمت کرائی ہے۔ الغرض حضرت دانیال صاحب کی دعا سے پیر لوجیہ کو دنیا و دین دونوں نصیب ہوئے۔

حضرت دانیال کی زندگی میں رتڑ چھتڑ آباد ہو گیا تھا اور خلقت کا رجوع عام ہو گیا تھا۔ سید ابوالمعالی کی زندگی تک مرجع انام بنا رہا۔

حضرت نے اپنی زندگی میں اپنے فرزند سید خواجہ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا اور ۹ ربیع الثانی بروز چہار شنبہ سنہ ۸۹۶ھ مطابق سنہ ۱۴۷۹ء میں جبکہ دہلی میں بہلول لودھی کی حکومت تھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ مورث اعلیٰ مکان شریف ہیں۔ سامرہ سے ہجرت کر کے آپ نے رتڑ چھتڑ کو آباد کیا۔ آپ کی زندگی اہل بصیرت کے لیے سبق آموز ہے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی دنیوی فلاح جائداد و آرام سب قربان کر دیا۔ امر الٰہی کی تعمیل میں صعوبات سفر کا برداشت کرنا۔ عزم بالجزم، توکل علی اللہ، فرمانبرداری، ہجرت فی سبیل اللہ آپ کے کمال کا پتہ دے رہے ہیں۔

حلیہ

آپ خوش شکل، وجیہہ و سفید رنگ بلند قامت تھے۔ سر کے بال لمبے رکھتے تھے۔ زبان عربی میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کے اخلاق پسندیدہ تھے۔

مزار مبارک

جس حجرہ میں آپ قیام فرماتے تھے۔ بطریق سُنّت اسی میں مدفون ہوئے، جو عیدگاہ کے جنوب مغربی کونہ پر واقعہ ہے۔

آپ کی خانقاہ کی چار دیواری سید فضل کریم صاحب جن کی تصنیف شدہ قلمی کتاب کے چند اشعار درج کیے گئے ہیں نے تعمیر کرائی۔ پھر سنہ ۱۲۴۰ھ میں خانقاہ کی مرمت ہوئی۔ سنہ ۱۲۹۸ء میں میر زاہد محمد کے والد بزرگوار میر حمزہ صاحب نے چار دیواری

بنوائی۔ پھر خراب ہونے پر ۱۹۲۹ء میں بماہ پوہ میر محمد زاہد صاحب نے مرمت کرائی جو اب تک موجود ہے۔ قطعہ تاریخ وفات از سید فضل کریم صاحب ؎

حضرت دانیال شاہ زمن | شد مکین مکان خلد بریں
بے کم و کاست گفت ہاتف غیب | سال ترحیل اوست خلد بریں

سید خواجہ

حضرت دانیال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال ۸۹۶ھ کے بعد سید خواجہ جانشین ہوئے اور سلسلہ بدستور جاری رہا۔ ۲۷ ذوالحجہ ۹۸۴ھ مطابق ۱۵۱۷ء کو آپ نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ اور آپ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

سید ابوالمعالی

سید خواجہ کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے ابوالمعالی جانشین ہوئے۔ آپ نے ۱۰۰۲ھ میں ترڑ چھتر کے قریب پیر بوجیہ کی اولاد کے اشتراک سے ایک گاؤں سلیم پور آباد کیا۔ آپ کی اولاد کچھ عرصہ یہیں آباد رہی مگر ان دنوں چونکہ ملک میں بدنظمی تھی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا ایسے کئی دیہات جن کے گرد فصیل حفاظت کا انتظام نہ تھا برباد کر دیئے جاتے۔ سلیم پور بھی اسی بادشاہ گردی کی نذر ہو گیا۔ اور سلیم پور کا نشان سوائے چاہیچہ ملی والا کے جو اب تک ملکے والی کھوئی کے نام سے موسوم ہے اور کچھ باقی نہیں ہے۔

ان حادثات کی وجہ سے پیر بوجیہ کی اولاد دھرم کوٹ میں جا کر آباد ہوئی۔ جہاں حفاظت کا انتظام تھا۔ حضرت ابوالمعالی بھی دھرم کوٹ تشریف لے گئے۔ ۱۰۵۱ھ مطابق ۱۵۸۵ء آپ نے وفات پائی۔ ان دنوں دھرم کوٹ اور ترڑ چھتر کے درمیان دریا کا ایک نالہ طغیانی پر تھا۔ اس لیے بمشکل جنازہ لایا گیا اور اپنے باپ کے پہلو میں اُن کو دفن کیا گیا۔

سید ابوالمعالی نے چار فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ سید عارف، سید مرتضیٰ سید ملاقی، سید زاہد چاروں بھائیوں میں کچھ وراثت کے تنازعات پیدا ہو گئے اور سب نے سید عارف کو جواب دے دیا۔ سید عارف تلاش معاش میں نکلے اور رات

کو اپنے بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ خوانی میں مشغول ہوئے اور اپنی حالت عرض کی۔ صبح چلتے وقت آپ کو ایک گڑھے سے دفینہ مل گیا۔ جس کے باعث آپ کو معاش کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ ۱۱۰۳ھ میں آپ فوت ہوئے اور حاجی دانیال صاحب مرحوم کے قدموں میں آپ کو دفن کیا گیا۔

سیّد عارف کے پانچ لڑکے دو بیویوں سے تھے۔ جان علی، صادق علی ایک بیوی سے اور شاہ محمد، سید صالح دوسری بیوی سے۔ ان پانچوں بھائیوں میں بھی تنازعات پیدا ہو گئے اور یہاں تک بڑھے کہ ایک دفعہ دریائے بیاس کے کنارے پر سید شاہ محمد کے سوتیلے بھائی ان کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ ناگاہ شتر بانوں کا ایک قافلہ آ نکلا اور آپ کو رہائی نصیب ہوئی۔ اسی ندامت میں جان علی اور صادق علی موضع جھیلا علاقہ کٹھور میں اپنے ننہال کے ہاں چلے گئے۔ ان کی اولاد اب تک اسی جگہ ہے ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد | ہر آں کس تف زند ریشش بسوزد

فخرِ خاندان حضرت سید شاہ محمدؐ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مُورثِ ثانی مکان شریف

حاجی دانیال رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۹۰ سال بعد ۱۰۸۶ھ مطابق ۱۶۶۸ء میں آپ پیدا ہوئے۔ یہ زمانہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کا تھا۔ آپ کا نسب پانچ واسطوں سے حضرت دانیال مرحوم سے ملتا ہے۔ آپ کو دینی اور دنیوی عروج حاصل ہوا۔ آپ زتر چھتر کے مورثِ ثانی یا موجودہ آبادی کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔

بچپن میں آپ کی زبان میں لکنت تھی اور حافظہ بھی ایسا اچھا نہ تھا۔ ایام تعلیم میں ایسے طلباء کی جو حالت ہوتی ہے وہی آپ کی تھی۔ چنانچہ ایک دن آموختہ یاد نہ ہونے اور صاف نہ سنا سکنے کے باعث استاد نے زجر و توبیخ کی۔ اتفاقاً اُسی دن گھر میں والد نے اسی قصور میں کچھ ڈانٹ ڈپٹ اور زدو کوب کی۔ آپ کا معصوم دل اس دوطرفہ سرزنش سے اچاٹ ہو گیا اور دریا میں ڈوب کر جان دینے کا فیصلہ کر لیا۔ دریائے راوی قریب تھا۔ آپ کنارۂ دریا پر عالم تنہائی میں پہنچ کر انتہائی مایوسی کے ساتھ کودنے پر آمادہ ہوئے۔ عین اسی وقت کسی نے پیچھے سے للکار کر کہا۔ او لڑکے کیا کرتا ہے۔ آپ نے پھر کر دیکھا تو ایک بزرگ صورت شخص نے فرشتہ رحمت ہو کر آپ کو پکڑ لیا اور پھر وہی سوال دہرایا۔ آپ نے عرض کیا کہ مدرسہ میں استاد اور گھر میں ماں باپ مارتے ہیں۔ زبان میری نہیں چلتی۔ سبق یاد نہیں ہوتا۔ اس لیے اس زندگی پر موت کو ترجیح دے کر دریا میں ڈوب مرنا چاہتا ہوں۔ وہ بزرگ آپ کے بچپن، معصومیت اور مایوسانہ صاف گوئی سے بہت متاثر ہوئے۔ آبدیدہ ہو کر آپ کو سینے سے لگا لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ اپنا لعابِ دہن آپ کے منہ میں ڈال

دیا اور تسلّی و تشفی سے گھر کی طرف واپس کر کے خود تشریف لے گئے اور ایسے گئے کہ اُن کے جانے کا کچھ پتہ چلا اور نہ پھر کبھی وہ نظر آئے۔

اس واقعہ کے بعد آپ کی لکنت جاتی رہی اور علوم ظاہری و باطنی کے دروازے آپ پر کھل گئے۔ جب آپ کے والد سید عارف مرحوم نے ۱۱۰۳ھ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر قریباً ۱۶ سال کی تھی۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آپ پانچ بھائی تھے اور آپ کو بھی خدا تعالےٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح قتل کی سازش سے جو بھائیوں نے کی تھی بچا لیا تھا۔ پھر آپ کو بھی اسی طرح بھائیوں پر ہر قسم کی فضیلت عطا ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ۱۱۰۹ھ میں جبکہ آپ کی عمر تخمیناً ۲۲ سال کی تھی زمین خریدنی شروع کی۔ ابتدار میں محمد پور، ننگل رائے چند، چندو سوجا اور چند دمنج خرید کیے۔ پھر موضع ردپو معین معروف روپو والی کا نصف حصہ گوبند رام قانون گو سے خرید کیا۔ کچھ اراضی مختلف مالکان راجہ، ٹھنڈا سنگھ، میگھا، سندھا، الدہا، مسمات ہندی وغیرہ سے خرید کی۔

دنیوی وجاہت، نیک بختی اور عام رسوخ کی وجہ سے آپ کی شہرت دُور دُور تک ہو گئی۔ چنانچہ ۲۷ ربیع الاول ۱۱۵۴ھ کو محمد شاہ بادشاہ وقت کی طرف سے ایک فرمان آپ کے نام پہنچا کہ مبلغ ۵۲۵ روپیہ معاملہ پرگنہ کلانور کا آپ وصول کر کے داخل خزانہ کریں اور اس علاقہ کے ویران دیہات کو آباد کرانے کی سند آپ کو عطا ہوئی۔ چنانچہ ۱۳ شوال کو ایک فرمان نواب سعید الدین خاں صاحب کی طرف سے موضع صدر پور پرگنہ کلانور کے جو عرصہ سے غیر آباد تھا آباد کرنے کا عطا ہوا۔

ا اسوج سمت ۱۷۹۵ بکرمی کو راجہ گمنڈ چند والیے جنبہ نے ۱۰۰ بگھہ اراضی معہ چاہ پختہ موضع وتڑ چھتڑ اور ۳۰ گھماؤں اراضی واقعہ منصور آپ کو عطا کی جس کی نقل سند عطیہ اب تک موجود اور محفوظ ہے۔

الغرض آپ نے ایک معقول حیثیت پیدا کر لی اور حکام اور شاہی درباروں میں کافی رسوخ پیدا کر لیا۔ ۱۵ جیٹھ سمت ۱۸۱۵ میں آپ کو ایک سند بیگار کی معافی

کی عطا ہوئی۔

احمد شاہ ابدالی سے ملاقات

احمد شاہ ابدالی کا گزر پنجاب میں ہوا آپ اُس کو ملنے کے لیے گئے۔ اس ملاقات کا اتفاق اس طرح ہوا۔ کہ ایک دن آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ بانو نامی ایک طوائف کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو کر علاج معالجہ اور زندگی سے مایوس ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا اس پیشہ سے پہلے توبہ کرو اور اقرار کر کہ اگر خدا تعالےٰ تمہیں صحت بخشے تو کسی کے ساتھ نکاح کر لے گی۔ طوائف نے آپ کا فرمان تسلیم کیا تو آپ نے دُعا فرمائی۔ چنانچہ بانو نے صحت یاب ہو کر محمد خان ساکن ڈیرہ افغاناں سے نکاح کر لیا جو فوجی عہدہ دار تھا۔

ایک دن بانو اپنا تمام قیمتی اسباب اور زیورات اور زر و نقد لے کر حاضر ہوئی۔ اور اس نے عرض کیا کہ میرے خاوند نے ایک خاص آدمی کے ہاتھ مجھے کہلا بھیجا ہے۔ کہ میں احمد شاہ ابدالی کے ہمراہ ہوں۔ اس کا ارادہ نارووال ڈیرہ بابا نانک کے راستے آگے جانے کا ہے۔ لشکر اس کے ہمراہ ہے۔ مجھے لشکریوں کی تاخت و تاراج کا اندیشہ ہے۔ ایسی حالت میں نہ مال و اسباب محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ جوان اور خوبصورت عورتوں کی عصمت۔ اس لیے تم بمعہ اسباب حضرت صاحب (آپ) کی خدمت میں چلی جاؤ اور ان کی خدمت میں میری طرف سے بعد سلام یہ بھی عرض کر دینا کہ وہ بھی احتیاطاً اپنی حفاظت کا مناسب انتظام فرمالیویں۔ اس لیے حسب فرمان اپنے خاوند کے حاضر ہوئی ہوں۔

آپ نے بھی مصلحتاً کچھ ضروری اسباب کلانور قلعہ کیسر سنگھ میں بھجوا دیا۔

احمد شاہ نے نارووال، ڈیرہ بابا نانک پر قابض ہو کر جب نالہ کرن پر قیام کیا تو محمد خاں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ احمد شاہ ابدالی بڑا نیک طبیعت، پاک سیرت، پابند عہد اور شرفا کی عزت کرنے والا ہے۔ میں تعارف کرا دوں گا۔ اس لیے آپ ضرور اس سے ملیں۔ امید ہے کہ وہ آپ کی بہت عزت و توقیر

کرے گا۔ آپ نے کچھ تحائف جن میں ایک عمدہ گھوڑا، ایک قیمتی دوشالہ، ایک تلوار بھی تھی ہمراہ لیے۔ اپنے صاحبزادے سید لطف کریم صاحب اور کچھ درویشوں سمیت بادشاہ کی نذر گاہ پہنچے۔

محمد خاں نے تعریفی الفاظ میں آپ کا مختصر ذکر کیا۔ احمد شاہ نے شرف باریابی بخشا۔ آپ کی ملاقات سے اور خصوصاً آپ کی تقریر سے بادشاہ بہت خوش ہوا اور آپ کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد احمد شاہ سے امن حاصل کرنے کے معاوضہ میں چوہدری گور بخش سنگھ اور مہر چند ساکن قیام پور دودے اور میاں ندہان سنگھ نے معاہدہ کر لیا اور سند لکھ دی کہ دو روپے فی گاؤں بطور نذرانہ آپ کو دیا کریں گے۔ یہ سند ۱۱ رجب ۱۱۵۵ھ اور ۱۹ شعبان ۱۱۷۵ھ میں تحریر ہوئیں۔

اس علاقہ پر سردار ندہان سنگھ کا قبضہ تھا۔ بعد ازاں دینا بیگ قابض ہو گیا اور ندہان سنگھ مغلوب ہو کر جان بچانے کی غرض سے لاہور چلا گیا۔ دینا بیگ سخت طبیعت تھا۔ جب لوگ اس کے تشدد سے تنگ آ گئے تو سب نے مل کر آپ سے دینا بیگ کے متعلق شکایت کی اور آپ کو مجبور کیا کہ آپ لاہور خط لکھ کر ندہان سنگھ کو بلوا لیں ہم دینا بیگ کے مقابلہ میں اس کی امداد کریں گے۔

آپ عام لوگوں کی خواہش کو مسترد نہ کر سکے اور ان کے کہنے کے مطابق خط تحریر کر کے آپ نے ایک آدمی کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ کسی شخص نے اس خط اور سارے واقعہ کی اطلاع دینا بیگ کو پہنچا دی جس پر راستہ ہی میں وہ آپ کا خط پکڑا گیا۔ ایلچی گرفتار ہوا۔ خط پکڑے جانے پر آپ بھی معہ دس اور سرغنوں کے گرفتار کر کے قلعہ تبرڑ میں پہنچائے گئے۔ آپ سے خط کے مندرجات کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے صحیح واقعہ بیان کر دیا کہ ان لوگوں کی شکایت پر ان کے مشورہ سے میں نے خط لکھا۔ اس پر آپ کو سزا بدنی بھی دی گئی اور قید میں بھی سختی کی گئی۔ چار ماہ تک آپ مقید رہے اور مقدمہ چلتا رہا آخر آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

ایک دن بعد نماز صبح آپ مصروفِ تلاوت تھے۔ کہ پہرہ دار کے رونے کی آواز آپ کے کان میں پہنچی جو آپ کی محبت سے متاثر ہو چکا تھا۔ آپ نے اس سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ جس پر اس نے عرض کیا کہ آپ کو ساتویں دن توپ سے اڑا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس خبر کی وجہ سے میں سخت پریشان ہوں۔ آپ نے اس کو تسلی دی۔ ادھر یہ فیصلہ ہوا اُدھر دینا بیگ کا لڑکا احمد بیگ سخت بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ اطباّ نے جواب دے دیا۔ شدت مرض کی وجہ سے تڑپ کر چارپائی سے نیچے گر پڑتا تھا۔ جب علاج سے فائدہ نہ ہوا بلکہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اُسی پہرہ دار نے جو آپ کے حالات سے واقف تھا داروغہ جیل کی معرفت آپ کے زہد، شب بیداری اور خداترسی کی تعریف دینا بیگ تک پہنچائی اور کہا کہ اگر احمد بیگ کو آپ کے پاس پہنچایا جائے تو اس کی صحت کی پوری اُمید ہے۔ دینا بیگ نے نہ مانا۔ آخر اس کی عورت تک اس واقعہ کی اطلاع پہنچی۔ مامتا بُری بلا ہے۔ وہ خود آپ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ مجبور ہو کر دینا بیگ نے آپ کو بلا بھیجا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا قتل کے لیے طلبی ہے۔ ملازم نے احمد بیگ کی بیماری کا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ دینا بیگ کو کہہ دو کہ جب تک وہ خود نہ آوے میں نہیں جاؤں گا۔ آخر طوعاً کرہاً وہ خود آپ کے پاس قید خانہ میں گیا اور عرض کیا کہ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ آپ جیسے درویشوں کی صفت میں آیا ہے۔ رحم کا وقت ہے بہرحال آپ کو عزت و احترام کے ساتھ گھر لے گیا۔

آپ نے دیکھا کہ لڑکا تڑپ رہا ہے۔ وضو فرمایا۔ اپنا عصا ہاتھ میں لے کر مریض کی چارپائی کے گرد خط کھینچا۔ پھر تھوڑی دور ایک اور خط کھینچا جس پر کچھ دم کر کے آپ نے عصا سے تین جگہ ضرب لگائی۔ خط پر ضربیں لگانے سے مریض اس قدر تڑپا جیسے کوئی اس کو مار رہا ہے۔ پھر بیہوش ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا اس

کے کپڑے اچھی طرح جھاڑ دو۔ کپڑے جھاڑتے وقت ایک چھوٹا سا زہریلا سانپ نکلا۔ جس کو تین جگہ ضرب لگی ہوئی تھی۔ اس کے بعد مریض بالکل تندرست ہوگیا۔ دینا بیگ کی عورت قدمبوس ہوئی اور آپ کو بہت اعزاز کے ساتھ تحائف نذر کر کے رتڑ چھتڑ پہنچا یا گیا۔

اب تک سکونت دھرم کوٹ میں تھی۔ ۵ اچیت سمت ۱۸۱۱ بکرمی کو آپ نے اس ارادہ سے کہ اپنی اصلی جگہ کو آباد کیا جاوے۔ رتڑ چھتڑ کے بھتھہ پہ ایک خام[1] قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام کوٹ میاں صاحب رکھا گیا۔ آپ خود اس قلعہ میں آباد ہوئے اور باہر کچھ مکان خادموں کے لیے بنوائے۔ قلعہ کے گرد خندق کھدوائی گئی۔ قلعہ کا دروازہ مشرق کی طرف تھا جس پر ہر وقت پہرہ لگا رہتا۔ ڈیوڑھی کے بالاخانے پر سامان جنگ تھا جس کے پہرہ کے لیے دس سپاہی متعین تھے۔ قلعہ کا دروازہ شام کے وقت بند ہو جاتا اور صرف ایک دریچہ کھلا رہتا جو بعد نماز عشا بند کیا جاتا تھا۔

سمت ۱۸۱۳ میں قلعہ کے مشرقی طرف ایک مسجد و چاہ پختہ تعمیر کرایا۔ مسجد کے مشرقی جانب ایک باغ لگوایا جس میں مختلف پھلدار درخت لگائے گئے۔ آم کے بعض عمدہ درخت دینا نگر اور پٹھان کوٹ سے لا کر نصب کیے گئے۔ یہ باغ بعد میں غیر آباد ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ مرحوم کے زمانہ تک جامن اور بیریوں کے درخت وہاں موجود تھے۔ اب وہاں پر قبرستان ہے اور آم کے درخت بھی ہیں جو بعد میں لگائے گئے۔

اخیر عمر میں ضعف بصارت اور دردِ شقیقہ کی شکایت ہوگئی۔ آپ نے اپنے لڑکوں کو جمع کر کے کام کی تقسیم کر دی۔ اس طرح پر کہ سید کرم کریم کو معتقدین و مریدین کی خدمت و نگہداشت و مہمان نوازی پر مامور فرمایا۔ اور سید لطف کریم کو امرا و راجگان کی ملاقات، اسلحہ خانہ اور عام انتظام کا کام سپرد کیا۔ سید شاہ کریم کو فوج شاہی میں ایک معزز عہدہ پر ملازم کرا دیا اور سید میر کریم کو تعویذات و عملیات کا کام دیا گیا۔

---

[1] غالباً یہ لفظ "خام" ہے

سید فضل کریم جن کی کتاب کے چند شعر نقل کیے گئے ہیں۔ تعلقات دنیوی سے علیحدہ ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کو اپنی خدمت خاص کے لیے رکھا گیا۔

آپ نے جو تقسیم فرمائی وہ اب تک آپ کی دعا سے قریبًا اسی طرح جاری ہے۔ آخیر عمر میں آپ کی بصارت جاتی رہی اور آخر اس پیر مرد نے جس نے ترٹ چھتر کو از سر نو آباد کر کے اپنی نیکی اور تدبر سے شاہان وقت کی نظروں میں وقیع بنا دیا تھا۔ ۱۰ ذیقعد ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۲ء بروز شنبہ ۹۴ سال کی عمر میں بایام سلطنت شاہ عالم ثانی اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف مراجعت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ کا مزار مبارک خام اسی باغ میں جو مسجد کے مشرق کی طرف آپ نے لگایا تھا بنایا گیا۔ بوجہ کہنگی نشانِ مزار معدوم ہونے والا تھا کہ ۱۹۲۹ء میں میر محمد زاہد صاحب مدظلہ نے از سر نو تعمیر کرایا اور چار دیواری پختہ بنا دی گئی۔ تعویذ مرقد آپ کی وصیت کے مطابق خام رکھا گیا۔

اب تک تپ سوم کے لیے آپ کے مزار کی ٹھیکریاں لے کر لوگ باندھتے ہیں۔ جس سے تپ اتر جاتا ہے۔

تاریخ وصال از سید فضل کریم صاحب مرحوم حضرت شاہ محمد صاحب مرحوم

ثمرۂ شجر ولائت بوستانِ مصطفیٰ	کامل و اکمل مکمل عامل ہر لا دوا
در طریقت پیر کامل در سیاست بےنظیر	واقفِ دردِ غریباں شاہ محمد پارسا

شجرۂ طریقت آپ کا حسب ذیل ہے:

سید شاہ محمد، حاجی فیروز شاہ میانی والے، عبداللہ سلطان پوری، خلیفہ شاہ شریف ساکن شاہ آباد، جن کو نسبت اویسیہ سید آدم تیوڑی سے ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ گویا آپ چھ واسطوں سے حضرت مجدد صاحب سے

ملتے ہیں۔

سید فضل کریم صاحب آپ کے صاحبزادہ نے اپنی قلمی کتاب میں آپ کی نسبت ذیل کے اشعار میں تعریف فرمائی ہے ؎

سید شاہ محمد آب من — وصف او بیرونست از حد سخن
علم ظاہر باطنی بروے عیاں — شرح تدقیقات میکردے بیاں
در حقائق مو بسے بشگافتے — در غوامض دور تر بشتافتے
استقامت داشت ہمچوں کوہسار — در شریعت بود پایش استوار
در طریقت بود او ثابت قدم — از حقیقت بُد نہ غافل دمبدم
بود آں غواص بحر معرفت — کردہ حق موصوف با جملہ صفت
یافتہ بُد صحبت بس اولیا — جید قطب اخیار مردان خدا
باہمہ اوصاف وایں فضل و کمال — نفس خود را داشتے در گوشمال
بُد کریم النفس ذات آں کرم — دل شکستہ مکردہ زینت خود مدام
خود نشستے با فقیراں بے نوا — مجتنب بودے ز زمرہ اغنیا

آپ کی وفات کے بعد کچھ وارثان نے جن میں آپ کے برادر زادہ صالح شاہ بھی شریک تھے آپ کی پیدا کردہ جائداد کی نسبت حاجی محمد شریف صاحب کی عدالت میں دعوی کیا۔ جو بعد تحقیقات خارج ہوا۔ چنانچہ بدھ سنگھ کاردار دھرم کوٹ کی معرفت یہ حکم موصول ہوا کہ آپ کی پیدا کردہ جائداد بری از شرکت غیرے تصور ہووے۔

۱۱۸۲ھ میں آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے سید لطف کریم نے موضع سرائے ممولا پرگنہ بٹالہ کا سوم حصہ منیر علی محمد علی اور میر مسعود سے خرید لیا۔

آپ نے دھرم کوٹ میں ایک مسجد و مدرسہ برائے تعلیم دینی بنوایا اور مدرسہ دھرم کوٹ میں مولوی محمد محفوظ صاحب کو مدرس مقرر فرمایا تھا۔ یہ مولوی صاحب امین آباد کے رہنے والے تھے۔ اور آپ کے شاگرد اور مرید تھے۔ آپ کی ایک قلمی مثنوی شریف ذکر مولوی محمد محفوظ صاحب | اب تک موجود ہے۔ جس کی آپ نے شرح

شمعوں سے دنیا منور ہونے والی ہے۔ حکیم سنائی نے خوب کہا ہے ؎

برخسے را رنگ و رفتارے بدیں رہ کے سزد
روز ہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل
ہفتہ ہا باید کہ تا یک مشت پشم از مشت میش
سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطف طبع
دورہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود

وردہا باید صبر سوز و مرد باید گام زن
شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
صوفئے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
عالمے گویا شود یا فاضلے صاحب سخن
بوسعید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

جس سال آپ کے جد امجد (دادا) حضرت شاہ محمد نے رحلت فرمائی اُسی سال بلکہ اُسی رات یعنی ۱۱۸۰ھ میں آپ اس ظلمت کدہ ہند کو روشن کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔ ۱۰ ذیقعد شنبہ کی رات آپ کی پیدائش ہے جو سید شاہ محمد صاحب آپ کے جد امجد کی رحلت کی رات ہے۔ گویا حضرت کے جد امجد اپنا جانشین چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوئے۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے جب آپ کے والد ماجد نے بحالت ملازمت بھڑی شاہ رحماں میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ نو سال کی تھی۔ گویا فخر یتیمی آپ کو ورثہ میں ملا۔ دھرم کوٹ میں جو مدرسہ تعلیم دینی کے لیے بنوایا گیا تھا۔ اور جس میں مولوی عبدالغفور صاحب مدرس مقرر ہوئے تھے اُسی مدرسہ میں آپ کی تعلیم شروع کرائی گئی اور بسم اللہ مولانا عبدالغفور صاحب نے آپ کو پڑھائی۔

آپ نے اپنی طبعی ذہانت کی وجہ سے تھوڑی سی عمر میں ابتدائی تعلیم ختم کر لی۔ لیکن آپ کی علمی پیاس ابھی باقی تھی اور یہ مزید تعلیم کا شوق اب گھر میں پورا ہونا مشکل تھا۔ اس لیے آپ کو کسی اعلیٰ درسگاہ میں پہنچنے کی ضرورت تھی۔ ادھر باپ کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے باعث گھر کا سارا بوجھ آپ پر تھا اور معاش کی طرف سے بھی بے فکری نہ تھی۔

دونوں اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے انیس ۱۹ سال کی عمر میں ۱۱۹۹ھ میں

پشاور کا قصد فرمایا کیونکہ پشاور ان دنوں علم فقہ کے لیے شہرت حاصل کر چکا تھا۔ معاش کے لیے آپ نے گھوڑوں کی تجارت شروع کی۔

اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کا سفر پشاور دونوں اغراض تعلیم و تجارت پر مشتمل تھا۔ اگر ایک طرف آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ کی تعمیل فرمائی تو دوسری طرف آپ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق معاش کے لیے تجارت کو پسند فرمایا۔

میں تو یہ کہوں گا کہ یہ سفر آپ کی کرامت اور آپ کے پیدائشی ولی اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ آج اگر ادھر دینی علوم کی تحصیل کا شوق اور علم دین کی قدردانی مسلمانوں میں کم ہو رہی ہے تو ادھر تجارت سے مسلمان بے بہرہ ہو رہے ہیں۔ حالانکہ معاشرتی رنگ میں تجارت آپ کی سنت ہے۔ اس سُنّت کی تعمیل ہر مسلمان پر لازم ہے۔ خواہ ایک آنہ کی سوئیوں سے ہی کیوں نہ شروع کی جائے اور اس میں کچھ نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ آج سارا یورپ اور امریکہ اور ہماری ہمسایہ قومیں اسی اسوۂ حضور پر عمل پیرا ہو کر مفاد حاصل کر رہی ہیں۔

الغرض آپ کی کم سنی کا یہ انتخاب آپ کے ہر معتقد کے لیے ہی نہیں۔ بلکہ ہر مسلمان کے لیے قابلِ تقلید ہے۔ چار سال یعنی ۱۳۰۳ھ تک آپ نے اپنا وقت علمی کمال حاصل کرنے میں صرف کیا۔

بعض معمولی واقعات انسان کی زندگی میں تغیر عظیم پیدا کر دیتے ہیں۔ اور کایا پلٹ دیتے ہیں۔ اب آپ کی طبیعت انوارِ الٰہی کے متحمل ہونے کے لیے تیار ہو چکی تھی اور رحمتِ حق منتظر تھی کہ ایک دن حفیظ نامی ایک نوجوان رنگریز کو آپ نے مثنوی شریف کے چند اشعار پڑھتے ہوئے سنا جو وہ کسی خاص حالت میں بڑے سوز و گداز اور دلسوز انداز میں ذوق و شوق سے باچشمِ گریاں پڑھ رہا تھا۔ آپ پر مصداق "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد" ان اشعار کا بہت گہرا اثر ہوا۔ آپ پر بھی حالت طاری ہو گئی۔ آپ نے فرمایا میاں حفیظ تیری زبان میں کیسی تاثیر ہے۔

الغرض اس واقعہ سے آپ کے دل میں ایسی آتش عشق بھڑکی کہ تعلیم کا خیال رہا نہ تجارت کا ہوش۔ آپ تلاشِ یار میں دیوانہ وار نکل کر چل کھڑے ہوئے اور جذبۂ شوقِ الٰہی ایسا آپ پر غالب ہُوا کہ ۱۲۰۳ھ میں آپ بے اختیار کسی مردِ کامل کے تجسس میں مصروف ہو گئے۔

پشاور سے پاپیادہ بے زادِ راہ نکل کر جہاں کسی خدا رسیدہ صاحب کمال کا تذکرہ سنتے پہنچ جاتے۔ اس طرح آپ نے کابل، غزنی، قلات وغیرہ سب علاقے اور کوہستان پیدل سفر کر کے چھان مارے۔ جہاں آپ تشریف لے جاتے وہاں سے یہی حکم ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جگہ حل نہیں ہو سکتا اور غیب سے آپ کو ندا سنائی دیتی کہ آپ جس تلاش میں ہیں ع آں ہُما را آشیاں دیگر است۔

اس طرح آپ نے ۱۲۰۳ھ سے لے کر ۱۲۰۹ھ تک بادیہ پیمائی کی کہ دشت و بیابان کوہ و صحرا چھان مارے۔ آپ ایک رات سے زیادہ کسی جگہ قیام نہ فرماتے۔ متواتر چھ سال کا یہ مجنونانہ تجسس آپ کے انتہائی عشق، علو ہمتی، عزم راسخ اور استقلال کا پتہ دیتا ہے۔

ایک دن آپ قلات کے لق و دق میدان میں تشریف لے جا رہے تھے۔ گرمی کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ ایک سایہ دار درخت دیکھ کر آپ اس کے نیچے بیٹھ گئے اور بارگاہ الٰہی میں حصولِ مُدعا کے لیے مصروف دُعا تھے کہ دوسری طرف سے ایک دُبلا پتلا شخص نمودار ہُوا۔ اور السلام علیکم کہہ کر آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑے سکوت کے بعد اس نے آپ سے حال دریافت کیا اور کہا کہ کہاں جانا ہے۔ آپ نے اپنا سارا ماجرائے دشت نوردی بیان فرمایا۔ اس نے تھوڑی سی خاموشی کے بعد قلم دوات کاغذ اپنی جیب سے نکالا اور کچھ لکھ کر لپیٹ کر آپ کے حوالے کیا اور کہا کہ اس طرف کو چلے جاؤ جس طرف میں نے انگلی سے اشارہ کیا ہے۔ خبردار ایک رات کے سوائے دوسری رات کہیں قیام نہ کرنا۔ تیسرے دن یہ خط پڑھنا۔ تمہارا مطلب پورا ہو جاوے گا مگر یاد رہے اس سے پہلے اس خط کے پڑھنے کی اجازت

نہیں۔ آپ تین روز شبانہ اسی طرف سفر فرماتے رہے۔ تیسرے دن ایک مسجد میں آپ نے وہ خط کھول کر دیکھا تو آپ بہت پریشان ہوئے اور چہرہ مبارک آپ کا زرد ہو گیا کیونکہ خط پر نہ کسی جگہ کا نام تھا اور نہ کسی آدمی کا اور نہ کوئی مضمون تحریر تھا۔ صرف چند القاب تحریر تھے جیسے کوئی اپنے پیر و مرشد کی طرف تحریر کرتا ہے؎

چہ گویم باتو از مرغے نشانہ | کہ عنقا از بلند است آشیانہ
زعنقا ہست نامے پیش مردم | بہ پیش من بود آں نام ہم گم

ادھر آپ اس تشویش میں تھے اُدھر اس مسجد کا امام جو تنہا بیٹھا ہوا آپ کی حالت کا معائنہ کر رہا تھا آپ کو اندوہناک دیکھ کر آپ کے پاس آیا اور حالت دریافت کی۔ آپ نے سارا ماجرائے خط بیان فرمایا۔ وہ سن کر تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر کہا کہ مجھے آپ کے حال کا علم ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں یہاں سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں "شالا" نامی مشہور ہے۔ وہاں مسجد میں ایک نابینا حافظ صاحب رہتے ہیں۔ خط اُن کو دے دیویں وہ آپ کو سب کچھ بتلا دیویں گے۔ آپ ان کے ارشاد کے مطابق موضع شالا میں پہنچ کر حافظ صاحب سے ملے اور خط پیش کیا۔ حافظ صاحب نیک سیرت اور بزرگ صورت تھے۔ خط لے کر اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور دروازہ حجرہ کا بند کر لیا۔ عرصہ کے بعد حافظ صاحب باہر تشریف لائے اور آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میاں صاحب راقم خط نے پاس ادب کی وجہ سے اپنے پیر کا نام تحریر نہیں فرمایا۔ جن کی طرف یہ خط لکھا گیا ہے ان کا نام نامی حاجی احمدؒ صاحب ہے۔ آپ موضع گوٹھ قاضی المعروف ڈِم شریف میں تشریف رکھتے ہیں۔ آٹھ یوم تک آپ وہاں پہنچ جاویں گے۔ حافظ صاحب نے بڑے تپاک سے رخصت کیا اور فرمایا جاؤ اللہ تعالےٰ تمہارا نگہبان ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ پھر تو میری یہ کیفیت ہوئی کہ آتشِ شوق نے مجھے پر لگا دیئے؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک | آتشِ شوق تیز تر گردد

جہاں جا کر میں ڈِم شریف کا نام لیتا لوگ میرے گرد جمع ہو جاتے اور میرے ہاتھ

پاؤں چومتے اور حضرت اقدس کے حالات بیان فرما کر مجھے مسرور فرماتے۔

آخر ۱۲۰۹ھ میں بوقت شام آپ ڈمم شریف پہنچ گئے۔ جس دن آپ وہاں پہنچے اس دن کچھ بارش تھی اور راستہ میں کچھ کیچڑ سا تھا۔ ابر ہونے کی وجہ سے شام کی نماز کے بعد اندھیرا ہو گیا تھا۔ ایک شخص سے مکان کا پتہ معلوم کر کے آپ چلے جا رہے تھے کہ تین شخص جن میں سے ایک کے ہاتھ مشعل تھی۔ آپ کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آپ نے سلام میں سبقت فرمائی۔ جواب سلام کے بعد انہوں نے کہا کہ تشریف لے چلیئے۔ ہم آپ کا بہت انتظار کرنے کے بعد حضرت کے حکم سے آپ ہی کی جستجو میں آرہے ہیں۔ الغرض انہوں نے آپ کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ قدمبوس ہو کر اور مصافحہ کرنے کے بعد ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ کھانا پہلے ہی تیار تھا۔ کھا کر نماز عشاء پڑھی گئی۔ حضرت اقدس آپ کو آرام کرنے کے لیے ارشاد فرما کر خود دولت سرا کو تشریف لے گئے اور پھر نصف شب کے بعد تشریف لا کر نماز تہجد پڑھی اور طالبانِ حق کو توجہ بخشی۔ نماز صبح کے بعد تلاوتِ قرآن ہوئی، اور اشراق کے نفل پڑھ لینے اور معمولات صبح سے فارغ ہونے کے بعد حضرت اقدس نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میاں صاحب رات کو بوجہ سفر اور بارش کے آپ کو تکلیف تھی اور آرام کی ضرورت تھی اس لیے آپ کی حالت دریافت نہ کی گئی تھی۔ اب اپنی کیفیت بیان فرما دیں۔

آپ نے اپنی حالت از ابتدا تا انتہا اور اپنے سفر کا واقعہ۔ موضع شالا والے حافظ صاحب کا ذکر مختصراً بیان کیا جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ کل آپ کا بہت انتظار کیا گیا اور شام کے بعد اپنے لڑکے کو دو درویشوں کے ہمراہ آپ کی طرف روانہ کیا گیا تھا کہ کہیں اندھیرے میں آپ راستہ نہ بھول گئے ہوں۔[1]

---

[1] اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی حاجی شاہ حسین صاحب ڈمم شریف میں پہنچ کر اپنے شیخ سے قدمبوس بھی نہ ہوئے تھے کہ حضرت بزرگوار اپنے یارانِ مجلس سے فرمایا

(باقی اگلے صفحہ پر)

چند تشفی آمیز کلمات کے بعد حضرت تشریف لے گئے۔ ظہر کی نماز کے وقت آپ کو غسل کرنے کا ارشاد فرمایا۔ بعد فراغت غسل حکم دیا کہ پہلے استخارہ کریں اور جو کچھ معلوم ہو وہ بیان کریں۔ آپ نے عرض کیا کہ استخارہ کی وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں کچھ شبہ ہو۔ مجھے تو اس قدر دشت نوردی کے بعد جب مرا مقسوم حضور کے قدموں میں لے آیا ہے تو اب استخارہ کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت اقدس نے کوئی جواب نہ دیا۔ عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھی گئیں اور نماز عشاء کے بعد آپ تشریف لے گئے اور مجھے آرام کرنے کے لیے حکم دے گئے۔ رات بھر پریشانی کی وجہ سے مجھے نیند نہ آئی۔ تشویش تھی کہ خدانخواستہ کہیں میری بدقسمتی یہاں بھی مجھے بے بہرہ نہ رکھے۔ تین چوتھائی رات اسی بے قراری میں گزری۔ پچھلے پہر آپ مسجد میں تشریف لائے اور مجھے خلوت میں لے جاکر ارشاد فرمایا کہ جب میں مدینہ منورہ میں درِ دولت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر (آخری) سلام کے لیے حاضر ہوا تو مجھ پر ایک بیخودی کی حالت طاری ہوئی۔ اُسی حالت میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف فرما ہوکر ارشاد فرمایا کہ "ذرا خیال رکھنا کہ میرا ایک عزیز تیرے پاس علاقہ پنجاب سے صدہا مصائب برداشت کرنے کے بعد طویل سفر طے کرکے آئے گا۔ وہ سرمست مقبولِ بارگاہ اور مخمورِ بادۂ وحدت ہوگا۔ جب وہ پہنچے تو یہ امانت جو اب تمہارے سپرد کی جاتی ہے اس کے حوالے کردینا۔" اور حالتِ کشف میں تمہاری صورت بھی دکھادی گئی تھی۔ بعد ازاں آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور خواجگانِ نقشبند علیہ الرحمۃ کے طریقہ کے مطابق بیعت فرماکر ایک چھوٹے سے حجرہ کے گوشہ میں بیٹھنے کا حکم فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرتے تھے کہ طالب بلند استعداد ادھر (پنجاب کی طرف اشارہ کرکے) سے آرہا ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ کی کمال رحمت ہے۔ جب آپ حاضر خدمت ہوئے تو خواجہ حاجی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ جس کے ہم منتظر تھے اور جس کے آنے کی ہم نے خبر دی تھی یہ وہی شخص ہے جس کے حالات کا [illegible] خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ (مؤلف)

اور میں ذکرِ قلبی کے شغل میں مشغول ہو گیا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد مجھ پر توحید وجودی کا راز منکشف ہوا۔ ایک دن گزرنے کے بعد بیخودی کی کیفیت جسے بڑے بڑے اہل دل معتبر سمجھتے ہیں اور غیبت سے موسوم کرتے ہیں مجھ پر طاری ہوئی اور میں نے دیکھا کہ ایک سمندر میں تمام عالم کو گھیرا ہوا ہے۔ تمام کون و مکاں پانی میں ایسا نمایاں ہے جیسے کسی چیز کا عکس۔ آہستہ آہستہ بے خودی غالب آنے لگی اور عرصہ دراز تک رہنے لگی۔ کبھی پہر کبھی دو پہر بعض اوقات رات بھر۔ جب یہ حالت حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا یہ ایک قسم کی فنا ہے جو حاصل ہوئی ہے جیسا کہ کسی صاحب نے فرمایا ہے ؎

تو کو ایسا مٹا کہ تو نہ رہے   تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے۔

ہو میں ایسا کمال پیدا کر   کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے۔

پھر آپ نے مجھے ذکر سے منع فرمایا۔ بعد اس کے نگہداشت کا حکم فرمایا۔ چار یوم کے بعد مجھے وہ فناہ حاصل ہوئی جو عام اولیاء میں مروج ہے۔ بعد اس کے یہ کیفیت جناب اقدس کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کام میں لگے رہو۔ تھوڑی مدت کے بعد پھر ایک نور ظاہر ہوا جس نے تمام چیزوں کو گھیرا ہوا ہے۔ میں نے اس نور کو حق تعالیٰ سمجھا۔ اس نور کی رنگت سیاہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ حق مشہود ہے لیکن نور کے پردہ میں۔ پھر فرمایا کہ یہ نور سفید اس واسطے موہوم ہو رہا ہے کہ ذات حق کا تعلق متعدد اشیا سے ہے جو اوپر اور نیچے واقعہ ہیں۔ وہ نور پھر مجھے سکڑتا ہوا معلوم ہوا۔ یہاں تک کہ ایک نقطہ سا بن گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اس نقطہ کی بھی نفی کر دینی چاہیئے۔ بموجب ارشاد کے وہ نقطہ بھی درمیان سے جاتا رہا۔ پھر حیرت مجھ پر طاری ہوئی۔ اس مقام پر مشہود حق خود بخود ہے۔ جب میں نے اس کا ذکر حضرت خواجہ صاحب سے کیا۔ تو فرمایا حضور نقشبندیہ۔ نسبت نقشبندیہ یہی ہے اور اس حضور کو حضور بے غیبت کہتے ہیں۔ حسب الارشاد جناب کے میں اپنے کام میں مشغول رہا۔ اللہ تعالیٰ منعم حقیقی نے دو روز کے بعد محض اپنے فضل و کرم سے بیمن انفاس عنایت توجہ حضور والا نے موہوم اور موجود کی تمیز عنایت فرمائی۔ جس

سے موجود حقیقی اور موجود موہوم میں تمیز ہوئی۔ صفاتِ افعال کے بعد آثار جو موہوم دکھائی دیتے ہیں وہ حق سبحانہٗ تعالےٰ کے لیے موہوم ہونے لگے۔ پھر صفات اور افعال کو محض موہوم پایا۔ بعدہٗ خارج میں سوائے ایک ذات کے کسی کو موجود نہ دیکھا۔ جب یہ حالت حضرت خواجہ صاحب کے حضور میں عرض کی تو فرمایا۔ فرق۔ بعد۔ جمع یہی ہے۔ تمام اولیائے گزشتہ و آئندہ کی کوشش اسی مقام تک ہے۔ اسی مقام کا نام مشائخ نے تکمیل ارشاد رکھا ہے اس سے موافق استعداد اپنی کے خدا تعالےٰ کے فضل و کرم کا ظہور ہوتا ہے اور مجھ کو حکم ملا کہ تمہارا معاملہ عنقریب طے ہونے والا ہے۔ ایک دن میں حضرتِ اعلیٰ کے حضور میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ آکر کہتے ہیں کہ ہم سید ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق تعظیم کرنی پڑتی ہے لیکن دل قبول نہیں کرتا کہ یہ سید ہوں گے۔

میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی دور کا باشندہ ہوں شاید میرے سید ہونے کے متعلق حضور کو شک ہو۔ میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ حضور نے فوراً میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا۔ نہیں نہیں حسین شاہ تمہارے سید ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ آپ تو صحیح النسب سید ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا تھا اور آپ کی اس نگاہ میں نامعلوم کیا اثر تھا کہ میری حالت متغیر ہو گئی اور میں بے ہوش ہو گیا۔ عشقِ حقیقی نے ایسا مست کیا کہ تن بدن کی ہوش نہ رہی۔ کپڑے پھاڑ کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ کئی دن رات اسی حالت مستی میں جنگل میں پھرتا رہا۔ اُسی حالتِ بے خودی میں میں نے یہ غزل کہی جس کا مطلع ہے ؎

اے زحسنِ بے حجابت در جہاں افسانہ ہا — وے زشمع روئے تو نور است در ہر خانہ ہا

غرض آپ اس جذبۂ عظیم اور کیفیتِ قوی اور غلبۂ حالات و واردات میں بجانب

لہ راقم ان مقامات کا واقف نہیں ناقل ہے۔ عبارت مکتوبات شریف سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ میر زاہدؒ کو یہ کیفیت کہاں سے ملی۔ (مولف)

سرمستی مستانہ وار غزل خواں۔ سر و پا برہنہ۔ سندھ سے سمندر کے کنارہ تک پہنچ جاتے
وہاں پہنچنے پر کچھ ظاہری ہوش و حواس درست ہوتے تو خواجہ بزرگوار کے دیدار اور
صحبت کا شوق غالب ہوتا تو پھر خدمت حضرت میں پہنچنے کے لیے چل پڑتے جب
حضرت کے مکان کے آثار و انوار کو دیکھتے تو بے اختیار ہو جاتے۔ نعرہ ہائے کا شور
مچ جاتا۔ کپڑے پھاڑ ڈالتے۔ زمین پر لیٹ جاتے اور پھر مجنونانہ حالت میں دیار
سندھ میں صحرانوردی کرتے۔ کچھ حالت سنبھلتی تو پھر حاضر دربار ہوتے۔

خواجہ بزرگوار اپنے احباب کی مجلس میں فرمایا کرتے کہ شہبازِ بلند پرواز (یعنی
سید حسین شاہ) واپس آ رہا ہے۔ آپ کے پہنچنے پر حاضرین مجلس پر عجیب کیفیت طاری ہوتی۔
تیسری دفعہ آپ حالت مغلوبیت و بے خودی و بے خبری میں خواجہ بزرگوار کے
مکان سے نکل کر تسکار پور پہنچے۔ ان دنوں میں جبکہ آپ پر عالم محویت وحدت۔ احدیت
اور حقیقت کے راز منکشف ہو رہے تھے۔ آپ نے کئی غزلیں کہیں جو مرأۃ المحققین میں
چھپ چکی ہیں۔ اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

آپ کے کلام کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مصداق ؎ نالہ پابند نے نہیں ہے
اشعار کیا ہیں، جذبات دل کی تراوش ہے شعریت مقصود نہ تھی۔ تاہم صاحب ذوق سلیم
خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ آپ کا کلام الملوک ملوک الکلام ہونے کا پتہ دے رہا ہے آپ
کا تخلص سرمست ہے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آپ کا وجود باوجود ایک خاص خصوصیت رکھتا ہے۔
اس سلسلہ میں کسی نے راز ہائے حقیقت کو اس طرح ظاہر نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس قسم کی
مستی کا کسی سے اظہار ہوا۔

صاحب آیاتِ قیومیہ فرماتے ہیں:

در سلسلہ عالیہ نقشبندیہ احدے اسرار حقیقت را ایں چنیں فاش نہ کردہ وطشت
از بام نفیداختہ و کسے چناں مستی نہ ورزیدہ۔
اگرچہ در کمالِ سُکر و بے خودی ایں اشعار بے اختیار از ایشاں سر بر زدہ اند۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حاضر دربار تھا۔ کہ اچانک بہت سا ٹڈی دل آگیا۔ مکڑی نے فصل اور باغوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ آپ نے بطریق سنت سات دانہ مکڑی کے پکڑوا کر کباب کرائے۔ چار دانہ خود تناول فرمائے اور تین مجھے عنایت کیے۔ حسب الحکم میں نے وہ کھا تو لیے مگر طبیعت میں کراہت و نفرت تھی۔

اُسی وقت شوق محبت ذوق مستی سب جاتے رہے اور میرا کل حال متغیر ہو گیا۔ حیران تھا کہ یہ کیا غضب ہو گیا اور کیا مصیبت اور سختی پیش آگئی۔ جنگل میں نکل جاتا۔ رات بھر گریہ وزاری کرتا اور اپنی قسمت پر ملامت کرتا۔ کئی دفعہ خیال ہوا کہ کسی چاہ یا دریا میں ڈوب کر مر جاؤں۔ غرض کسی کروٹ چین نہ آتا تھا۔ اسی حالتِ بے چینی و کرب میں پورا ایک سال گزر گیا۔ ایک رات مسجد میں اشعار دردناک پڑھتا اور روتا تھا۔ طبیعت سخت اندوہناک تھی۔ یہ شعر وردِ زبان تھا ؎

زجامِ احمدی گر باز یک جرعہ بکامم افتد ہمائے اوجِ لاہوتی ہماں ساعت بدام افتد

اتنے میں حضرت دولت سرائے سے مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا حسین شاہ کیوں روتا ہے۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا ؎

دل سا رفیق جس کا جدا ہو گیا ہو یار وہ اپنی بیکسی پہ نہ روئے تو کیا کرے

اور عرض کیا کہ حضور جس کی تمام عمر کی دولت ہاتھ سے جاتی رہے۔ وہ اپنی بدقسمتی پر کیوں نہ روئے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ (تین دانے مکڑی سے توبہ کیوں نہ کرے)

اس وقت مجھے اپنا قصور معلوم ہوا اور میں نے توبہ کی۔ پھر توبہ کی۔ پھر توبہ کی۔ حضرت نے بعد نماز تہجد میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو دروازۂ فیض کھل گیا اور دریائے رحمت ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

جن دنوں میں بحالت جذب صحرانوردی کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کسان قلبہ رانی کر رہا ہے۔ ہل چلاتے ہوئے اس کا ایک بیل تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ کسان اس کو مار مار کر اٹھا رہا تھا مگر بیل نہ اٹھتا تھا۔ میں نے اس کو منع کیا کہ نہ مارو۔ مگر اس نے میرے کہنے سے اور برافروختہ ہو کر بہت زور سے ایک۔ دو۔ تین کہہ کر مارنا شروع کیا۔ تیسری

دفعہ مارنے پر وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ لوگ اس کو اسی طرح اٹھاکر حضرت کے حضور میں لائے اور کہا کہ آپ کے درویش نے اس کا کلیجہ نکال لیا ہے۔ آپ نے دم کیا تو وہ ہوش میں آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ حسین شاہ کلیجہ نہیں نکالا کرتا۔ بلکہ وہ اس وقت حالت ایثار میں ہے۔ جب میں بارگاہِ حضرت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے از راہِ شفقت میرے جسم پر ہاتھ پھیرا تو جاٹ نے جس قدر بیل کو مارا تھا اُس کے نشانات میرے جسم پر موجود تھے۔ ایسی حالتِ ایثار پہلے بھی بزرگوں پر وارد ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کا واقعہ بھی اسی قسم کا مشہور ہے کہ جب نانبائی لڑکے کو بادشاہ نے تازیانے لگائے تو ان کا نشان اور زخم امیر خسروؒ کی کلائی پر بھی تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے جب حضرت امیر خسروؒ کو دربار میں طلب کیا اور اس لڑکے کی محبت کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم میں دوئی نہیں۔ بادشاہ نے گواہ مانگا۔ فرمایا ؎ گواہِ عاشق صادق در آستین باشد۔ چنانچہ آپ کی کلائی پر اُسی قسم کے زخم تھے جو نانبائی لڑکے کے لگے تھے۔

اسی طرح لیلیٰ نے فصد اپنے گھر میں کھلوایا اور مجنوں کو اُسی رگ سے جنگل میں خون رواں تھا۔ وہ تو عشق کا معاملہ تھا۔

اور یہ رحم کا تقاضا ہے جو لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ ...... الخ کے مطابق جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری تکلیف شاق گزرتی ہے۔ آپ کو بیل کی حالت پر اس قدر رحم آیا کہ اس کی تکلیف آپ کو برداشت کرنی پڑی۔

عرصہ تک میری یہی حالت رہی۔ ایک رات میں بحالتِ مستی شعر کہتا ہوا پھرتا تھا۔ ایک درویش نے حضرت کی خدمت میں میری ابتر مزاجی و شعر خوانی کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے مجھے بلوا کر فرمایا حسین شاہ! شعر نہ کہا کرو بلکہ سخت ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ بعض لوگ اس منزل میں پہنچ کر منزلِ مقصود سے رہ جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ معاملات سالکِ حقیقی کو دوسری طرف لگا کر اصلی راہ سے روک رکھتے ہیں اور سدِ راہ ہو جایا کرتے ہیں۔ بہت سے منصور مشرب اس بحرِ فنا سے جان بچا کر نہیں

نکل سکے۔

یہ فرمان حضرت کا سُن کر ہیبت اور خوف کی وجہ سے میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ زبان تو حسب فرمان حضرت بند کی گئی۔ لیکن دل میں وہ جوش و خروش تھا۔ جو بند نہ ہو سکتا تھا۔ ایک دیگ جوش مار رہی تھی۔ شبان موسیٰ علیہ السلام نے تو کہہ دیا تھا کہ ؎

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی ۔ وز پریشانی تو جانم سوختی

لیکن یہاں یارائے دم زدن نہ تھا۔ اُسی حالتِ سکر میں بیت اللہ شریف کو چل دیا۔ جب بندر سورت میں پہنچا تو یکایک وہ حالت تبدیل ہو گئی۔ ذوق، شوق، محبت، مستی سب جاتے رہے۔ ایک لمحہ میں ایسی حالت دگر گوں ہوئی کہ کسی پہلو قرار نہ آتا تھا اور کچھ نہ سوجھتا تھا۔ ناچار واپس خدمتِ حضرت میں آیا اور حاضر حضور ہو کر اپنی سرگزشت عرض کی۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میاں حسین شاہ تمہاری واپسی میں کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ جس کے ظاہر ہونے میں ابھی کچھ مدت باقی ہے۔ اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوگی۔ تمہارے اس سفر میں ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ پھر فرمایا۔ حسین شاہ اگر بلا اجازت چلا جاتا تو تو نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ہوتا۔ پھر ارشاد ہوا۔ ابھی تم اس جگہ کے جانے کے لائق نہیں ہوئے کیونکہ تمہاری کچھ تکمیل ابھی باقی ہے۔ طالب حق کے لیے ضروری ہے کہ جہاں وہ جانا چاہے پہلے اپنے آپ کو وہاں جانے کے لائق بنا لیوے پھر وہاں جاوے۔ پھر حکم ہوا۔ میاں مالکِ حقیقی کی جب مرضی ہوتی ہے تو وہ خود بُلا لیتا ہے۔

آپ پر محبت اور زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال غلبہ تھا۔ اسی جوش کی حالت میں آپ دو دفعہ کنارہ سمندر تک پہنچے۔ گو اس وقت آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ تھوڑی سی توجہ سے خواب اور بیداری کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کر کے جس کام کی ضرورت ہوتی عرض کر کے دریافت

کر لیتے۔ مگر یہ دونوں سفر آپ نے اپنے عشق و محبت سے بے خود ہو کر بحالتِ جوش و مستی کیے۔

آپ جب خواجہ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی آپ نے اپنے قصد حج شریف کے متعلق کچھ عرض نہ کیا تھا کہ خواجہ بزرگوار نے آپ کو حج کی اجازت عنایت فرما دی اور رخصت کیا۔

کیفیّت سفر حجاز

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بہ تعمیل حکم سفر شروع کر دیا۔ سامان سفر میرے پاس بظاہر ایک دلق، ایک کرتا، ایک پاجامہ اور ایک ٹوپی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ پاؤں میں جوتا تک نہ تھا۔ لیکن جذبۂ محبت الٰہی اور شوق زیارت کا گنج فراواں سنبھالے نہ سنبھل سکتا تھا۔ ادھر جسمانی حالت کا یہ نقشہ تھا کہ تین تین دن تک کھانا نہ ملتا۔ اور پاؤں متورم ہو کر پھوٹ گئے تھے۔ جن سے خون بہتا تھا۔ کانٹے اور کنکر زخم پر زخم اور چرکے پر چرکے لگائے جاتے تھے۔ کسی دن کوئی نئی تکلیف ہو جاتی۔ کسی رات کسی دوسری مصیبت کا سامنا ہوتا۔ لیکن دل کی توجہ بہ غلبۂ شوق محبت یہاں تک تھی کہ ان تکالیف کی پرواہ تو کہاں ظاہری مصائب آتش شوق پر تیل کا کام دیتے تھے۔ ہر لحظہ اور ہر قدم پہ دوگنا شوق بڑھتا جاتا تھا۔ اور صدہا تجلیاتِ انوارِ الٰہی ہستی کو جلا جلا کر اکسیر بناتے جاتے تھے۔ غرض صدہا عنایاتِ الٰہی اور گوناگوں انعامات نامتناھی سے میرا یہ سفر طے ہو رہا تھا۔ اور جو جو کیفیتیں اس سفر میں مجھ پر وارد ہوئیں وہ دل یا روح ہی جانتے ہیں۔ قلم و زبان میں اس کے اظہار کی طاقت کہاں۔ بمصداق ؎

کہ راز عاشقاں عاشق بداند

بہر حال مکہ معظمہ ایسے ہی حالات میں پہنچا۔ حرم میں داخل ہوتے ہی حقیقت بیت اللہ سے آشنا ہونے پر کچھ اور ہی حالت ہوئی۔ اسی جگہ بحالتِ سُکر و بے خودی یہ غزل کہی ؎

خوش بیا سوئے وثاقم اے گُلِ خنداں من | شمعِ محفل شو مرا در کلبۂ احزانِ من

رخت از ہجرت دل وجانِ من از دردِ فراق — درمیان چاہِ غم اے یوسفِ کنعانِ من

جلوہ بنما از دلِ حُسنِ جہاں افروزِ خویش — الاماں شد از فراقت اے مہِ تابانِ من!

شروع سفر سے اعلیٰ حضرت کی زیارت نہ ہوئی تھی۔ حرم مکہ میں مذکورہ غزل کہی گئی۔ خیال آیا کہ آپ نے شعر سے منع فرمایا تھا شاید اس گستاخی میں گرفتار ہوں طبیعت میں سخت گھبراہٹ تھی (کہ آخر) بحالتِ طواف ہمراہ حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا حسین شاہ گھبراؤ نہیں۔ خوشی سے طواف کرو۔ میں نے تمہاری پشت پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔

چند روز مکہ معظمہ میں قیام اور فیوضاتِ نامتناہیہ سے مستفیض ہونے کے بعد مدینہ شریف جانے کا حکم ہوا۔ مرزا سنگین بیگ از ریاست پٹیالہ (پنجاب) جو ان دنوں مکہ معظمہ میں فوج شاہی میں ملازم تھے۔ آپ کو دیکھ کر ایسے متاثر ہوئے۔ کہ آپ کی خدمت اور غلامی کو فخر خیال کرنے لگے۔

مرزا صاحب بھی بسلسلہ ملازمت اسی قافلہ میں آپ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ فخرِ موجودات سرورِ کائنات محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کا ایک عاشق یا اپنے نانا کی طرف ان کا ایک نواسہ حسین رنگ میں جا رہا تھا۔ بھلا اس کو مجھ جیسا جاہل کیا بیان کرے گا اس کو تو یا جانے والا جانے یا بلانے والا۔ نانا کے معراج کے سفر سے نواسہ کے سفر کو کچھ نسبت ہو تو ہو۔ یا مرزا سنگین بیگ کی آنکھیں دیکھ رہی ہوں گی کہ کس طرح، کون، کہاں جا رہا ہے۔ اندھی آنکھیں اور اندھے دل کیا دیکھیں اور کیا جانیں۔ محبوبِ خدا جانے یا محبوبِ خدا کا محبوب۔

بارے یہ سفرِ عشاق منزلِ محبوب کے آثار نظر آنے پر ختم ہوا۔ روضۂ پاک کا وہ گنبدِ خضرا دیکھتے ہی آپ نے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش میں آ کر چلتے اور پھر بار بار بے ہوش ہو جاتے۔ ایک دفعہ شہر کی نالی میں گر گئے۔ مرزا صاحب نے کپڑے صاف کر کے پہنائے۔ اور عرض کیا کہ آپ کھانا ڈیرہ پر کھایا کریں گے

یا کسی اور جگہ۔ فرمایا پہلے جگہ تجویز ہونی چاہیئے۔ مرزا صاحب نے ایک روضہ جو روضۂ عالیہ کے قریب تھا تجویز کر دیا۔ جب آپ کی رہائش کا انتظام ہو گیا۔ تو مرزا صاحب نے کھانے کے لیے عرض کیا۔ فرمایا یہاں پہنچ جایا کرے تو بہتر ورنہ ڈیرے پر۔ غرض مرزا صاحب کھانا وہیں پہنچایا کرتے تھے۔ آپ نے خوش ہو کر مرزا صاحب کے حق میں دعا فرمائی۔

آپ نے پہلے غسل کیا، کپڑے بدلے اور بصد شوق روضۂ عالیہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ درِ اقدس پر حاضر ہوتے ہی وفورِ شوق محبت محبوب الٰہی میں دل جوش مار مار کر سینہ سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ آپ ہر چند اپنی طبیعت کو روکتے اور زبان بند کرتے مگر یارائے ضبط کہاں۔ زیارت کرتے، آداب بجا لاتے مسجد نبوی دیکھتے پروانہ وار گرتے۔ بار بار دیکھتے اور بار بار بے ہوش ہو جاتے۔ غرض روضۂ مطہرہ پر آپ کی حاضری کی کیفیت ضبطِ تحریر میں نہیں آسکتی۔ ہاں مولانا جامی علیہ الرحمۃ ہوتے تو شاید اس طرح کا کچھ نقشہ کھینچتے ؎

چوں شد بخوں جگر بستہ روزنِ دیدہ	زچاک سینہ رخت راکنم نظارا دلم
بدور ساغر لعلت درست کے ماند	اگر بود چو دلت فی المثل فخارہ دلم
ہوائے وصلِ تو بار آردش اگر صد بار	جہد ز آتش عشق تو چوں شرارہ دلم
اگر شمار اسیرانِ زلفِ خویش کنی	مبادا آنکہ بیاید دراں شمارہ دلم

مگو کہ قطرۂ خوں در کنار جامی نیست
چو دیدہ موج زد افتاد بر کنارہ دلم

گویا اسی معراج کے لیے آپ کو بلایا گیا ہے اور آپ اُدنُ مِنِّی کی آوازیں سُن رہے ہیں۔ یا طور پر لَن ترَانِی سنتے ہوئے محوِ نظارہ ہیں۔ لیکن یہ نظارہ ظاہری آنکھ سے نہیں بلکہ جان سے کر رہی ہیں۔ بقول حضرت قلندر مرحوم

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم	گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

چونکہ صرف تذکرہ ہی نہیں بلکہ حدیثِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے

مجھے معذور سمجھیں۔ اگر میں تذکرہ سمجھ کر پھر یہ واقعہ صاحب "آیات القیومیہ"[1] کے الفاظ میں پیش کروں۔ کیونکہ مجھ جیسا گنہگار اور بے علم اس کیفیت کے بیان سے قاصر ہے۔

بنظرات عنایت حضرت خواجہ بزرگوار منظور نظر بودہ محض بہ عنایت از توحید وجودی بہ مرتبہ توحید شہودی رسیدند وبمقامات عالیہ ودرجات متعالیہ فائز شدند۔ در ساعتے کہ مشتری از وکسب نماید حضرت اعلیٰ را خلعت اجازت کاملہ پوشانیدہ بہ پنجاب کہ وطن مالوف آن حضرت بود رخصت فرمودند۔

حضرت خواجہ بزرگوار کی نظر منظور ہو کر محض عنایت ربانی سے توحید وجودی سے توحید شہودی میں پہنچ گئے اور اعلیٰ مقامات کے مالک ہو گئے جب کہ ستارہ مشتری کا دور تھا۔ حضرت اعلیٰ کو اجازت نامہ کاملہ کی خلعت سے ممتاز فرما کر پنجاب کی طرف جہاں آپ کا آباؤ اجدادی وطن تھا رخصت فرمایا۔

اجازت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدانند کہ سالک مادام کہ از فنا جذبے کہ معتبر بہ عدم ست سیرمے کند در راہ است یحتمل کہ بہ عارضے باز بہ وجود بشریہ عود کند۔

اجازت نامہ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنیوالا ہے

اے عزیزو جانو! کہ سالک جب تک کشش فنا میں جس کو ہم عدم کہتے ہیں سیر کرتا ہے ممکن ہے کہ کسی رکاوٹ سے پھر بشریہ

---

[1] آیات قیومیہ فارسی زبان میں حکیم احمد علی صاحب دھرم کوٹی خلیفہ حضرت قیوم عالم پیر امام علی شاہ صاحب کی تالیف ہے جس میں آپ نے نہایت تحقیق سے واقعات قلم بند فرمائے ہیں۔ اس نسخے کو میاں شیر محمد صاحب مرحوم شرقپوری نے خوشنویسی سے نقل کرایا ہے۔ (مؤلف)

آیات قیومیہ کا قلمی نسخہ حضرت قبلہ سید محفوظ حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان شریف کے پاس بھلیر نزد سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ میں بھی موجود ہے۔ (ناشر)

وایں فنا جذبی و عدم تا بہ نہایت سیر
الی اللہ است و سیر الی اللہ عبارت
از قطع مقامے از مقامات دائرہ امکان
ست۔ و چون سالک تمام مراتب دائرہ
امکان را طے کردہ بہ نقطہ نہایت آن
رسید پس سیر الے اللہ تمام شد و فنا
مطلق حاصل گردید۔ و بہ تحقیق مواصلت
بحق سبحانہ تعالے پیدا کردید و رجوع
بہ بشریت ممتنع شد۔ مارجع من
رجع الا من الطریق۔ ومن وصل
لا یرجع۔ انتہے۔ پس فضائل دستگاہ
سیادت پناہی سید حسین شاہ بفضل
حق سبحانہ تعالے بعد حصول جذبہ
احدیت تامی دائرہ امکان را طے نمودہ
و سیر الی اللہ را با تمام رسانیدہ فنا
مطلق حاصل کردہ از حد مرید گزشتہ
مراد گردیدہ است و در سیر فی اللہ
داخل شدہ است و این سیر را نہایتے
ایں ست۔ ہر کس از عارفان علے تفاوت
الدرجات بہ حسب استعداد خود دریں
سیر نہایت حاصل نمودہ است۔
کہ فوق آن اور ا متصور نیست و سید
حسین شاہ استعداد آن دارد کہ اگر کسان

وجود میں واپس لوٹ آوے اور فنا جذبی کا
انتہی سیر الی اللہ تک ہے اور سیر الی اللہ سے
مراد یہ ہے کہ امکان کے دائرے کے مقامات
سے ایک مقام کا قطع کرنا ہے اور فقیر جب
امکان کے تمام مراتب کو طے کر کے نہایت
کے نقطہ پر پہنچ جاتا ہے وہاں سیر الے اللہ
بھی ختم ہو جاتی ہے اور فنا مطلق حاصل ہو
جاتی ہے۔ اور اس مقام پر خدا تعالے کے
ملنے کا موقعہ آجاتا ہے پھر بشریت کی طرف
واپس آنا معدوم ہو جاتا ہے۔ جو پھرتا ہے
راستہ سے مڑ سکتا ہے اور جو مل گیا پھر وہ
واپس نہیں آتا۔ پس بزرگوں کی پناہ والے اور
سرداری کی طاقت والے سید حسین شاہ (رحمۃ اللہ علیہ) اللہ تعالی
کی مہربانی سے احدیت کی کشش کے حاصل کرنے
کے بعد امکان کے دائرہ کو پورا طے کیا اور سیر الی اللہ کو
بھی پورے طور پر ختم کر کے فنا مطلق حاصل کی آپ مرید
کے درجہ سے مراد کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں اور سیر
فی اللہ میں داخل ہو گئے ہیں اور اس سیر الہی کی
نہایت یہی مقام ہے۔ ہر ایک عارف نے
اپنی استعداد کے مطابق مختلف درجوں سے
اس انتہائی سیر میں ملکہ پیدا کیا ہے۔ اس سے
بڑھ کر اور کوئی درجہ نہیں اور سید حسین شاہ صاحب
اتنی استعداد رکھتے ہیں کہ اگر بندگان خدا میں سے

به ادبعیت نموده داخل طریقه علیه نقشبندیه
شوند۔ به فیوضات عالیه مستفید خواهند گردید
سید حسین شاه اگر کسان را به شرط استخاره و
فتوئے دلی و بشرط تبری از ریا و سمعه و عجب
داخل طریقه نمایند مجاز ست۔ اما لازم ست
که در حلقه و اجتماعِ طالبان بقدر احتیاج
تعلیم و تربیت نموده مدام در بحرِ بیچونی من
بطن الی بطن و من بطن الی بطن البطون
مستغرق و متلاشی باشند که اجتماع را به
شرائط مذکوره در حصول مقصود تاثیر یست عظیم
اَللّٰهُمَّ لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْخَلْقِ
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

احمد

اجازت نامه حاصل کرده به فراوان
نعمتهاے به وطن باز گشتند مقدم
شریف ایشان را سکناے این دیار
مغتنم انگاشته بسیارے در سلک ارادت
حضرت خواجه بزرگ در آمدند و صحبت
گرم شد۔ و حلقه شغل و مراقبه اتساعی پذیرفت

کوئی طالب آپ کی بیعت کر کے طریقہ علیہ
نقشبندیہ میں داخل ہو۔ بڑے بڑے فیضوں
میں مستفید ہوگا اور اگر سید حسین شاہ (رحمۃ اللہ علیہ)
بعض احباب کو استخارہ اور دلی اجابت اور
ریا اور عجب اور تکبر سے توبہ کرا کے طریقہ
میں داخل کریں تو مجاز ہیں لیکن یہ ضروری
امر ہے کہ حلقہ اور طالبوں کے اجتماع میں
مناسب طور پر تعلیم اور ترتیب کر کے آپ
ہمیشہ خداوندی اوصاف کے دریا میں بطن
سے بطن دیگر اور راس بطن سے بطن البطون
تک محو اور تلاش کرنے والے ہیں۔ کیونکہ
اجتماع کو شروط مذکورہ کے ساتھ مقصود کے
حاصل کرنے میں اثر عظیم ہے۔ اے مولا
ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ادھر اُدھر
نہ پھیر اور درود اور سلام خلقت کے برگزیدہ
محمد پر اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر ہے

احمد

آپ اجازت نامہ لے کر باطنی نعمتوں کو
حاصل کر کے اپنے وطن شریف میں تشریف
لائے آپ کی تشریف آوری کو ادھر کے
رہنے والوں نے غنیمت سمجھ کر حضرت صاحب
کے سلسلہ مریدوں میں داخل ہوئے اور صحبت گرم
ہوئی اور شغل اور مراقبہ کے حلقے نے ایک عجیب وسعت

هنوز چندے نه بر آمده بود۔ که در اثنائے
گرمئے صحبت عشق زیارت حرمین شریفین
غلبه نمود و محبت روضه منوره رسول الله
علیه و علیٰ آله الف الف صلوٰة و سلام
استیلا کرد۔ چنانچه یکبارگی بساط افاضه و
استفاده بر چیدند۔ در ایام غلبه حالات
واردات که حضرت اعلیٰ را در صحبت مزید
المفاخرت حضرت خواجه بزرگ قدس سره
رو نموده حضور حضرت سرور کائنات علیه التحیات
والتسلیمات بتواتر شرف افزا شده که در منامات و
واقعات باندک توجه بحضور رسالت خاتمیت
علیه و علے آله الف الف صلوٰة و سلام مشرف
گشته۔ در هر امر که مباشرت بدان میکردند،
اجازت حاصل مے شد۔ باوجود آنکه به سبب
کثرت شوق متوجه بجانب کعبه گشتند۔ از
حضرت رسالت پناهی علیه و علیٰ آله صلوٰة و
سلام در آن باب اجازتے و از خداوند قبله
پیر و مرشد خود اشارتے نیافتند۔ از لب دریائے
شور دو بار باز گشتند۔ پس هر گه که بعد
بلوغ بمرتبه تکمیل با جازت تعلیم طریقت
سرفراز شده به وطن مالوفه خود مراجعت
فـ ندو هنگامه بزم طالبان گرم کردند۔
بیک ناگاه از حضرت سرور کائنات علیه و

حاصل کی۔ ابھی تھوڑے ہی دن نہ گزرے تھے
کہ آپ کے خیال شریف میں زیارت حرمین
شریفین کا ولولہ جوش زن ہوا اور محبت و
زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نے اُن پر ہزار درود اور سلام ہو غلبہ کیا چنانچہ
اس جوش میں یکدم ہی فیض کا بستر لپیٹ دیا۔
غلبہ حالات واردہ کے دنوں میں جو خواجہ
بزرگوار سے آپ کو حاصل ہوئے تھے حضور
پُرنور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت
متواتر ہوتی تھی اور عالم خواب اور بیداری میں
تھوڑی سی توجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے حضور میں آپ پر ہزار ہزار درود اور سلام
ہو شرف حاصل کر کے جس کام کی بابت
خواہش ہوتی تھی۔ عرض کر لیتے تھے اور اجازت
حاصل ہو جاتی تھی۔ حالانکہ آپ نے نہایت
شوق سے بیت اللہ شریف جانے کا ارادہ کیا
نہ تو حضور پُرنور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے
اجازت حاصل ہوئی اور نہ ہی حضور قبلہ پیر و مرشد
سے بشارت ہوئی اس لیئے آپ دو دفعہ سمندر کے
کنارے پر پہنچ کر واپس تشریف لائے۔ اس لیے
کچھ مدت آپ نے واپس آ کر طالبان محبت کو شربت
وصل پلایا اور اسرار طریقت کو تعلیم کیا یک دم ہی
آپ کو حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

علےٰ آلہٖ صلوٰۃ وتسلیمات درباب ادائے
حج کہ فریضہ عمرست اشارتے معلوم شد۔
چنانچہ سلسلہ شوق واشتیاق درجنبش آمد باوجود
قلت استطاعت وکمی زاد و احلہ وخوف سوای
دریائے شور ومہالک دیگرہ قدم درراہ نہادند۔
چون درسندھ شریف بسعادت پائے بوس
حضرت حجۃ الاولیاء والاصدقا قدس سرہٗ
مشرف شدند۔ پیش ازانکہ ازارادۂ
خود اظہار نمایند۔ حضرت خواجہ بزرگ
اذن وردادند۔ پس درین سفر وفور
برکات وشمول عنایات اللہ جلشانہٗ
درخود دیدہ بعافیت ازسواری جہاز
عبور کردہ بمنزل مقصود رسیدند
چون بہ شرف احرام مشرف شدند
دیدہ اند کہ تمام دشت از نشیب و فراز
از انوار کعبہ مملو است درہنگام ظہور
آثار بیت اللہ کیفیتے عظیم رہ نمودہ است۔
دور طواف قدوم نعرہ ہائے بے اختیار زدہ
بیہوش افتادند ہرگاہ بسبب کمال اشتیاق و
الحاح خواستہ اند کہ چشمان خود را بمشاہدہ جمال
کعبۃ اللہ باز نمایند۔ انوار واسرار آن عالیمقام
ایشان را فروگرفتہ در وجد والتہاب بیخود
افتادہ گریبان چاک کردہ بر آن خاک پاک

کی بارگاہ سے فریضہ حج کے ادا کرنے کے
واسطے حکم صادر ہوا۔ آپ کے شوق اور
اشتیاق کا سلسلہ حرکت میں آیا۔ گو طاقت
نہ تھی۔ اور خرچ راہ بھی کم تھا اور سواری
کا سامان بھی کافی نہ تھا اور دریائے شور
کی موج زنی بھی حائل اور سوائے اس کے
اور بھی خوفناک امور درپیش تھے سب کو
طاق نسیان میں رکھ کر متوکلاً علی اللہ
چل پڑے اور جب سندھ میں حضرت
خواجہ بزرگوار کی خدمت شریف میں باریاب
ہوئے تو اس سے پہلے کہ آپ اس معاملہ
کا اظہار فرما دیں حضرت خواجہ بزرگوار
نے حج کی اجازت عنایت فرمائی پس
اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی برکتیں
اور بڑی مہربانیوں کے ساتھ خیر و خوبی
اور آرام اور سکون سے جہاز پر سوار
ہو کر منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ جب آپ
لباس احرام سے مشرف ہوئے دیکھا کہ
تمام جنگل کعبہ کے انوار سے بھر گیا اور جب
آپ پر بیت اللہ شریف کے انوار چمک پڑے تو آپ پر
ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور طواف قدوم
میں بے اختیار نعرہ مارا اور بیہوش ہو کر گر پڑے
اور جب آپ نے کمال اشتیاق اور محبت سے چاہا

غلطیدند۔ چنانچہ زائران حرم محترم
از ملاحظہ احوال عدیم المثال ایشان کہ
شیفتہ اطوار مجذوبانہ مجنونانہ ایشان گشتہ
اند۔ علی الخصوص مرزا سہمگین بیگ ہندوستانی
کہ دران ہنگام در سلک ملازمان شریف
مکہ زادہا اللہ شرفاً منسلک بودند از
دیدن حالات ارجمند ونعرہ ہائے
بلند ایشان کہ شبلی آسا از ایشان
سر بر میزدند از دل وجان مشتاق
ودالہ ایشان گشتند۔ ودر ایام افاقت
در مکہ معظمہ با وظائف خدمات قیام
مے نمودند۔ فی الجملہ در موضع متبرکہ
ظہورات عجیبہ واسرار غریبہ مشاہدہ
کردہ از فیوض ومواہب بہرجا بہرہ یاب
گشتند وبدریافت حقائق مسجودیت و
معبودیت صرف حقیقت کعبہ حسنا
مستفیض گشتہ از مقام ابراہیم حظے
دافر گرفتند ودر وقوف بعرفات
وبنزول منزل منےٰ انوار وبرکات
مالا تعد ولا تحصے دیدہ چنان معلوم
کردند کہ بفضل الہی حج مقبول و
مبرور گردیدہ وبعد از ادائے
مناسک حج اسلام وشرائط وآداب

کہ اپنی آنکھوں کو کعبہ شریف کے جمال کے واسطے
کھولیں تو اس عالیمقام کے انوار نے آپ کو ایسا
پکڑا کہ وجد اور بیقراری میں آئے اور کپڑے پھاڑ
کر اس خاک پاک پر لڑکھیاں کھانے لگے۔
یہاں تک کہ حرم محترم کے زیارت کرنے والے آپ کے
عجیب احوال دیکھنے سے قربان ہو رہے تھے خصوصاً
مرزا سہمگین بیگ ہندوستانی کہ ان دنوں شریف
مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً کے ملازموں میں ملازم تھے۔
ان کے عجیب حالات اور نعرہ دردناک جو شبلی
رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ سے ظاہر ہوتے تھے
دیکھنے سے جان ودل سے قربان ہو گئے
اور جب آپ کو کچھ افاقہ رونما ہوتا تو خدمت و
وظائف بیت اللہ میں قیام فرماتے۔ الغرض
اس متبرک مکان میں عجیب عجیب ظہور اور
غریب مشاہدہ کر کے اس مکان پاک کی برکتوں سے
حصہ لیتے رہے اور مسجود اور معبود ہونے کے
حقائق کو معلوم کر کے اور کعبہ شریف کی حقیقت
سے بہرہ یاب ہو کر آپ نے مقام ابراہیم سے
پورا حصہ حاصل کیا اور عرفات کے ٹھہرنے
اور منیٰ میں اترنے سے وہ انوار وبرکات جن
کو ہم نہ گن سکتے ہیں اور نہ شمار کر سکتے ہیں حاصل
کر کے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا
حج مقبول ہو گیا ہے۔ آپ فرائض حج کے ادا

آن متوجہ مدینہ منورہ شدند و در اثنائے
توجہ بزیارت حضرت رسالت پناہی
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم این مناجات
انشاد کردند۔

کرنے کے بعد مدینہ منورہ کی طرف
متوجہ ہوئے اور راستہ میں شوق حضور
پُر نور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت میں
یہ مناجات تحریر فرمائی ہے

مناجات

ہستم سگ جنابت یا سیّد المدینہ
جانم فدائے خاکت یا سید المدینہ
مسکین و مستمندم محزون و درد مندم
سوزندہ چون سپندم یا سیّد المدینہ
غرقم بہ بحرِ غفلت دربندِ حرص و شہوت
دارم ز جرم کسوت یا سیّد المدینہ
از مارِ نفس ملعون جان و دلم خورد خون
مضطر شدست محزون یا سیّد المدینہ
در مرضِ حرص جانم شدہ مبتلا چنانم
چارہ از و ندانم یا سیّد المدینہ
بے حد گناہ گارم جائے امان ندارم
شرمندہ شرمسارم یا سیّد المدینہ
بہر دوا دویدم در حضرتت رسیدم
چارہ دگر نہ دیدم یا سیّد المدینہ
این بے عدد جرائم معصیت لا دوائم
فریاد مے نمائم یا سیّد المدینہ
یا ہادیے ہدایت یا شاہ ذو العنایت

سگ ہوں میں تیرا دربان یا سیّد المدینہ
میری جان ہو تجھ پہ قربان یا سیّد المدینہ
عاجز ہوں بے نوا ہوں دردوں میں مبتلا ہوں
ہرمل مثل ہوں سوزاں یا سیّد المدینہ
ڈوبا ہوں بحرِ غفلت حرص و ہوا کا قیدی
پُر ہے جُرم سے داماں یا سیّد المدینہ
نفسِ لعیں سے میرا دل خون ہو رہا ہے
مضطر ہوا ہوں نالاں یا سیّد المدینہ
مرضِ حرص میں میری جان مبتلا ہے ایسی
درماں سے ہوں میں نادان یا سیّد المدینہ
مجرم ہوں سخت عاصی شرمندہ پُر معاصی
بے زادِ راہ ساماں یا سیّد المدینہ
دوڑا ہوں میں دوا کو حضرت سے التجا کو
دار و بے دردمنداں یا سیّد المدینہ
بے حد جرم سے میری یہ مرض لا دوا ہے
فریاد ہے یہ ارماں یا سیّد المدینہ
اے ہادیٔ ہدایت لطف و کمال والے

دل وجان من فدایت یا سیّدَ المدینہ
یا شاہِ کون وامکان دست کرم بیفشان
از قیدِ نفس برہان یا سیّدَ المدینہ
تو کس بہ بیکسانی غمخوار عاجزانی
سردارِ انس وجانی یا سیّدَ المدینہ
این آہ وہم فغان ہا بشنو زحال ماہا
اے شاہِ دین پناہا یا سیّدَ المدینہ
یا شاہِ ذوالوقت را این بیکسے مارا
نظرے بکن خدا را یا سیّدَ المدینہ
ہستم سگِ سگانت مشتاقِ آستانت
مسکین و مدح خوانت یا سیّدَ المدینہ
خواہم زتو ہدایت ہردم کنم ثنایت
سر افگنم بپایت یا سیّدَ المدینہ
در ذوق شوق مولا کن مست بے سر وپا
باشم لولے ویلا یا سیّدَ المدینہ
دیگر سرم فدایت یابم شرف لقایت
باشم حضور پایت یا سیّدَ المدینہ
عرض حسین مسکین بہ پذیر یا شاہِ دین
کن کرم حال ما بین یا سیّدَ المدینہ

دل وجان سے تجھ پہ قربان یا سیّدَ المدینہ
اے دو جہان کے شاہا دست کرم سے کیجو
قیدِ نفس سے شاداں یا سیّدَ المدینہ
اے بیکسوں کے والی اے عاجزوں کے حامی
سردار جن و انسان یا سیّدَ المدینہ
اے دو جہاں کے شاہا ہیہات حال میرا
آہ وفغان و نالاں یا سیّدَ المدینہ
اے بادشاہِ عزت للہ نظرِ کرم کی
برحالِ ما غریباں یا سیّدَ المدینہ
ہوں چاکروں کا چاکر مشتاق تیرے در کا
عاجز ہوں میں ثنا خوان یا سیّدَ المدینہ
صفت وثنا میں تیرے ہردم رہے یہ بندہ
قدموں پہ سر ہو قربان یا سیّدَ المدینہ
در ذوق شوق مولا بے خود و مست کردو
ہردم ہو آہ و نالان یا سیّدَ المدینہ
قدموں میں ہو حضوری پاؤں شرف لقا سے
سر ہو یہ میرا قربان یا سیّدَ المدینہ
عرض حسین مسکین کیجو نظر کرم کی
برحالِ ما غریباں اے سیّدَ المدینہ

چون بمدینہ منورہ رسیدہ اند
بمجرد ملاحظہ آثار روضہ معطرہ نعرہ ہا زدہ

جب آپ مدینہ منورہ میں پہنچے روضہ
پاک کے دیکھتے ہی نعرہ مارا اور بیہوشش

بیہوش افتادہ و در آداب زیارت
روضۂ مطہرہ و مسجد نبوی مبارکہ
زمان زمان از خود رفتہ بر زمین غلطیدند
باوجودیکہ انوار صحابہ و اہل بیت نیز دران
مقام تابان بودند۔ از غایت استغراق
و استہلاک و انوار نبوی بہ دیگرے
نتوانستند۔ اتفاقاً مرزا صاحب
سہمگین بیگ در آنوقت نیز بہ
مدینہ رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
رسیدہ حضرت اعلےٰ قدس سرہ را
بہ ہمان حالت در لجہ وجد و التہاب
مستغرق دریافت والتماس نمود
کہ از سلک ارادات ایشاں منسلک
گردد۔ حضرت اعلےٰ عریضہ محتوی نیازمندیہا
درباب قبول ایشان بہ جناب پیر
دستگیر خود برنگاشتہ دلالت نمود
کہ در سندھ شریف رسیدہ از
حضرت خواجہ بزرگ دریافتند آنچہ دریافتند
پس چون در ایام اقامت بہ مدینہ
سکینہ حضرت اعلےٰ قدس اللہ سرہٗ
بہ توالی و تواتر عنایات عظیمہ و عطایائے
فخیمہ از آن حضرت صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلم دریافتہ التفات و

ہوکر گر پڑے اور روضہ منورہ کی زیارت
کے آداب بجا لانے اور مسجد نبوی مبارکہ
کے دیکھنے میں بار بار بیہوش ہو جاتے اور زمین
پر گر پڑتے۔ گو اس مقام پاک میں اہلبیت
اور صحابہ کے نور بھی چمکتے تھے۔ مگر آپ
نہایت استغراق سے انوار نبوی کے مقابلہ
میں اور کسی طرف دھیان نہ کرتے تھے۔
اتفاقاً اُن دنوں مرزا سہمگین بیگ بھی
مدینہ منورہ رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
میں تھا۔ حضرت اعلیٰ کو اللہ تعالےٰ آپ
کا بھید پاک کرے تمام حالت اور وجد
میں نہایت محو پایا۔ عرض کی کہ اس خاکسار
کو مریدوں کے زمرہ میں شامل کر دیں۔
آپ نے ایک عریضہ جو نیازمندی سے پُر تھا۔
اُن کی قبولیت کے واسطے اپنے پیر
دستگیر کی خدمت میں لکھا۔ اور مرزا صاحب
کو کہا کہ سندھ شریف میں حضور اعلیٰ
کی خدمت میں حاضر ہو جاویں۔ پس مرزا
صاحب نے وہاں پہنچ کر جو کچھ پایا سو پایا۔
حضرت اعلیٰ نے مدینہ شریف میں رہ کر بڑی
بڑی نعمتیں متواتر آنحضرت صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم سے حاصل کیں۔ آپ نے ان
عنایتوں کو دیکھ کر سخت ارادہ کر لیا کہ

عنایات بے غایات بجال خود دیدند
عزم بالجزم نمودند کہ بقیۃ العمر در
روضہ مقدس معتکف نشینند در
اثنائے دیدند۔ کہ حضرت محبوب
رب العالمین علیہ و علےٰ آلہٖ الف الف
صلوٰۃ وسلام تشریف فرمائے شدند
درحالیکہ انوار عظیمہ بر آن حضرت
متلالی ست۔ فرمودند کہ شمارا بہ
وطن مالوفہ باید رفت۔ تا اہالی آن
دیار بہ دولت برکت کثیر المنفعت تو
بہ فواید مستفید گردند و اعالی روزگار
بسعادت ملازمت غفیر الموہبت تو بمواہد
جدیدہ بہرہ مند۔ و زمرۂ گم گشتگان
بادیہ ضلالت از فروغ رابطہ ہدایت
یابند۔ و فرقہ متعطشان وادیٔ جہالت
از زلال واسطہ تو سیراب باشند۔

بدریا آب شیریں بہر آن ست ؎
کہ از وے تشنگان سیراب گردند
نہ چون گوہر کہ در معدن نہفتہ!
جان در کند نقش، نایاب گردند!

حضرت اعلیٰ قدس سرہ بہ عرض رسانیدند۔
کہ مجاورت درگاہ جہان پناہ و ملازمت
بارگاہ عالم آرام گاہ مقصود دل و جان من ست

باقی عمر حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کی خدمت میں گزاریں۔ ابھی یہ
خیال دل میں گزرا ہی تھا کہ حضور پُرنور
رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ آپ پر
ہزار ہزار درود وسلام ہو تشریف فرما ہوئے
حالانکہ حضرت شاہ صاحب پر کئی قسم کے
نور چمک رہے تھے۔ آن حضور صلے اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم نے زبان درفشاں سے
فرمایا کہ عزیز آپ کو اپنے وطن میں جانا
لازم ہے تاکہ اُس ولایت کے لوگ آپ کی
برکت اور نظر کیمیا اثر سے فائدہ حاصل کریں
اور زمانہ کے خورد اور بزرگ اور غریب اور دولتمند
آپ کی ملازمت حاصل کرکے بہرہ مند ہو
جاویں اور کئی گمراہ آپ کی ہدایت سے
راہ راست پر آجاویں اور جہالت کے جنگل
کے پیاسے آپ کے میٹھے پانی سے سیراب
ہوجاویں ؎ دریا میں میٹھا پانی اس لیے
ہے کہ پیاسوں کی پیاس اُس سے بجھے۔
موتی کی طرح کان میں انسان نہ چھپنا چاہیئے
کہ اس کے ڈھونڈنے سے لوگ تنگ ہوجاویں۔
آپ نے عرض کی کہ میرے دل اور
جان کا آرام آپ کے دربار
گوہر بار میں رہنے سے ہے۔

نمے خواہم کہ ازیں در دولت مہجور
باشم باز فرمودند۔ کہ دریں حکمتے
ست عجیب کہ برآن مطلع نہٗ۔ البتہ
مے باید کہ برین راضی شدہ
در متوطن خود سکونت پذیرفتن کہ
اکثر مردمان آن جارا از تو فیض
رسد۔ واز برکت دامن تو چنان
عزیزے سربرزند کہ ہمچوں آفتاب
عالمتاب از انوار ہدایت او عالم
عالم روشن گردد۔ میفرمودند کہ
در آن وقت حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ
رابہ خاطر آمد۔ کہ در دیار پنجاب
ہیچ عزیزے بر مسند کمال درین
روزہا جلوہ افروز نیست کہ بوئے
صحبت در زد۔ حضرت رسالت
خاتمیت علیہ وآلہ الصلاۃ والسلام بنور نبوت
مشرف شدہ فرمودند۔ وقتیکہ شمارا
شوق و تعطش ملاقات ارباب کمال
دامنگیر گردد۔ در علاقہ گڑہی گھریالی
موضع سموال ست در آن مقام
جامع و مجمع افضال مجد الرجال
مسمٰے بہ حافظ محمود علیہ رحمت رب الودود
زیب سکونت دارند۔ رشحے از زلال

میرا دل نہیں چاہتا کہ یہاں سے دُور
جا پڑوں۔ پھر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا کہ اس میں عجیب حکمت ہے
جس کی آپ کو خبر نہیں۔ ضرور اس امر پر
راضی ہونا چاہیے اور وطن مالوف کو واپس
جانا چاہیے کیونکہ بہت سے لوگوں کو
آپ سے فیض ملے گا۔ اور آپ کے
دامن کی برکت سے ایک ایسا عزیز پیدا
ہوگا کہ سورج روشن بھی اس کے نور سے
حصہ لے گا۔ پھر آپ کے دل مبارک میں خیال
پیدا ہوا کہ پنجاب کی ولایت میں کوئی ایسا
آدمی نظر نہیں آیا جس کی صحبت
سے فیض حاصل ہو۔ حضورِ انور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم کرنے
والے رسالت کے اور برگزیدہ
نبیوں کے۔ آپ پر درود اور
سلام ہو فرمایا کہ جب آپ کو کسی
خدا رسیدہ کے ملنے کا اشتیاق
ہو تو آپ گڑہی گھریالی کے علاقہ
میں جایا کریں۔ وہاں ایک موضع
سموال ہے۔ اس جگہ سب فضیلتوں کے
جامع اور بزرگوں کے بزرگ حافظ
محمود رحمۃ اللہ علیہ سکونت رکھتے ہیں۔ اُن

وصال او در کام حال باید کرد۔ ہمیں
فرمودہ مرخص شدند و رخصت داد ند
پس چون این مقولہ از حضرت رسالت
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم در گوش رسید
ہمان وقت بچشم گریان و دلِ بریان
از مدینہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام
برآمدند و ہنگام معاودت ثانیاً بسعادت طواف
کعبہ و تقبیل حجر اسود مشرف بودہ
و عنایات بزرگ از دیدار در کعبہ گرفتہ
روانہ شدند۔ و از آن دیار مطلع انوار سندھ
شریف ملازمت خواجہ بزرگوار دریافت
و اقتباس انوار عظیمہ نمودہ بوطن
مالوفہ روئے نہادند۔ چون حدود پنجاب
را از قدوم فیض لزوم رونق بخشیدند
پرسانِ احوال با کمال حافظ
محمود علیہ الرحمۃ الودود روح اللہ
روحہ گردیدہ بر لب دریائے جہلم کما
اشار النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم حافظ
موصوف را متحلی بحلیہ کمال و اکمال
دریافتند۔ کہ باوجود سرعت سیر و تربیت
مردانہ از ہر مائیدہ فائدہ تمام و از
ہر مقامے نعمتے مالا کلام فرا گرفتہ بہ
منزل مقصود واصل شدہ اند و تقریباً

کے آب شیریں سے لذّت اٹھایا
کریں یہ فرما کر حضرت صلے اللہ علیہ و
آلہ وسلم تشریف لے گئے اور
اجازت دے گئے۔ جب آپ
کو دربار نبوی سے یہ پیغام ملا۔ تو آپ چشم
گریان اور دل بریان لے کر مدینہ منورہ سے
نکل پڑے اور واپسی پر دوسری دفعہ کعبہ شریف
کا طواف زیارت کیا۔ اور حجر اسود
کو چوما اور کعبہ شریف کی زیارت
سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے اور جہاز
پر سوار ہو کر ولایت سندھ شریف
میں حضرت خواجہ بزرگوار کی خدمت
بابرکت میں شرفیاب ہوئے اور وہاں
سے فوائد عظیمہ حاصل کر کے وطن
مالوفہ کی طرف تشریف آور ہوئے جب
حدود پنجاب کو فیض بخش قدموں سے
مشرف فرمایا تو آپ حسب ارشاد نبوی صلے
اللہ علیہ وآلہ وسلم دریائے جہلم کے کنارہ پر پوچھتے
پوچھاتے حافظ موصوف کو ملے۔ حافظ صاحب
کمالیت کے زیور سے آراستہ اور پیراستہ تھے
باوجودیکہ آپ کی سیر نہایت تیز تھی تاہم
مردانہ وار ہر مقام سے فائدہ تام رکھتے تھے
اور منزل مقصود پر پہنچ چکے تھے اور یہ بھی

فرمودند۔ کہ در اواخر سلوک بہ تجلی
صمدی نیز متجلی گشتند۔ و آن مقامے
ست کہ در آن جا احتیاج اکل و شرب
از سالک برخیزد۔ چنانچہ در مقامات
قدوۃ الکاملین۔ حضرت بدیع الدین
بہ شاہ مدار مذکور ست۔ کہ در تجلی صمدی
تا دوازدہ سال طعام نہ خوردہ اند
لباسے کہ یکبارے پوشیدند۔ دیگر
احتیاج شستن نمے شد پس در غلبہ
آن حال حضرت سیدی مولائی بہ
کلی از خوردن و آشامیدن باز ماندند
چندانکہ حضرت خواجہ بزرگ در آن
حالت بہ خوردن و آشامیدن اشارت
میکردند۔ فائدہ نمے داشت تاکہ مدت
مغلوبیت الیشان در آن سال از ایام
بمرور مشہور انجا مید آخر الامر
حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ حضرت
سیدی و مولائی رد برو طلبیدہ فرمودند
کہ اقتدائے بر رسول صلے اللہ علیہ
و آلہ وسلم ست۔ آن مے باید کہ
رسول صلے اللہ علیہ وسلم کردمن میکنم
و گرنہ پیش ازین در صحبت نتوانی۔ و
در آنوقت بدست مبارک خود لقمہ

معلوم ہوا۔ کہ آپ مقام تجلی صمدی پر
فائز المرام ہو چکے ہیں یہ وہ مقام
ہے کہ جہاں عارف کو کھانے پینے
کی پرواہ نہیں رہتی۔ جیسا کہ حضرت
شاہ بدیع الدین صاحب شاہ مدار
کے تذکرہ میں آیا ہے کہ آپ نے
تجلی صمدی میں بارہ سال تک کھانا
نہیں کھایا اور جو لباس وہ پہنتے
تھے۔ وہ میلا نہیں ہوتا تھا۔ صاحب
موصوف حافظ صاحب کھانے پینے
کو بالکل چھوڑ چکے تھے اور حضرت شاہ
صاحب ہر چند کھانے اور پینے کا اشارہ
کرتے تھے۔ مگر آپ لاپرواہ تھے۔
یہاں تک کہ ان کی مدت مغلوبیت تجلی
صمدی کی اس سال میں تمام ہو چکی تھی۔
آپ نے حافظ صاحب کی خدمت میں
عرض کیا۔ کہ حضرت آپ کو اتباع رسول
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم لازم ہے جیسا
کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور
میرا بھی بفضل خدا اس پر عمل ہے۔ ورنہ
بندہ پھر خدمت میں حاضر نہ ہوگا۔ پھر
اپنے ہاتھ میں ایک لقمہ اٹھا کر آپ
کے دہان مبارک میں رکھا۔ اور ہر روز

در وہان مبارک ایشان نہادند و یک لقمہ مقرر کردند کہ در یک روزے بخورد و ہمت باطنی در کار کرد تا رفتہ رفتہ میل بطعام پدید آمد۔ و زآن مقام ترقی دست داد۔

ایک لقمہ مقرر کر دیا۔ اور ہمت باطنی سے بھی توجہ کی۔ آہستہ آہستہ آپ کو کھانے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ اس کھانے کی وجہ سے آپ کو مقامات پر زیادہ ترقی ہوئی۔

۱۲۱۴؁ھ میں آپ نے سفر حجاز شروع فرمایا اور ۱۲۱۹؁ء میں پانچ سال کے بعد واپس تشریف لائے۔ ہمیں آپ کی زندگی سے سبق لینا چاہیے کہ کس قدر مراحل طے کرنے کے بعد آپ منزلِ مقصود کو پہنچے ہیں۔

یعنی ۱۱۸۰؁ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ۱۱۹۹؁ء میں آپ نے پشاور کا سفر فرمایا۔ انیس ۱۹ سال گھر میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۱۹۹؁ھ سے ۱۲۰۳؁ھ تک عرصہ چار سال زمانہ تعلیم پشاور رہے۔ ۱۲۰۳؁ھ سے لے کر ۱۲۰۹؁ھ تک تلاشِ شیخ کامل میں گزارے۔ ۱۲۰۹؁ھ سے ۱۲۱۴؁ھ تک آپ اپنے شیخ کی خدمت میں رہے۔ ۱۲۱۴؁ھ سے لے کر ۱۲۱۹؁ھ تک حج اور حاضری دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ گویا قریباً ۲۳ سال کی عمر تک آپ علوم ظاہری سے فیض یاب ہوئے اور سترہ ۱۷ سال تک آپ نے تکمیلِ روحانیت میں صرف فرمائے اور ۴۰ سال کی عمر میں آپ صاحب ارشاد ہوئے۔ جس طرح انبیاء علیہ السلام کو ۴۰ سال کے بعد نبوت عطا ہوتی چلی آئی ہے۔ اسی سنت اللہ کے مطابق چالیس سال کے بعد وراثتِ نبوت بمصداق (اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ) عطا ہوئی۔

جس طرح حضورؐ سرورِ کائنات کی پیدائش سے پہلے دنیا کفر و شرک، فسق و فجور سے پر ہو چکی تھی اور کعبہ مکرمہ میں ۳۶۰ بُت نصب ہو چکے تھے۔

کچھ اسی طرح جب آپ اپنے وطن میں تشریف لائے تو وہ زمانہ (بندہ بہادر) کا تھا جس نے ملک کو لوٹ مار سے تاخت و تاراج کر دیا تھا اور کعبۃ الہند یا مدینۃ الہند سرہند شریف کو غارت کر دیا تھا۔ روضہ ہائے مبارک میں گھوڑے بندھوا دیئے تھے

اور مسلمانوں کے گھروں پر ہل چلوا دیئے تھے۔ مسلمان تباہ و برباد کر دیئے گئے تھے اور کفر و شرک فسق و فجور زوروں پر تھے۔

آپ کا آنا کیا تھا ایک ابرِ رحمت کا آنا تھا، اور کیوں نہ ہوتا، آپ کا آنا اولاد اور جانشین رحمۃ اللعالمین کا آنا تھا۔ آتے ہی رسوماتِ کفر و بدعت یکسر اٹھا دی گئیں۔ ذکر و شغل، تسبیح و تہلیل کا چرچا ہونے لگا۔ مکان شریف میں پھر رونق آ گئی اور آپ نے یہاں جمعہ پڑھنا شروع کر دیا۔ جو پہلے یہاں نہ ہوتا تھا۔ اور مسجد میں چہل پہل ہو گئی۔

زمینداروں کی مستورات ہندوؤں کی طرح سروں پر جونڈہ رکھا کرتی تھیں۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ رسم بھی جاتی رہی۔

سلسلہ نقشبندیہ اس علاقے میں آپ کی تشریف آوری سے جاری ہوا۔

آپ منکسر المزاج بہت تھے۔ اس لیے باوجود لوگوں کے پروانہ وار اس شمع کے گرد جمع ہونے کے اور درخواست کے بھی آپ داخلِ طریقہ نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ مرزا سنگین بیگ کی درخواست پر آپ نے اپنے پیر کی خدمت میں سفارش نامہ لکھ دیا اور خود بیعت نہ کیا۔

ایک دن مکان شریف کی مسجد میں نماز عصر کی اذان کا حکم فرمایا۔ ادھر اذان ہو رہی تھی ادھر آپ ایسے محو و بے خود ہوئے کہ کچھ ہوش نہ تھا۔ عالم بے ہوشی میں دیوانہ وار بھاگ گئے۔ دریا کی طرف جا نکلے اور دریا کو طغیانی پر تھا مگر آپ اس میں کود پڑے۔ حالی مرحوم نے ٹھیک فرمایا ہے ؎

لگن میں تیری نکل گئے سو نہ جھجکے دریائے پُر خطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

پانی کا خاصہ ہے کہ آگ کو سرد کر دیتا ہے۔ مگر یہ طغیانی پر آیا ہوا دریا کا پانی بھی اس آتش عشق کو بجھا نہ سکا۔ آپ دریا کے پار نکل گئے

تیسرے دن آپ مکان شریف واپس تشریف لائے۔ مکان شریف اونچی

جگہ تھہہ پر آباد ہے۔ آپ تھہہ کی بلندی پر چڑھ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا، "حسین علی تمہیں علم ہے کہ میری شکل شیطان نہیں بن سکتا۔ میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ فلاں فلاں اشخاص کو بیعت کرو۔ مگر تم نے اُن کو داخلِ سلسلہ نہیں کیا۔" یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور حاجی صاحب تاب نہ لا کر پھر بیہوش ہو گئے۔ اور زمین پر گر پڑے۔ متواتر تین دن وہیں بے ہوش پڑے رہے۔ چوتھے دن جب آپ کو ہوش آیا تو پہلے باوضو ہو کر اُن اشخاص کو بلا کر داخل طریقہ فرمایا اور پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔ اس طرح سلسلہ بیعت کا شروع ہوا۔ اس سے پہلے آپ کسی کو بیعت نہ کرتے تھے۔ اس قسم کا جوش و خروش اکثر بزرگوں کو ہوتا رہا ہے۔ خزینہ معرفت صفحہ ۱۹۹ ساتویں ذکر میں حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کا واقع اسی قسم کا درج ہے کہ نماز عشاء میں بوقت سجدہ وجد کی حالت میں تین صفیں پھاند کر باہر تشریف لے گئے اور دوسرے دن واپس تشریف لائے۔ شدت کی سردی تھی مگر آپ ساری رات قبرستان میں رہے۔

۱۲۲۵ھ میں مرزا سنگبیں بیگ صاحب کی وساطت سے جن کا ذکر پہلے سفر حج میں آچکا ہے اور تفصیل آگے بیان ہوگی۔ آپ کی شادی موضع موزنڈا متصل باغانوالہ جو علاقہ سرہند شریف میں ہے ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے عالم ضعیفی میں یکے بعد دیگرے دو فرزند عطا فرمائے۔

۷ صفر ۱۲۴۴ھ میں قریباً ۶۳ سال کی عمر میں جو آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ کی عمر ہے مکان شریف میں وفات پائی۔ مرزا سنگبیں صاحب نے آپ کو غسل دیا اور کچی قبر میں آپ کو دفن کیا گیا۔ جس وقت ان کو قبر میں اتارا گیا مرزا صاحب نے چہرہ سے کفن اٹھا کر آخری زیارت کی اور رو کر فرمایا حسین شاہ جس پایہ کا تو تھا تیری کسی نے قدر نہ کی۔ آپ کی لحد کے آگے لکڑی کا تختہ دیا گیا اور بند کی گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کے جانشین قیوم عالم اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ صاحب ہوئے جنہوں

نے آپ کی تاریخ وفات خود تحریر فرمائی ہے جو درج ذیل ہے ؎

در ماہ صفر چو حضرت مخدومی	بنمود سفر ازیں دائرہ موہومی
تاریخ وفات آں کامل واکمل	دل گفت بگو مرشد مخدومی

۱۲۴۴ھ

حالات متعلق مرزا اسنگبیں بیگ

مرزا صاحب مضافات سرہند شریف ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے۔ فوج شاہی مقیم مکہ شریف میں ملازم تھے اور ایام حج میں خدمت حرمین شریفین اور انتظام حجاج کا کام آپ کے ذمہ تھا۔ حضرت کے حالات بوقت طواف حج معلوم کر کے آپ کے شیدا ہو گئے۔ مدینہ شریف میں بھی آپ نے ہر طرح کی خدمت کی اور داخل سلسلہ ہونے کے لیے اصرار کیا۔ آپ نے خط تحریر فرما کر سندھ شریف میں بخدمت خواجہ بزرگ روانہ کیا۔ مگر مرزا صاحب کو آپ سے خاص عقیدت تھی۔ اس لیے مرزا صاحب نے مرتے دم تک آپ کا دامن نہ چھوڑا۔ حضرت کی جو شادی موضع مونڈہ علاقہ باغانوالہ ریاست پٹیالہ میں ہوئی وہ مرزا صاحب کی سعی کا نتیجہ تھی۔ مرزا صاحب نے ہی آپ کو غسل دیا اور قبر میں اتارا۔

حضرت حافظ محمود علیہ الرحمۃ

جن کے ساتھ باشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا تادم حیات سلسلہ ملاقات جاری رہا۔ ان کی تعریف اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے حاجی صاحب کو ان کی ملاقات کا ارشاد فرمائی۔

حافظ محمود علیہ الرحمۃ اور میاں محمد جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن ٹاہلیاں والہ علاقہ جہلم ہر دو صاحبان حضرت سید غلام حیدر صاحب قدس سرہٗ کے خلفا میں سے ہیں۔ آپ ہر دو صاحبان سے بکمال محبت و اتحاد ملتے رہے اور قیوم عالم اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ صاحبؒ بھی ان ہر دو صاحبان کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔

حالات حضرت سید حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جن سے عجیب غریب کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ مقامات اعلیٰ تصرفات قوی اور جذبات عالیہ کے مالک تھے۔ مجذوبوں اور محبوبوں کے سردار۔ صاحب ذوق و شوق و سکر و جذب تھے۔ جذب قوی اور نسبت مخصوص کی وجہ سے جس پر آپ ذرا نظر توجہ ڈالتے تھے۔ اُسے مقام شعور سے نکال کر بے شعوری اور بے خودی کے مرتبہ تک پہنچا دیتے۔ اس طرح پر کہ وہ حالت مغلوبیت میں دنوں نہیں مہینوں مدہوش رہتے اور کھانے پینے کی طرف بھی توجہ نہ کرتے۔ عرصہ کے بعد اصل حالت میں آتے اور جس منزل پر اہل سلوک میں خاص خاص لوگ مدتوں کے مجاہدوں کے بعد پہنچتے آپ ایک لمحے میں وہاں تک پہنچا دیتے۔

علاقہ رہتاس، چکرالی، جہلم میں ان کے تصرفات اور کرامتیں عام شہرت پذیر ہیں۔ آپ ملامتی رنگ میں خلقت سے چھپے رہتے۔ صحیح النسب اور کریم الطرفین سید تھے۔ علم طب میں بھی مہارت تھی۔ قصبہ رہتاس میں مطب اور عطاری کی دکان بھی کرتے تھے۔ آپ اویسی مشرب تھے اور آپ کو بلا واسطہ فیض شہنشاہ اقلیم ولائیت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملا۔ اس طرح پر کہ آپ ایک دن اپنی دکان پر تشریف فرما تھے کہ ایک نورانی شخص جس کے چہرہ سے کمال عظمت اور ہیبت ٹپک رہی تھی۔ دکان پر آیا۔ آنے والے نے اپنی سرمگیں آنکھوں سے آپ کو دیکھا۔ آنکھوں کا چار ہونا تھا کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ اور حجاب کے پردے آپ کی آنکھوں سے اٹھ گئے۔ توحید کے اسرار منکشف ہو گئے۔ اور انوارِ مقدس سے آپ کا سینہ منور ہو گیا۔ اور آپ کو یقین ہو گیا کہ وہ شخص باب مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ تھے۔ چنانچہ جب آپ سے آپ کے مرید دریافت کرتے تو آپ فرمایا کرتے۔ "حیدر غلام قنبر قنبر غلام حیدر" حقیقت میں شجرہ طریقت آپ کا صرف (حیدر غلام حیدر رہے) لیکن برعایت تعظیم وادب آپ تبرکاً حضرت قنبر کو اخذ

فیوض و برکات کا واسطہ ٹھہراتے۔

آپ کا ایک مخلص مُرید ایک غار میں معتکف تھا۔ اس نے ایک شخص کے ہاتھ اپنے حالات تحریر کر کے ارسال بخدمت والا کیے۔ قاصد نے ایسے حال میں عریضہ پیش کیا کہ آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ روٹی کے ٹکڑے پر آپ نے یہ شعر جواباً تحریر فرما دیا ؎

اندر شب شور و شر ردیدہ کشودیم ۔۔۔ دیدم کہ شب فتنہ دراز است غنودیم

درویش نے یہ شعر پڑھا اور وہ روٹی کا ٹکڑہ کھا لیا۔ لقمہ کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ وہ جاں بحق ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک رئیس زادہ موضع تائکیاں والہ کے قرب جوار کا رہنے والا تھا۔ آپ کا منکر تھا اور آپ کے حق میں کلمات ناسزا وار کہا کرتا تھا۔ اس کے باپ کو جب معلوم ہُوا تو اس نے سختی سے اس کو منع کیا۔ کہ اہل اللہ کے انکار کا انجام خسر الدنیا والآخرہ کے سوا کچھ نہیں ہوا کرتا۔ مگر وہ بجائے تائب ہونے کے اور بد اعتقاد ہو گیا۔ باپ محبت پدری کی وجہ سے اس کو حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ اور عذر خواہی کے بعد لڑکے کے راہ راست پر آنے کے لیے درخواست کی۔ آپ جیسا کہ اہل ملامت کا طریقہ ہے ایک صراحی زنگدار پانی کی جو شراب معلوم ہوتی تھی اپنے پاس رکھا کرتے تھے اس رئیس کی درخواست پر اس کے لڑکے پر نظر شفقت فرمائی اور فرمایا کہ وہ صراحی اٹھا لاؤ۔ لڑکے نے آپ کے حکم کی تعمیل میں اٹھ کر صراحی پکڑی۔ صراحی کا ہاتھ میں آنا تھا کہ اس کی سب بد اعتقادی رفع ہو گئی۔ توبہ و استغفار کرتا ہوا قدمبوس ہُوا۔ اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور انعام یافتہ لوگوں میں سے ہو گیا۔

یوں تو آپ بالعموم مغلوب الحال رہا کرتے تھے۔ مگر بعض اوقات آپ پر ایسی حالت وارد ہوتی آپ چالیس چالیس دن تک حالت سکر میں رہتے اور کچھ نہ کھاتے نہ پیتے اور اس حالت میں آپ کی آتش شوق و ذوق اس قدر بھڑکتی

کہ چلّہ کی سردیوں میں پانی کی مشکیں متواتر آپ پر ڈالتے اور پانی ڈالنے میں ذرا سا وقفہ بھی برداشت نہ ہوتا تھا۔ پھر جب افاقہ ہوتا تو رفتہ رفتہ کچھ خفیف غذا تناول فرماتے۔

ایک دفعہ ایک ماہ آپ پر ایسی حالت طاری رہی۔ جب ذرا افاقہ ہوا آپ کے صاحبزادہ سیّد غلام حسین شاہ آپ کے لیے کھانا لائے اور بہت عجز کے ساتھ التجا کی کہ آپ کچھ تناول فرمائیں۔ آپ نے صرف ایک انگلی لگا کر اس کھانے کو چکھا۔ اور کھانے سے دست کش ہو کر فرمایا کہ اس کھانے کو زمین میں دفن کردو۔ چنانچہ بہ تعمیلِ حکم وہ کھانا زمین میں دفن کر دیا گیا۔ حاضرینِ مجلس میں سے ایک نے عرض کیا کہ اس کھانے کو کیوں دفن کرایا گیا۔ فرمایا اگر اس کھانے کا کوئی لقمہ کوئی کھا لیتا تو منصور کی طرح انا الحق کہتا پھرتا۔

کہتے ہیں کہ آپ کے صاحبزادہ غلام حسن شاہ صاحب نے جس انگشتِ شہادت سے اس برتن کو صاف کر کے دفن کیا تھا۔ تبرکاً وہ انگلی چاٹ لی۔ صرف اتنا کرنے سے اس طعام کے ذائقہ کا یہ اثر ہوا کہ آپ بیہوش ہو کر ہر طرف دوڑتے پھرتے رہے۔ مدّت کے بعد آپ کی حالت درست ہوئی مگر اس کھانے کا اثر ہمیشہ ان کو محسوس ہوتا رہا۔

اکثر بڑے بڑے اولیا آپ کے معتقد تھے اور آپ سے اجازت لے کر حاضر ہوا کرتے تھے۔ مگر حافظ محمود اور میاں محمد جی صاحب آپ کے خاصان میں سے تھے۔ قیوم عالم اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ اکثر ان ہر سہ اصحاب کا ذکر اپنے مجالسِ خاص میں فرمایا کرتے تھے۔

ذکر حاجی صاحب

ایک دفعہ آپ ڈم شریف میں بعارضہ ضیق النفس بیمار ہو گئے۔ امید حیات منقطع ہو گئی۔ ایک مجذوبہ دربار میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ جب وہ جھاڑو دیتی ہوئی آئی۔ آپ نے فرمایا۔ مائی صاحب دعا کرو۔ میرا خاتمہ بالخیر ہو جاوے۔ مائی ہنس کر بولی۔ بیٹا! اجے تے پڑ دنا اونا ای۔ پتر

باغ لگسی توں باغ دا پھل کھاسیں۔ مرزا صاحب موجود تھے کہنے لگے مائی صاحب یہ پرنانے کا کونسا موقعہ ہے۔ یہ تو ساٹھ سال کے معلوم ہوتے ہیں اور قریب المرگ ہیں۔ مائی کہنے لگی۔ سائیں جیوے باغ لگسی۔ باغ لگسی۔ چنانچہ آپ کا باغ اب تک بفضلہ ہرا بھرا ہے اور لاکھوں اللہ کے بندے اس کے شیریں پھلوں سے سیر ہو رہے ہیں۔ صلبی اولاد بھی آپ کی موجود ہے اور کلانور میں سجادہ نشین صاحب آپ کی اولاد سے ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک آپ کا فیض جاری رہے گا۔ آپ کی شادی کے متعلق ایک اور بھی دلچسپ واقعہ منقول ہے کہ جب آپ مکان شریف تشریف لائے تو آپ کے دولت سرائے کے نچلے محلہ میں ایک لڑکی مسمات حیات بی بی تھی۔ ان کے ہاں نکاح کا پیغام آپ کے لیے بھیجا گیا۔ تو لڑکی کا والد بہت ناراض ہوا اور بڑے غصہ سے اس نے کہا کہ یہ بوڑھا ہی ہمارے واسطے رہ گیا ہے۔ آپ نے سنا تو ہنس کر فرمایا کہ یہ بوڑھا تو کسی نہ کسی جگہ نکاح کر لے گا مگر تمہاری لڑکی کو کوئی بوڑھا بھی نہ ملے گا۔ خدا کی شان وہ لڑکی ساٹھ سال تک زندہ رہی مگر اس کا کہیں نکاح نہ ہو سکا۔

حضرت میر جعفر آپ کے پوتے فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ باغانوالہ میں گیا۔ ایک ضعیف العمر شخص نے اثناء گفتگو میں بیان کیا کہ اس کے والد کہتے تھے کہ باغانوالہ کے باہر ایک مسجد غیر آباد ہے۔ عشاء کے بعد حضرت حاجی صاحب اور مرزا صاحب دونوں اس مسجد میں چلے جاتے تھے۔ میرا گھر اس مسجد کے راستہ میں تھا۔ میں ابھی خورد سال تھا مگر مجھے خیال آتا کہ یہ دونوں شخص اس وقت مسجد میں جا کر کیا کرتے ہیں۔ ایک رات میں پہلے ہی جا کر اس مسجد میں جا چھپا تا کہ دیکھوں کہ یہاں آ کر یہ کیا کرتے ہیں۔ دونوں صاحب اپنے معمول کے مطابق مسجد میں تشریف لائے۔ اور خاموش بیٹھ گئے۔ اس وقت مجھے یہ تو معلوم نہ تھا کہ مراقبہ کیا ہوتا ہے۔ مگر اب سمجھا ہوں کہ دونوں صاحب نصف رات تک مراقبہ کرتے رہے۔ جب رات ڈھل گئی تو دونوں صاحب مسجد سے باہر نکل کر مسجد کے صحن میں کھڑے ہو گئے۔ اس وقت ایک برقعہ پوش تشریف

لائے اور یہ تینوں مسجد میں آ گئے۔ ان کی تشریف آوری سے تمام مسجد روشن ہو گئی۔ مجھے دیکھ کر برقعہ پوش صاحب نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے۔ ہر دو صاحبان نے فرمایا معلوم نہیں کوئی مسافر ہوگا۔ تہجد کے وقت تک وہ تشریف فرما رہے۔ اور مسجد بقعۂ نور بنی رہی۔ تینوں نے مل کر نماز پڑھی اور بیٹھے رہے۔ صبح صادق کے قریب برقعہ پوش باہر تشریف لے گئے۔ یہ دونوں بھی صحن تک اُن کے ساتھ تھے۔ مگر میرے دیکھتے ہی برقعہ پوش غائب ہو گئے۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ برقعہ پوش کون تھے۔

احمد شاہ، امیر شاہ، دو سید مکان شریف کے تھے۔ بڑ کا ایک ٹہنا ٹوٹ گیا۔ آپ نے ایندھن کے لیے منگایا لیکن احمد شاہ اس کو اٹھا کر لے گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ میاں ہم نے اس کو ایندھن کے لیے منگایا تھا۔ احمد شاہ نے غصہ سے کہا میاں بیٹھا رہ۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ میں تو بیٹھا ہی رہوں گا مگر تم اٹھ جاؤ گے۔ چنانچہ احمد شاہ بعارضہ دُنبل بھگندر اور امیر شاہ بعارضہ تپ دق مر گیا۔

امیر زاہد صاحب کے والد میر حمزہ صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد اور بڑے بھائی ایک ہی سال کے اندر فوت ہو گئے اور میں بارہ سال کا رہ گیا۔ میری والدہ مجھے ہمراہ لے کر حضرت حاجی صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ حضرت یہ لڑکا یتیم رہ گیا ہے۔ نہ اس کا کوئی نگران حال ہے اور نہ یہ پڑھتا ہے۔ اور بعارضہ ضعفِ جگر بیمار بھی ہے۔ آپ اس کے لیے دعا فرما دیں۔ آپ نے میری طرف دیکھا اور دعا فرمائی اور فرمایا کہ بی بی اس کو لے جاؤ۔ یہ لڑکا بہت جلد اچھا ہو جائے گا۔ خلقت کو اس سے بہت نفع ہوگا اور اس کی اولاد بھی باعزت اور فارغ البال ہوگی۔ چند دنوں میں آپ کی دعا سے میں تندرست ہو گیا اور خلقت کا رجوع بھی ہو گیا اور فارغ البالی بھی اب تک ہے۔ یہ سب کچھ آپ کی دعا کا نتیجہ ہے۔

شیخ جھنڈے خاں دھرم کوٹی نے جو اکثر آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ ایک

دن عرض کی کہ حضرت مجھے دو تکلیفیں ہیں۔ نہ اولاد ہے نہ رزق۔ یعنی رزق کی بھی تنگی ہے اور اولاد بھی نہیں۔ دعا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ شیخ صاحب اللہ تعالیٰ آپ کو رزق کی بھی فراخی دے گا اور اولاد بھی عطا فرمائے گا کہ دھرم کوٹ تمہاری اولاد سے آباد ہوگا۔

چنانچہ آپ کی دعا سے جھنڈے خاں کو دونوں نعمتیں عطا ہوئیں۔ اب تک آپ کی اولاد سے اکثر اشخاص ممتاز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ دھرم کوٹ میں آپ کی اولاد کثیر اور متمول ہے۔

ایک دفعہ حافظ محمود رحمت اللہ علیہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری ہوئی۔ تو آپ نے عرض کی کہ حضور حسین شاہ کا کیا حال ہے۔ ارشاد فرمایا۔ عزیز بہت اچھا ہے۔ لیکن عشاء کی نماز بسبب سکر کے دیر سے ادا کرتے ہیں۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے نماز عشاء اوّل وقت پڑھنی شروع کی۔ چنانچہ اس دن سے اس خاندان میں نماز عشاء اوّل وقت پڑھی جاتی ہے۔

قبلہ عالم حضرت حافظ حاجی سید جماعت علی شاہ صاحب[1] محدث علی پوری مدظلہ کے والد سید کریم شاہ صاحب جو کہ آپ کے نواسہ بھی تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ابھی خورد سال تھا اور آپ کے ہمراہ سموواں شریف جا رہا ہے۔ جبکہ آپ حاجی محمود علیہ الرحمۃ (جن کا ذکر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت کے وقت آچکا ہے) کی زیارت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ میرے پاؤں میں اس وقت جوتی نہ تھی۔ میرا ننگے پاؤں چلنا آپ پر شاق گزرا۔ فرمایا اگر تم کو جوتی مل جاوے تو پھر چلنے میں تکلیف نہ ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ باباجی اگر جوتی مل جاوے (تے میں چھالاں ماردا جاواں) رات سیالکوٹ کی ایک مسجد میں بسر کی۔ صبح ایک عورت اپنے لڑکے کو لے کر جو بعارضہ خنازیر بیمار تھا آئی اور رو کر عرض کیا کہ حکیموں اور ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر کہہ دیا ہے کہ اب یہ لڑکا قابل علاج نہیں۔ میرا یہ ایک ہی لڑکا ہے جو یتیم رہ گیا ہے۔ ماں تا بری بلا ہے۔ یہ سن کر کہ مسجد میں کوئی

[1] حالات کے لیے دیکھو "سیرت امیر ملت" وغیرہ

درویش آئے ہوئے ہیں ۔ حاضر ہوئی ہوں ۔ اس آخری اُمید کے ساتھ کہ دنیا کے دروازے
مجھ پر بند ہو چکے ہیں ۔ شاید آپ کی دعا سے میرا لڑکا بچ جاوے ۔ آپ نے فرمایا ۔
مائی اگر یہ لڑکا اچھا ہو جاوے تو کیا دو گی ۔ عورت نے عرض کیا کہ یہ نتو گھماؤں اراضی
کا مالک ہے ۔ نصف زمین آپ کی نذر کر دوں گی ۔ آپ نے فرمایا ۔ فقیر کو اس کی کچھ
ضرورت نہیں ہے ۔ اس لڑکے کے لیے ایک جوتا لا دو ۔ عورت نے جوتوں کا ایک
گٹھا پیش کیا ۔ آپ نے مجھے فرمایا کریم شاہ پسند کرے ۔ میں نے ایک جوتا اپنی حسب
پسند لے لیا ۔ آپ نے میرے روبرو اپنی لب مبارک لڑکے کے خنازیر پر لگا دی ۔
میرے دیکھتے دیکھتے لڑکا تندرست ہو گیا ۔ کچھ لب مبارک ایک پیپل کے پتے پر
عورت کو دے دیا کہ پھر لگا دینا ۔

تیسرے دن سم سمو دال تشریف پہنچے ۔ حافظ صاحب بڑی تواضع سے پیش آئے
اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ رکھی ۔ میرے دل میں بچوں کی طرح خیال آیا کہ چند روز
یہاں ٹھہریں گے ۔ عمدہ لذیذ کھانے ضیافت میں ملا کریں گے ۔ لیکن دوسری صبح آپ نے
فرمایا کہ جس مہمان کو زیادہ دن ٹھہرانا منظور ہو ۔ اس کے لیے اس قدر تکلیف نہیں
کیا کرتے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کو زیادہ دن ٹھہرانا منظور نہیں ۔ اس
لیے آپ صبح واپس تشریف لے آئے ۔ واپسی پر سیالکوٹ میں دوسری طرف
(یعنی اس عورت کا محلہ چھوڑ کر) رات بسر فرمائی ۔ راستے میں آپ کو مرض
ضیق النفس کا دورہ ہو گیا ۔ فرمایا ۔ کریم شاہ کسی گھر سے برتن لاؤ ۔ تو تھوڑا سا
پوست بھگو کر استعمال کیا جاوے ۔ میں نے قریب کے گھر سے پوست بھگونے
کے لیے برتن طلب کیا ۔ گھر والی مائی نے جواب دیا ۔ میرے برتن حرام کھانے
کے لیے رہ گئے ہیں ۔ میں نے واپس آکر عورت کا بلفظہ جواب عرض کر دیا ۔ فرمایا
عورت سچ کہتی ہے ۔ جو چیز پلید ہو ۔ اس کو پلید ہی کہتے ہیں ۔ راستہ میں بیماری
کا دورہ زیادہ ہو گیا ۔ فرمایا ۔ کریم شاہ میں پیدل نہیں چل سکتا ۔ اگر تم علی پور جا کر
ڈولی لے آؤ تو علی پور تو پہنچ جاویں ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ یہاں آرام فرما دیں ۔

میں ڈولی لاتا ہوں۔ میں دوسرے دن ڈولی لے کر جا رہا تھا، دیکھا کہ آپ پیدل تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت فقیر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کریم شاہ مجھے آرام ہو گیا تھا۔ اس لیے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کریم شاہ اللہ تعالیٰ تجھے بہت عزت بخشے گا اور تمہاری اولاد کو بھی بہت عروج عطا ہو گا۔ قبلہ حافظ صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ مجھ پر جو خدا تعالےٰ کا اس قدر فضل ہے یہ آپ کی دعا کا ثمرہ ہے۔

ایک دفعہ چوہدری دلدار نے عرض کیا کہ حضور جب میں مر جاؤں تو مجھے اپنے قدموں میں جگہ دینا۔ فرمایا۔ اگر آپ میں نور ایمان ہے تو جہاں کہیے جاؤ گے وہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت نازل ہو گی۔ اور اگر تو نور ایمان سے بہرہ ور نہ ہو گا تو پھر تجھے میرے سینے میں دفن کرنا بھی نفع نہ دے گا۔

آپ کے جد امجد حضرت شاہ محمد صاحب کو طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ دونوں میں ممتاز تھے مگر نسبت نقشبندیہ کا چرچا مکان شریف میں آپ کی ذات سے شروع ہوا۔ درود شریف کے پڑھنے کا معمول بھی آپ کے وقت سے ہوا ہے۔

آپ کی عبادات جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے بایماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نماز عشا کی اول وقت پڑھا کرتے تھے اور اکثر وتر بھی ہمراہ نماز عشاء ادا فرما لیتے۔ تہجد کی بالعموم بارہ رکعتیں پڑھتے۔ کبھی کبھی آٹھ بھی پڑھتے۔ تہجد میں آپ اکثر بعد سورہ فاتحہ سورۃ یٰسین ہر رکعت میں پڑھتے۔ اور فرمایا کرتے کہ سورۃ یٰسین کی قرأت میں نفع عظیم اور بے شمار نتائج پائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی سورۃ سجدہ، سورۃ ملک، سورۃ مزمل، سورۃ واقعہ اور چاروں قل شریف پڑھا کرتے۔

بعد سلام رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاغْفَرْلَہٗ سات بار پڑھتے۔ بعد نماز تہجد کبھی بطریق سنت استراحت فرماتے اور قبل نماز صبح بیدار ہو جاتے اور باجماعت نماز فجر ادا فرماتے۔ بعد نماز فجر حلقہ ذکر ہوتا اور تا بلندی آفتاب مراقبہ میں مشغول د

مستغرق رہتے۔ پھر نماز اشراق ادا فرماتے۔ اور حفظ قرآن میں شاغل ہو جاتے۔

آخر عمر میں آپ نے قرآن شریف حفظ کرنا شروع فرمایا اور پندرہ سپارے حفظ کیئے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ عالم ضعیفی میں حفظ قرآن کا شغل آپ کے واصل باللہ ہونے کی دلیل ہے۔

آپ بہت کم گو تھے، کبھی زیادہ ہنستے نہ تھے۔ صرف متبسم ہو کر بعض دفعہ کلام فرماتے۔ آپ کا قد مبارک لمبا تھا۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ رنگ آپ کا گندمی ذرا ملاحت آمیز تھا ؎ از حسن ملیح خود شورے بجہاں کردی۔ کا مصرع آپ کے لیے موزوں ہے۔

آپ گھر کا کام کاج خود کر لیتے۔ کسی کو تکلیف دینا گوارا نہ فرماتے۔ کسی کام کے کرنے کو عار نہ سمجھتے تھے۔ شہر سے سودا خود لا دیتے

آپ کے ملفوظات

فرمایا کرتے تھے:

(۱) اللہ اللہ کیسا باغ جہاں میں تو نے لگایا ہے۔

(۲) فرماتے۔ دنیا مثل سائے کے ہے۔ اگر انسان اس کے پیچھے دوڑے تو یہ آگے دوڑتی ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر بھاگتے ہیں تو یہ پیچھے دوڑتی ہے۔

(۳) انسان کو واجب ہے کہ اپنے سب کام تقدیر کے حوالے کر دے ؎

کر کاروبار اپنے تقدیر کے حوالے
نزدیک عاقلوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

(۴) عبادت میں ریا نہ کرے۔

(۵) نام خدا بتانے میں کبھی کسی سے دغا فریب نہ کرے۔

(۶) مانگ کر کھائے، ڈھول بجا کر مانگ[1] لے۔ مگر نام خدا تعالیٰ میں فریب نہ کرے۔

(۷) جس کام کی خبر نہ ہو وہ ہرگز نہ کرے۔ ورنہ شرمسار ہونا پڑے گا۔

(۸) وہ انسان کتنا بے نصیب ہے۔ جس کی عاقبت اچھی نہ ہو۔

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ بلا وجہ مانگنا شروع کر دے اور گداگر بن جائے یا ڈھول بجا کر ناجائز کمائی کرے۔ بلکہ یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کے نام اور دین میں فریب نہ کرے۔ ۱۲ (ناشر)

(۹) جب کوئی طالب مولا کسی بزرگ کے پاس آوے۔ تو اس کو پہلے سمجھا دینا چاہیے کہ اللہ کے نام میں بہت مشکلیں پیش آیا کرتی ہیں سمجھ سوچ کر قدم رکھے۔

(۱۰) فرماتے کہ خلقِ خدا جی کر مرتی ہے۔ یعنی لوگ جیتے جی مر جاتے ہیں اور نامراد دنیا سے جاتے ہیں۔

(۱۱) پہلے سنگِ بے نمک لیسیدن یعنی الونی سل چاٹنا ہے۔ بعد میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ نامِ خدا میں کیا مزہ ہے۔

(۱۲) اسراف موجب تنگی ہوتا ہے۔

(۱۳) اپنے حال کا ذکر اپنے پیر کے سوا کسی سے بیان کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔

(۱۴) فرماتے کہ یہ دریا بے کنارہ بلا کشتی بلا ساحل کے ہے۔ بجز عنایت مالکِ حقیقی کی عبور ہونا مشکل ہے۔

(۱۵) دولت مند اور دنیا دار کی محبت زبوں ہے۔ ان سے بہت کم ملنا چاہیئے۔

(۱۶) طالب مولے کا فرض ہے کہ بعد طے کرنے سلوک کے پھر اپنا نکاح کرے۔

(۱۷) جوانی میں انسان جو کام چاہے کر سکتا ہے۔ بڑھاپا انسان کو خود ہی عاجز اور حقیر کر دیتا ہے۔

(۱۸) نماز میں اپنا خیال مالک حقیقی کی طرف لگانا چاہیئے۔ گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ ورنہ خیال کرے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

(۱۹) اکثر آپ امام جعفر صادق کے اقوال نقل فرمایا کرتے۔

(۱) دروغ گو کو مُروّت نہیں ہوتی (۲) حاسد کو راحت نہیں ملتی۔ (۳) بدخلق کو سرداری نہیں ملتی۔

(۲۰) انسان کو چاہیے کہ مقسوم پر راضی رہے ؎

خداوندزاں بندہ خورسند نیست   کہ راضی بہ قسمِ خداوند نیست

(۲۱) فاجر سے صحبت نہ رکھو۔ ورنہ تم پر بھی فجور غالب ہو جاوے گا۔

(۲۲) اپنے معاملات میں ایسے شخص سے مشورہ لو جس کے دل میں خوفِ خدا ہو۔

(۲۳) فرماتے ۔ جو شخص چاہے کہ اس کی عزت بلا ذات و قبیلے کے ہو اور ہیبت بلا حکومت کے ہو گناہ کرنا چھوڑ دے ۔

آپ کا مزار مبارک رتڑ چھتڑ عرف مکان شریف میں مسجد کے مشرقی طرف واقع ہے ۔ چونکہ مسجد اونچی جگہ ہے اور مزار مبارک نشیب میں ہے ۔ اس لیے آپ اس نسبت سے بھورے والے مشہور ہیں ۔

ابتدا میں کچی قبر میں آپ کو دفن کیا گیا اور لحد کے آگے لکڑی کا تختہ دیا گیا ۔ پھر آپ کے عاشق صادق اور خلیفہ حضرت بڈھن شاہ صاحب نے جن کے علیحدہ حالات درج ہیں ، آپ کا مزار پختہ تیار کرایا ۔ حضرت بڈھن شاہ صاحب کا ارادہ مزار مبارک کو بہت بلند کرنے کا تھا ۔ مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا اور موت نے ان کو مہلت نہ دی ۔ بوجہ مزار نشیب میں بصورت بھورہ واقعہ ہونے کے مزار مبارک کے اندر روشنی کم جاتی تھی ۔ اس لیے وہ خستہ ہو گیا اور کلر لگ گیا ۔ فرش بھی خراب ہو گیا ۔ دن بدن حالت خراب ہونے لگی ۔

بالآخر ۱۹۳۸ء میں سجادہ نشین صاحب میر مظہر قیوم صاحب کی تحریک و سعی سے بامداد مقبول احمد شیخ ساکن دھرم کوٹ بگے از اولاد جھنڈے خان جن کے حق میں حضرت نے دعا فرمائی تھی اور فتح اللہ خاں صاحب انجینئر و رئیس لائل پور نے مزار مبارک کی از سر نو مرمت کرائی ۔ اور اب یہ مزار قابل دید ہے ۔ اس بھورے میں اور بھی مزارات واقع ہیں ۔ زائرین کی واقفیت کے لیے ان کی تشریح درج کی جاتی ہے ۔ شمال مغربی کونہ میں ذرا بلند مزار اہلیہ میر لطف اللہ صاحب کا ہے ۔

شمال مشرقی کونہ میں آپ کے پوتے میر مصطفےٰ صاحب کا مزار ہے ۔ اور عین مشرق کی طرف اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ صاحب کی صاحبزادی کا مزار ہے ۔ جنوب مشرقی کونہ میں میر مصطفےٰ صاحب کی صاحبزادی اور جنوب مغربی کونہ میں سید علی مرتضیٰ صاحب کی اہلیہ کا مزار ہے اور اہلیہ سید علی مرتضیٰ صاحب کی ہمشیرہ کا مزار ہے ۔

آپ کی خصوصیات

(۱) آپ کی پیدائش کی خوشخبری قریباً ساڑھے تین سو سال آپ کی پیدائش سے پہلے خود حضور سرورِ کائنات مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان شریف کے مورث اعلیٰ حضرت دانیال نوری۔

(۲) دانہ انگور عطا فرماتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشگوئی فرمائی اس کا ظہور بوجہ اتم دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کے فیض سے جے پور، الور، دہلی، بیکانیر، کابل، بدخشاں اور مدینہ منورہ تک کے لوگ آپ کی شراب معرفت کے متوالے ہو گئے۔

(۳) آپ کو واقعہ میں شمع سے تشبیہ دی گئی تھی۔ جس کی ضوفشانی سے اطراف و اکناف عالم منور ہو گئے۔

(۴) سلسلہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ کے پیشوا خواجہ بزرگ حضرت حاجی احمد صاحب کو حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے آپ کی تکمیل روحانی کے لیے خاص توجہ دلائی۔

(۵) حج اور زیارت روضہ مقدسہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اشارہ طلبی فرما کر بلایا۔

(۶) زہے نصیب اس تیرہ خاک کے، اور اس خطہ کفرستان کے، جہاں حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ نے خود اس مشعلِ نورانی کو بھیجا۔ جس کے انوار انشاء اللہ قیامت تک ضوفشاں رہیں گے۔

(۷) آپ کے دامنِ فیض سے دو بہت بلند اقبال شہنشاہان اقلیم ولایت یعنی اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ صاحب قیوم زمانہ اور حضرت بڈھن شاہ کا نور کی پیدا ہوئے۔ دونو آپ کے خلیفہ ہیں۔

(۸) آپ کو ۴۰ سال کی عمر میں باتباع عطائے نبوت کمال حاصل ہوا۔ مصداق اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔

(۹) آپ کا ۶۳ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ جو آپ کے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تھی۔

(۱۰) آپ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دانہ انگور کا اثر ظاہر ہوا کہ خاندان نقشبندیہ میں کسی کو ایسی بے خودی و مستی نصیب نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ کا تخلص مست تھا۔

(۱۱) آپ کے جانشین قیوم عالم اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ صاحب کی بشارت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی بشارت کے ساتھ دی۔

(۱۲) گو آپ پر عالم مستی رہا۔ مگر آپ کی اولاد صلبی اور روحانی بہت پابند شریعت حقہ رہی۔ خصوصیات اور بھی ہیں مگر دوازدہ اماموں کی تعداد پر ان کو ختم کیا گیا۔

آپ کا سلسلہ طریقت سات واسطوں سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سرہندی سے ملتا ہے۔

(۱) حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمت اللہ علیہ قیوم اول
(۲) حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیوم ثانی
(۳) حضرت خواجہ عبد الاحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۴) حضرت خواجہ محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۵) حضرت خواجہ محمد حنیف صاحب پارسا رحمۃ اللہ علیہ
(۶) حضرت خواجہ شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۷) حضرت خواجہ محمد زمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۸) حضرت خواجہ حاجی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۹) حضرت سید حاجی شاہ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نوٹ
ان حضرات کے حالات چونکہ عام کتابوں میں ملتے ہیں اور یہاں صرف حالات مکان شریف کا لکھنا مقصود ہے اس لیے انہیں یہاں نہیں لکھا گیا ہے۔

اور دونوں خلفائے اعظم جن کا ذکر اوپر آچکا ہے کے علاوہ پیر بخش نگہڑا دھرم کوٹ۔ محمد شاہ صاحب مکان شریف۔ سید صدر الدین صاحب اور رحمت علی شاہ و میاں شادے شاہ صاحب ساکن مکان شریف بھی داخل سلسلہ تھے۔

گو آپ نے اپنی زندگی میں بہت کم اشخاص کو داخل سلسلہ فرمایا اور سپاہیانہ لباس میں اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار مبارک سے لوگ بہت فیض یاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ میاں بشیر محمد صاحب

شرقپوری فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سب سے زیادہ فیض آپ سے ملا ہے۔

"خزینۂ معرفت" میں حکیم احمد علی صاحب قصوری نے اپنا واقعہ مفصل بیان کیا ہے کہ میاں صاحب ممدوح شرقپوری نے مجھے مکان شریف بلوا کر نماز ظہر کے بعد جبکہ بھورہ شریف میں اور کوئی نہ تھا۔ دروازہ بند کر کے آپ کے مرقد مبارک کے غلاف کا کنارہ تھام کر توجہ فرمائی اور فرمایا یا حضرت اس کو میں آپ کے سپرد کرتا ہوں اور زور سے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا۔ میں بے ہوش ہو گیا اور حالت بیہوشی میں جو کیفیت مجھ پر وارد ہوئی وہ زبان و قلم کی طاقت بیان سے باہر ہے۔

نماز شام کے وقت مجھے ہوشیار کیا گیا۔ لیکن میں جب تک مکان شریف میں رہا۔ مجھ پر وہی کیفیت رہی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور لوگوں کی باتیں میں سمجھ نہ سکتا تھا۔

قیوم العالم پیر امام علی شاہ صاحبؒ اور حضرت سید صادق علی شاہ صاحبؒ آپ سے ہر امر میں دریافت فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ قیوم العالم حضرت امام علی شاہ صاحبؒ اپنے صاحبزادہ سید صادق علی شاہ صاحبؒ پر کچھ ناراض تھے۔ قیوم العالم کے حضور میں عرض کرنے کی جرأت کسی کو نہ ہو سکتی تھی۔ چند خلفاء کو درویشوں کے ذریعہ صاحبزادہ صاحب نے عرض کرایا۔ مگر آپ کی ناراضگی رفع نہ ہوئی۔ چونکہ صاحبزادہ صاحب اس معاملہ میں بے قصور تھے۔ اس لیے حضرت حاجی صاحبؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت اگر کسی شخص کا باپ اپنے لڑکے پر ناخوش ہو تو دین دنیا میں اس کا ٹھکانا نہیں رہتا اور قیوم العالم میرے باپ بھی ہیں اور مرشد بھی اور قیوم زمانہ بھی۔ ان کی ناراضگی کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اور آپ کو علم ہے کہ میں محض بے قصور ہوں۔ گرمیوں کے دن اور دوپہر کا وقت تھا کہ قیوم العالم تن تنہا حضرت حاجی صاحبؒ کے مزار پر پہنچے اور تھوڑی دیر بعد باہر نکل کر صاحبزادہ صاحب کو بلوا کر فرمایا کہ تم نے حاجی صاحب سے کیا عرض کیا ہے۔

صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا کہ اگر جناب کو یہ علم ہے کہ میں نے وہاں عرض کیا ہے تو جو کچھ عرض کیا ہے وہ بھی معلوم ہوگا۔

فرمایا۔ تم بڑی درگاہ میں پہنچے ہو۔ اس لیے ہم نے معاف کیا۔

میں نے صرف دو واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ سینکڑوں واقعات آپ کے مزار مبارک سے فیض یاب ہونے کے ہیں۔ اکثر بندگان خدا عرض کرکے جواب سنتے ہیں۔ یہ فیض انشاء اللہ العزیز قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ کی تحریر کا نمونہ تبرکاً شامل ہے۔

ذکر مطلع شموس ولایت، مصدر فیوض عنایت، طیار افلاک، سیاح صحرائے کمال، مرجع طلاب حق، مشاہد انوار مطلق، اویس ثانی، حضرت دوام حضوری

حضرت بڈھن شاہ صاحب کلانوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ موضع جمیاری میں جہاں حضرت شاہ رشید صاحب کا مزار ہے بزمانہ حکومت مہاراجہ رنجیت سنگھ پیدا ہوئے۔ آپ خاندان سادات حسینی ترمذی سے ہیں۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ فرمایا کرتے۔ میری پیدائش کے وقت دائی کسی اوزار کی تلاش کر رہی تھی اور وہ چکی کے نیچے تھا۔ میں تبلانا چاہتا تھا مگر عمداً خاموش رہا۔ سادات جمیاری سب کے سب شیعہ ہیں۔ آپ خورد سال تھے کہ آپ کے والد کا ٹخنہ اتر گیا۔ اور اُن کو سخت تکلیف تھی۔ آپ نے فرمایا۔ امیر معاویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ان کا نام آپ نے بے ادبی سے لیا ہے۔ اس لیئے تکلیف ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنا لب مبارک لگا دیا۔ اور شفا ہو گئی۔ آپ کی والدہ بہت بزرگ تھیں۔ آپ بھی اُن کا بے حد ادب کرتے تھے۔

والدہ ضعیف ہوئیں تو آپ رات بھر نالہ کرن پر مصروف عبادت رہتے۔ صبح حاضر ہو کر والدہ کی جوتیاں اپنی ریش مبارک سے صاف فرما کر ان کے آگے رکھتے اور مصلّے پر بٹھا کر پھر باہر تشریف لے جاتے۔

والدہ صاحبہ منع فرماتیں۔ جوتیاں چھپا رکھتیں۔ مگر آپ تلاش فرما کر اسی طرح ریش مبارک سے صاف کر کے پیش کرتے۔ تادم زیست آپ کا یہی معمول رہا۔ بچپن میں بھی آپ کبھی لڑکوں سے نہ کھیلتے تھے۔ ابتدا ہی میں آپ کی طبیعت میں درویشوں کی محبت کا اشتیاق تھا۔ آپ کی طبیعت ریاضت اور عبادت کی طرف مائل تھی۔ ہوش سنبھالا تو صحبت فقرا و صلحا میں رہنا شروع کیا اور اپنا اکثر وقت عبادت

الٰہی میں گزارتے۔ آپ کے ملنے والے آپ کو بالعموم مسجد میں پاتے۔

بیعت اور مکان شریف سے تعلق

ایک رات آپ موضع چمیاری کی مسجد میں بعد فراغت نماز عشا تشریف فرما تھے۔ تذکرہ صوفیائے متقدمین شروع ہو گیا۔ حاضرین نے بالاتفاق بزرگان سلف کی تعریف فرمائی۔ بخصوصاً حضرت حسنؒ رسول نما کے کمال کا تذکرہ ہوتا رہا۔

حاضرین میں حکیم نتھوجی (جو حضرت حاجی شاہ حسین صاحب "بھورے والے" کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے تھے موجود تھے۔ محبت شیخ سے جوش میں آکر فرمانے لگے کہ کمالات سلف کب تک بیان کرتے رہو گے ذرا بزرگان وقت کے حالات بھی سنو اور یہ شعر پڑھا ؎

تو تا کے گور مرداں را پرستی | بگرد در کار مرداں گر درستی

اور اس تقریب سے حضرت حاجی صاحب کا ذکر شروع کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہاں سے قریب دریائے راوی کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں زیر چھتر (مکان شریف) ہے۔ وہاں ایک بزرگ صاحب کمال خاندان نقشبندیہ مجددیہ سے ہیں۔ جن کی ایک نظر کیمیا اثر طالبانِ خدا کو مسِ خام سے کندن بنا دیتی ہے۔ ان کے ادنےٰ مرید جس وقت چاہیں حضرت سرور کائنات علیہ افضل التحیات کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہو ہو جاتے ہیں۔ غرض آپ کے حالات سن کر سامعین پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ خود حکیم صاحب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

اُدھر حضرت بڈھن شاہ صاحب "ہر چہ از دل خیزد بہ دل ریزد" کی تاثیر سے بے خود ہو رہے تھے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد | بسا کیں دولت از گفتار خیزد
در آید جلوۂ حسن از درِ گوش | زجاں آرام بُربایدُ زدل ہوش

فرمایا۔ حکیم صاحب تم نے ان کی زیارت کی ہے یا صرف شنید ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ میں آج وہیں سے آرہا ہوں۔ کیا کہوں وہ ایک دریائے رحمت جوش زن ہے۔

جو اثر میں نے ان کی صحبت میں دیکھا ہے۔ وہ عمر بھر کہیں نہیں دیکھا۔ اور جو کچھ ان سے سنا وہ کہیں نہیں سنا۔

آپ سن کر بے تاب ہو گئے اور ساری رات اضطراب و حیرانی میں گزری ذرا آنکھ لگی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب مسجد میں تشریف فرما ہیں اور تلاوتِ قرآن شریف فرما رہے ہیں۔ اور میں دست بستہ اُن کے سامنے کھڑا ہوں۔ اور عرض کر رہا ہوں کہ مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ آپ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا۔ بڈھن شاہ گھبراؤ نہیں۔ ہم نے تمہیں قبول کیا۔ میں یہ سن کر بے ہوش ہو گیا اور میری چیخیں نکل گئیں۔ میرے پاس کے سونے والے گھبرا کر اٹھے اور مجھے بیدار کیا اور پوچھا کیا ہوا۔ میں نے ٹال دیا اور کہا کہ کہیں میرا ہاتھ سینے پر آ گیا ہوگا۔

صبح اٹھا تو سخت بے قرار تھا۔ تمام دن حالتِ اضطراب میں دعائیں مانگتا رہا۔ دوسری رات پھر مجھے زیارت ہوئی اور میرے اصرار پر فرمایا کہ تم چلے آؤ۔ فقیر تمہارے ایمان کا محافظ ہے۔ بیدار ہوا تو طبیعت سخت بے چین تھی۔ اسی وقت چل پڑا۔ مکان شریف پہنچا تو آپ کو مسجد میں جیسا کہ خواب میں دیکھ چکا تھا پایا۔ دیکھتے ہی دل بے قابو ہو گیا۔ بیعت کے لیے عرض کیا تو فرمایا پہلے استخارہ کرو۔ میں نے عرض کیا۔ "در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست۔" جو کچھ حضور نے خواب میں فرما دیا وہی کافی ہے۔ اگلی رات جمعرات کی تھی۔ آپ نے داخل سلسلہ فرمایا۔ داخل ہوتے وقت جو کچھ میں نے دیکھا اور جو کیفیت مجھ پر گزری وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ گویا اس طبیبِ روحانی نے خضرِ راہ ہو کر اور آبِ حیات پلا کر حیاتِ جاودانی بخشی یکبارگی جذبہ قوی کا نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ سوزشِ محبت کی حرارت و طپش سے میں بے ہوش ہو گیا۔

چند روز قیام کے بعد حسب الارشاد چھپاری واپس آیا۔ مگر اب وہاں دل نہ لگتا تھا۔ پھر حاضر ہوا۔ حالاتِ بیعت خود آپ نے حکیم احمد علی صاحب مؤلف "آیات ...ے جب وہ کلانور میں آپ کے پاس حاضر ہوئے بیان فرمائے۔

آپ کے آباد اجداد چمیاری کے رہنے والے تھے۔ مگر آپ کے والد نے کچھ عرصہ بٹالہ شریف میں قیام فرمایا۔ اتفاقاً آپ کلانور گئے۔ نالہ کرن (سکی) کے کنارے پر بیٹھ کر آپ کی طبیعت بہت خوش ہوئی۔ آپ وہیں رہنے لگے اور کنارہ کرن پر جو پزاوہ ہے۔ اس پر آپ اکثر مراقبہ فرمایا کرتے۔ یہ جگہ جہاں اب مکان ہیں۔ سب غیر آباد تھی۔ جہاں اب بوہڑ کا درخت ہے۔ وہاں آپ مراقب ہُوا کرتے۔ شیخ مراد علی و رحمت علی نے جن کی ملکیت میں یہ جگہ تھی آپ کو دے دی۔ پھر آپ کے والد اور تمام گھر کے آدمی کلانور آکر رہنے لگے۔

آپ کا معمول تھا کہ آٹھویں دن آپ مکان شریف حاضر ہوتے اور جب آپ کی نظر اپنے شیخ پر پڑتی تو آپ بے ہوش ہوکر زمین پر لوٹتے اور باوجودیکہ سیر مرادی پر فائز تھے۔ پھر بھی آپ ریاضات شاقہ اور مجاہدات فوق الطاقیہ میں مصروف رہتے۔

اور جو کچھ نقد و جنس آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ اس کو سر پر اٹھا کر کلانور سے مکان شریف حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پہنچاتے۔ اور اس طرح آپ اعلیٰ حضرت کی نظر عنایت اور دعا و برکات سے فیض یاب ہوتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آموں کے موسم میں آپ آم لے کر خود حاضر ہوئے۔ گرمی اور بوجھ کی وجہ سے آپ کا تمام بدن پسینہ میں شرابور ہو رہا تھا۔ مائی صاحبہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اعلیٰ حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے بیے بڈھن شاہ ہی بیگاری رہ گیا ہے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا بڈھن شاہ کے بیگاری راجہ اور امراء ہوں گے۔

ایک دفعہ موسم سرما میں آپ پیادہ پا برہنہ اعلیٰ حضرت کے گھوڑے کے آگے چلے جا رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے دیکھ کر فرمایا۔ بڈھن شاہ تمہارے پاؤں کو سردی لگتی ہو گی۔ عرض کیا کہ حضور کی نظر عنایت ہو تو سردی کیوں لگے۔ فرمایا اگر خدا نے چاہا تو تیرے آگے صدہا مخلوق خدا دوڑے گی۔ تیری خاک پا کو لوگ اکسیر سمجھ کر آنکھوں کا سرمہ بنا دیں گے۔ پھر فرمایا تیرے دروازہ پر امراء و سلاطین پا برہنہ

آویں گے اور تیرا لنگر مشہور جہاں ہوگا۔

ایک دفعہ آپ کا پاجامہ پھٹا ہُوا سن کر مائی صاحبہ نے کہا کہ بدّھن شاہ کا پاجامہ پھٹ گیا ہے۔ فرمایا۔ پاجامہ کا کیا ذکر ان کے تو فقیر بھی امیر ہوں گے۔

ایک دفعہ آپ ایسے خاص وقت میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پہنچے اور اعلیٰ حضرت نے ایسی توجہ فرمائی جو ان کے لیے کافی تھی۔ عین حالت توجہ میں آپ نے فرمایا "کہ من دل ترا مفتی گردانیدہ ام۔" (یعنی ہر چہ بر نفس تو برد حق تعالیٰ ہماں کند) ترجمہ۔ میں نے ترے دل کو فتوے دینے والا بنا دیا ہے جس طرح تمہارا خیال ہوگا۔ خدا تعالےٰ اُسی طرح کر دے گا۔" چنانچہ آپ کی ساری زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ جو کچھ خیال آپ کے دل میں آیا وہی ظہور پذیر ہُوا۔

اعلیٰ حضرت نے ایک دفعہ آپ کو فرمایا کہ خدا تعالےٰ ترے دونوں ہاتھ کھول دے۔ آپ فرماتے ہیں آپ سے بوجہ ہیبت و خوف کے دریافت نہ کر سکا۔ آخر مرزا سہمگین بیگ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دونو ہاتھ کھُلنے سے مراد دین و دنیا کی کشائش اور ترقی ہے۔

چونکہ آپ سرمست بادۂ الست تھے۔ اس لیے آپ زیادہ تر حالت استغراق میں رہتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مہمان کو مسجد میں بٹھا کر میاں بسا کے گھر جو ان کے مخلصوں میں سے تھا۔ کھانا تیار کرنے کا حکم دے کر خود ایک جگہ اپنے وظیفہ میں مشغول ہو گئے۔ وہاں ان پر ایسی حالت استغراق طاری ہوئی کہ دوسرے دن دوپہر کو وہی دن تصوّر کر کے کھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ بہت انتظار کے بعد مہمان کل کھانا کھا کر چلا گیا۔

حالت استغراق کی ایسی بہت سی حکایتیں زبان زد عوام ہیں۔

اسی طرح ایک صبح مرزا جمیل بیگ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آٹھ پہر وہیں بے ہوش پڑے رہے۔ درویشوں کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ ابھی صبح جمیل بیگ کی قبر پر گیا تھا۔ آٹھ پہر ہو گئے ہوں گے۔

اسی طرح سجادہ نشین صاحب کلانور فرماتے تھے کہ پنڈ دادن خان ... آپ مراقب ہوئے تو سات شبانہ روز وہیں بے ہوش رہے۔ ایک عورت نے دعوت کے لیے عرض کیا ہوا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کو سات دن گزر چکے ہیں۔
اگرچہ آپ کو علوم ظاہری اور کتب تصوف پر بظاہر زیادہ عبور نہ تھا۔ مگر کلام کرتے وقت وہ باریک نکات بیان فرماتے اور سامعین کے دل نشیں کرا دیتے کہ تعجب ہوتا۔ ایک دفعہ دونوں بادشاہ (حضرت کلانوری اور قیوم عالم اعلیٰ حضرت پیر امام علی شاہ) ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور حاضرین اس قران السعدین سے فیض یاب ہو رہے تھے کہ حضرت کلانوری نے طریقت و حقیقت کے متعلق وہ اسرار بیان فرمائے کہ ہر ایک اس کو سمجھ نہ سکا تھا۔ قیوم عالم نے مولانا احمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو کچھ آپ نے بیان فرمایا ہے۔ اس کو سمجھے ہو۔ میں نے عرض کیا باوجود علمی ملکہ و مہارت کے ان غوامض کو پورے طور پر نہیں سمجھ سکا۔ بلکہ بڑے تفکر اور تامل کے بعد کچھ سمجھ آتا تھا۔ قیوم عالم نے یہ رباعی پڑھی ؎

ارباب فنا زندہ بجان دگرند | بیروں ز دو کون و ز جہانِ دگرند
کس پے نبرد بحال ایشان نبرد | ایں طائفہ گویا بزبانِ دگرند

جو شخص آپ کو دیکھ لیتا وہ یقین کر لیتا کہ یہ مرد خدا ہے۔ ان کے چہرے سے نور برستا تھا اور فقرا اور امرا میں سے جو آپ کو دیکھ لیتا آپ کی تعظیم و تکریم کرنے کے لیے بے اختیار ہو جاتا۔ آپ ایسا کامل تصرف رکھتے تھے کہ دیکھنے والوں کے دلوں کو جذبات اور محبت الٰہی سے سرشار کر دیتے تھے۔

باوجودیکہ اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد آپ قیوم عالم کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے اور ارادت مندوں کی طرح ان سے ملتے تھے۔ مگر پھر بھی قیوم عالم بدیں خیال کہ حضرت کلانوری نے اعلیٰ حضرت کے خوش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور آپ اعلیٰ حضرت کے منظور نظر تھے۔ جب آپ کو حضرت کلانوری کے مکان شریف تشریف لانے کا علم ہوتا تو آپ مکان شریف سے ایک میل

تک ان کے استقبال کے لیے جاتے۔ جب دونوں بادشاہ اکٹھے ہوتے تو خلقت کا
ان کے گرد ہجوم ہو جاتا اور ان کی محبت کا نور زمین سے آسمان تک پہنچ جاتا۔
اور حاضرین پر عجیب تاثیر ہوتی۔ اکثر گمراہ راہِ راست پر آجاتے اور اس قدر
فیض یاب ہوتے کہ راسخین پر فخر کرنے لگتے ؎

آسماں سجدہ کند پیش زمینے کہ برد
یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشیند

جب آپ مکان تشریف لاتے تو موضع کھٹیھٹہ کے پہنچ کر پینس
سے اتر جاتے۔ وہیں قیوم عالم استقبال کے لیے پہنچ جاتے۔ جہاں یہ دونو دریائے
وحدت یکجا ہوتے۔ اس مجمع البحرین میں یا تو باغ لگ جاتا۔ یا عمارت بن جاتی۔
چنانچہ اس جگہ اب دو گاؤں آباد ہیں۔ پہلے کلر تھا۔ بوجہ اثر دریا یہاں آبادی ہو
گئی ہے۔ چونکہ ولولہ عشق و محبت الٰہی میں فانی ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کی
صحبت کی تاثیر سے اُمراء اور عقلمند لوگ ارادت کے ساتھ نہایت عجز و انکسار
سے پابوس ہوتے اور ہدیے اور تحفے پیش کرتے۔ سواری کے لیے پالکیاں۔ گھوڑے
اور ہاتھی پیش کیے جاتے۔ مگر کبھی اس طرف متوجہ نہ ہوتے۔ سب خلقت کی طرف
سے منہ پھیر کر خالق کی طرف متوجہ رہتے۔ اگر کچھ قبول فرماتے تو خفیہ طور پر حاجت مندوں
کو دے دیتے۔ یا مہمان نوازی میں صرف کر دیتے۔

کبھی کبھی بہت ہی منت سماجت سے حضرت قیوم عالم و صاحبزادہ صاحب
(پیر صادق علی شاہ صاحب) کو کلانور لے جاتے اور عرصہ تک پر تکلف دعوتوں
سے مہمان نوازی کرتے اور چالیس چالیس یوم تک وہاں رکھتے اور رخصت کے وقت
نہایت عمدہ قیمتی پارچات۔ اور روپوں کی دو دو طشت پُر کر کے جدا جدا حضرت
قیوم عالم اور صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں پیش کرتے۔ اور کلانور سے دو میل
تک رخصت کرنے آتے اور بچشمِ گریاں اپنی تقصیرِ خدمت کی عذر خواہی کرتے
اور معافی مانگتے اور جب تک دونوں صاحب نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتے۔
دست بستہ وہیں کھڑے رہتے اور پھر پچھلے پاؤں واپس آتے۔ اس طرف پشت

پشت نہ کرتے۔ آپ اس قدر ادب کرتے کہ کوئی نہ کر سکتا تھا۔ جس قدر ادب آپ مکان شریف کا کرتے وہ کہیں دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔

بول و براز تو کجا تمام عمر آپ نے مکان شریف کی حدود میں نہ تھوکا نہ ناک صاف کیا۔ نہ کبھی بے وضو وہاں بیٹھے۔ کلانور جاتے وقت آپ مکان شریف کی طرف کبھی پشت نہ کرتے۔ پیدل واپس جاتے تو پچھلے پاؤں جاتے اور پھر پالکی میں جانے لگتے تو بھی مکان شریف کی طرف منہ کر کے پالکی میں بیٹھتے۔ وضو تازہ کرنے کی ضرورت ہوتی تو مکان شریف کی حدود سے فوراً باہر جاتے اور وضو تازہ فرما کر مکان شریف کی سرزمین میں قدم رکھتے۔ فرمایا کرتے کہ مکان شریف کا راستہ پاؤں سے طے نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ (از سر قدم باید ساخت) سر سے طے کرنا چاہئیے

عاشقے کو ز سر قدم نکند   راہ معشوق را قدم نہ زند

مولوی احمد علی صاحب "آیات القیومیہ" میں ایک ایسا واقعہ لکھتے ہیں کہ آپ ایک دن وضو تازہ کرنے کے لیے (موضع ڈھولہ گولہ میں) مکان شریف کی حد سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ میں پانی لے کر آپ کے پیچھے پیچھے گیا۔ میں پانی لے کر کھڑا رہا۔ مگر آپ نے دوسرے پانی سے طہارت اور وضو فرمایا۔ میں اسی تشویش میں تھا کہ آپ نے بعد اختتام وضو پانی کا کوزہ میرے ہاتھ سے لے کر پوری تعظیم کے ساتھ کچھ پیا اور کچھ ہاتھ میں لے کر اپنے سر آنکھوں اور چہرے اور سینے پر ملا اور فرمایا کہ یہ پانی آب زمزم کی طرح متبرک ہے۔ میں نے کبھی اس سے طہارت نہیں کی۔

ہر سال دو دفعہ اپنے پیر کے صاحبزادہ فریدالدین صاحب کو کلانور میں لے جاتے۔ ایک مہینہ سے کم ضیافت نہ ہوتی تھی۔ انواع و اقسام کے کھانے تیار ہوتے۔ میوہ جات منگائے جاتے۔ مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جاتا۔ رخصت کے وقت دو طشت روپوں سے پُر کر کے نذر گزارتے۔ خدمت گاروں تک کے کپڑے دیتے اور ہاتھ باندھ کر عرض کرتے کہ

جو کچھ میرے پاس ہے سب دِتّا تیرا　　　دِتے وچوں دیونا کی جاندا میرا

صاحبزادہ کے لیے کلانور سے راج مزدور اور سامان بھیج کر پختہ حویلی تیار کرائی جو آج تک موجود ہے۔ تمام سال کا خرچ کلانور سے بھیجا جاتا۔ درویشوں کے لیے پارچات ارسال کیے جاتے۔

ایک دفعہ صاحبزادہ فریدالدین صاحب کے کان میں درد ہوا۔ کسی نے آپ سے ذکر کیا اور کہا کہ اگر روغن بادام کان میں ڈالا جاوے تو آرام ہو جاوے۔ آپ ایک کُپی بادام روغن کی لے کر خود حاضر ہوئے۔ صاحبزادہ نے کہا کہ اس قدر تکلیف کیوں فرمائی ہے چند قطرے کافی تھے۔ ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ آپ کے باپ کی جوتیوں کی طفیل ہے۔

صاحبزدہ صاحب کو زراعت کا شوق تھا۔ آپ نے ان کے لیے ایک بیل پرورش کیا۔ جب بیل قابل زراعت ہو گیا تو عرض کر بھیجا کہ اپنا بیل منگالیا جاوے۔

صاحبزادہ صاحب نے رُلدو چوہڑہ کو بیل لانے کے لیے بھیجا۔ جب آپ کو رُلدو کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ ننگے پاؤں استقبال کے لیے باہر دوڑے اور فرمایا (دھن میرے بھاگ میرے پیر دا آدمی آیا) "زہے نصیب کہ میرے پیر کا آدمی میری طرف آیا۔" آپ نے خود چارپائی بچھائی اور فرمایا۔ بابا رُلدو بیٹھ جا۔ درویش خدمت کے لیے آگے بڑھے تو فرمایا (بھئی! یہ میرے پیر دا نوکر تے ہیں ایہدا نوکر) آپ نے خود رُلدو کے ہاتھ دھلائے اور کھانا لاکر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اور خود پنکھا کرنا شروع کیا۔

دوسری صبح کو بیل کو سنوار کر ایک من آرد گندم بتیس ۳۲ سیر گھی اور شکر ہمراہ کر کے بیل کا رسہ خود پکڑ کر نالہ کرن تک پیادہ رُلدو کو رخصت کرنے آئے۔

ایک دفعہ صاحبزادہ صاحب نے گھر کا زیور جو آپ نے بھجوایا ہوا تھا اُجلا کرنے کے لیے کلانور بھیج دیا۔ آپ نے محمد بخش سنار کو بلوایا اور زیور کا ڈبہ اُس کے حوالے کر کے فرمایا کہ کھول کر دیکھ لے۔ خود اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال لیا۔

محمد بخش نے کہا کہ آپ کیوں نہیں دیکھتے۔ فرمایا کہ یہ ہماری ماں کا زیور ہے۔ وہ لڑکا نالائق ہوتا ہے جو ماں کا زیور دیکھے۔ محمد بخش نے عرض کیا کہ پھر ہمارا کیا حال۔ فرمایا۔ تمہارا کام ہے۔

ایک دفعہ قیوم عالم کو ضیافت کے لیے کلانور بلوایا۔ اتفاقاً ان کے ہمراہ ایک کتا بھی چلا گیا۔ جب کھانا کھانے لگے تو کتا بھی اس مجلس میں پھرتا تھا۔ ایک درویش نے اس کو دھتکارا۔ جب کتے کی آواز آپ نے سنی تو آپ خود وہاں فوراً پہنچے اور ناراض ہو کر درویش سے کہا۔ کہ تمہارا ایمان سلب ہو گیا۔ توبہ کرو۔ تمہیں خبر نہیں کہ یہ کتا مکان شریف کا ہے۔ اسی وقت کتے کے آگے پلاؤ کی رکابی منگا کر رکھی۔ اور فرماتے کہ یہ کتا مجھ سے اچھا ہے جو ہر روز میرے پیر کی زیارت کرتا ہے۔

آپ ہر روز صبح بعد نماز فجر بڑ دالے پر چڑھ کر مکان شریف کی طرف منہ کر لیتے۔ اور وہاں سے چونکہ مکان شریف کے درختان پیپل نظر آتے تھے۔ آپ پہلے ان درختوں کی زیارت کرتے پھر اور کام کرتے۔

ایک دفعہ صاحبزادہ صادق علی شاہ صاحب کو تین ماہ کے لیے بطور مہمان بلایا گیا۔ قیوم عالم نے اس خیال سے کہ صاحبزادہ سے آپ کی کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔ تھوڑے دنوں بعد ایک آدمی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ "مکان شریف" واپس آجاویں۔ لیکن یہ طلبی میری طرف سے نہ ہو۔ صاحبزادہ موقع کی تلاش میں رہے۔

حضرت نے ایک کھیت میں پونڈا لگا رکھا تھا اور کچھ حصہ میں مولیاں تیار تھیں۔ دونوں اجناس کا موسم تھا۔ لیکن آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ نہ کوئی گنا وہاں سے لیوے نہ مولی۔ صاحبزادہ صاحب نے دونوں چیزیں کھیت سے لیں اور حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھ سے نافرمانی ہو گئی ہے۔ آپ نے جن اشیاء سے منع فرما رکھا تھا۔ وہ دونوں میں نے استعمال کر لی ہیں لہٰذا اب مجھے واپسی کی اجازت

دی جاوے۔ فرمایا۔ دونوں چیزیں صرف تمہاری خاطر تھیں۔ اس لیے دوسروں کو منع کیا گیا تھا۔

پھر صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا کہ مائی صاحبہ کا پیغام آیا ہے وہ یاد فرماتی ہیں۔ اجازت دے کر فرمایا کہ مائی صاحبہ کو ناراض نہیں کیا جاسکتا۔ نذرانہ اور تحائف دے کر آپ کے پیچھے مودب چلتے اور نہایت ادب سے رخصت کر کے آئے۔

مولوی علی محمد صاحب منشی مراد علی صاحب کی مسجد میں نماز پڑھانے لگے۔ تکبیر ادا ہونے والی تھی کہ شاہ صاحبؒ نے بلا بھیجا۔ مولوی صاحب اسی وقت چلے گئے۔ مرزا نیاز بیگ کے خاندان کے ایک شخص مرزا آدینہ بیگ جو دہلی سے تازہ فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے، کو خیال آیا کہ کیا حضرت کا حکم خدا کے حکم سے زیادہ تھا۔ کہ آپ نے نماز سے بھی فراغت حاصل نہ کی۔ نماز پڑھ کر چلے جاتے۔ بعد نماز مرزا آدینہ بیگ حضرت کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دیکھتے ہی مرزا صاحب کو فرمایا کہ صبح مکان شریف چلے جاؤ۔ جب مرزا صاحب مکان شریف پہنچے تو قیوم عالم کے دربار میں ذکر پیری مریدی کا ہو رہا تھا۔ فرمایا۔ مولوی صاحب آگئے ہیں۔ ان سے مسئلہ دریافت کرو۔ کہ اگر حکم خدا (نماز) قضا ہو جاوے تو کیا کیا جاوے۔ مرزا صاحب نے عرض کیا کہ قضا پڑھی جاوے۔ پھر فرمایا کہ اگر پیر کا حکم قضا ہو جاوے۔ مرزا صاحب نے عرض کیا کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس طرح مرزا صاحب کی زبانی تصدیق کرا کے اُن کا شبہ رفع کرایا گیا۔ مرزا صاحب حیران تھے کہ ان دونوں صاحبوں میں عجیب راز ہے۔

ایک دفعہ آپ ریاست جموں کے پہاڑی علاقہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے راجپوت لڑکیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ آپ کو معلوم ہوا تو اُن کو بلوا کر توبہ کرائی۔ فرمایا کہ تم کوئی ضامن دو کہ پھر لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ضامن کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کنواں ضامن

ہے۔ چنانچہ وہ کنوآں ان لوگوں کی عہد شکنی کی وجہ سے خشک ہو گیا۔

مرزا قادیان کے متعلق آپ کی پیشنگوئی

ایک دفعہ آپ قادیان تشریف لے گئے۔ جہاں اب مرزا صاحب کے مکانات ہیں۔ یہ جگہ اس وقت سفید تھی۔ آپ وہاں خیمہ زن ہوئے۔

ہمیشہ سے درود خضری آپ کا معمول تھا مگر وہاں آپ نے فرمایا کہ درود شریف خضری کی بجائے آج صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّم پڑھو۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس جگہ سے شیطان کا سینگ (شارخ شیطان پیدا ہو گا۔ اس کی بدبو آ رہی ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کے چالیس سال بعد مرزا قادیانی کا ظہور ہُوا۔

ایک دفعہ قادیان کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وظیفہ کے لیے التجا کی۔ فرمایا تم لاحول پڑھا کرو۔ عرض کرنے پر ارشاد فرمایا کہ قادیان سے شیطان کا ایک سینگ ظاہر ہونے والا ہے۔

ایک کامل کی اس قدر عرصہ پہلے پیشینگوئی اہلِ بصیرت کے لیے ابطال مرزا کے لیے کافی ہے۔

ہیرانند ساکن موہلووال آپ کا معتقد تھا اور چنے وغیرہ کی چھابڑی لگایا کرتا تھا۔ آپ ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے۔ ہیرانند کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا۔ تو اس نے خالی ہاتھ جانا مناسب نہ سمجھا، اپنی ایک گڑوی (برتن) فروخت کر کے ایک نانک شاہی روپیہ مہیا کیا۔ اور حاضر ہو کر نذر گزارا۔ آپ کو روپیہ کے حاصل کرنے کا واقعہ معلوم ہوا تو وہ روپیہ آپ نے کنوئیں میں پھینک دیا اور فرمایا کہ اس دشمن نے دوست کو تکلیف دی اور اتنی دیر تک جدا رکھا۔

آپ کو ہیرا نند کے حال پر رحم آیا۔ فرمایا، کیا کام کرتے ہو۔ ہیرا نند نے ہاتھ جوڑ کر ادب سے عرض کیا کہ دو پیسے کے چنے بیچا کرتا ہوں۔ فرمایا۔ ہیرا نند تحصیلدار کھڑا ہے اور حکم دیا کہ اب یہ کام چھوڑ دو اور جواہرات کا کام کیا کرو۔

ادھر ہیرا نند آپ سے رخصت ہو کر بازار میں جا رہا تھا۔ ادھر مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے ملازم کسی جواہرات کے دلال کی تلاش میں جا رہے تھے کیونکہ پہلے دلالوں کی خیانت کا مہاراج کو علم ہو گیا تھا۔ ملازموں کے دریافت کرنے پر ہیرا نند نے جس کو حضرت کے فرمان پر پورا یقین تھا۔ کہا کہ میں جواہرات کی خریداری کا کام جانتا ہوں۔ چنانچہ ہیرا نند ان کو جواہرات کی دکان پر لے گیا اور کہا کہ اصلی اور عمدہ جواہرات دکھاؤ اور قیمت بالکل صحیح بتاؤ۔ جس میں فیس دلالی بھی شامل نہ ہو۔ جوہریوں کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ پہلے دلالوں کے ساتھ ان کی بھی بے اعتباری ہو چکی ہے۔ انہوں نے نہایت عمدہ مال صحیح قیمت پر دے دیا۔ مہاراج کے روبرو جب جواہرات پیش ہوئے اور ان کی قیمت عرض کی گئی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس طرح ہیرا نند پر مہاراج کی نظرِ عنایت ہوتی گئی اور آخر کار مہاراج نے آپ کو دیانت دار دیکھ کر ڈیرہ غازی خاں میں کاردار یا تحصیل دار کر کے بھیج دیا۔ ہیرا نند ناخواندہ تھا۔ صرف نام لکھنا سیکھا ہوا تھا۔ کام سب منشی کرتے تھے۔

ایک دفعہ ہیرا نند حاضر خدمت ہوا تو اپنے صاحب (افسر) کی بہت تعریفیں کرنے لگا۔ جب اس نے زیادہ مبالغہ کیا تو آپ نے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا کہ اب بس بھی کرو۔

ہیرا نند اپنی ملازمت پر واپس گیا تو ۱۲۰۰/ روپیہ کے غبن کے الزام میں اس کی گرفتاری کا حکم ہوا۔ چونکہ ہیرا نند کی گرفتاری کے وارنٹ نکل چکے تھے اور وہ روپوش ہو گیا تھا۔ اس لیے اس کی گرفتاری پر انعام دیئے جانے کی تشہیر ہو چکی تھی۔

ہیرا نند دن کو چھپ رہتا۔ رات کو سفر کرتا ہوا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سردی کا موسم تھا۔ جب سردی کی زیادہ شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ دروازہ

کھولو۔ صاحب کا (مداح) یا دوست آیا ہوا ہے۔ ہیرا نند قدمبوس ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اپنے صاحب کو بھلا کر تم صاحب بہادر (افسر) کی تعریفیں کرتے تھے۔ ہیرا نند نے توبہ کی۔ جب وہ بہت گڑگڑایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ لاہور واپس جاؤ۔ اور سیدھے صاحب (افسر) کی کوٹھی پر چلے جاؤ۔ راستے میں کوئی بلا دے تو جواب نہ دینا۔

اشتہاری مجرم ہیرا نند اب دن دہاڑے جا رہا تھا۔ راستے میں دو پولیس والوں نے پہچان لیا اور آواز دی۔ مگر یہ سیدھا خاموش آواز دینے والے کی پرواہ کیے بغیر چلا جا رہا تھا۔ پولیس والوں نے خیال کیا کہ ہمیں دھوکا ہوا ہے۔ یہ کوئی اور شخص ہوگا۔ ہیرا نند ہوتا تو جواب نہ دیتا؟ اور اس طرح بے خوف کیسے جا سکتا ہے۔
غرض جب صاحب کی کوٹھی پر پہنچ کر اطلاع کرائی تو صاحب بہادر (افسر) نے کہا کہ وہ معاملہ کچھ اور نکلا۔ رات کو مجھے خواب میں معلوم ہوا کہ تم بے قصور ہو صبح کو میں نے تحقیقات کی تو اصلیت معلوم ہوگئی ہمیں تمہاری تکلیف کا افسوس ہے۔ چنانچہ اب عہدے پر بحال کیا گیا۔ اور علاوہ تنخواہ کے ۵۰۰ روپیہ انعام اور خلعت سے سرفراز کیا گیا۔ ہیرا نند نے موضع موہلو والی میں ۲۵ گھماؤں زمین آپ کو دی جواب تک سجادہ نشین صاحب کلانور کے قبضے میں ہے۔
ہیرا نند کی التجا اور اصرار پر آپ نے ڈیرہ غازی خاں جانے کا قصد فرمایا۔

برج جیوا کا مورث

راستے میں موضع اکبر ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں آپ کو شام ہوگئی۔ جیوا نامی ایک شخص سے آپ نے دریافت کیا کہ یہاں پاولیوں (جلاہوں کے) گھر کس طرف ہیں۔ جیوا نے عرض کیا کہ پاولیوں سے آپ کو کیا کام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ان کے کیلوں سے گھوڑے باندھیں گے اور رات بسر کریں گے۔
جیوا جو اس وقت بھونڈ کے سرداروں کی طرف سے مختار یا کاردار تھا۔ آپ کو

دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ عرض کیا کہ اگر حضور منظور فرماویں تو آج رات اپنا پادلی مجھے بنالیویں اور میری طرف سے ماحضر قبول فرماویں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ جیوا نے بہت خدمت کی۔ صبح آپ نے فرمایا کہ آج کُل گاؤں کی دعوت ہماری طرف ہے۔ چنانچہ چھ دنبے ذبح کرائے گئے اور چھ دیگیں زردہ کی پکوائی گئیں۔ اور کل گاؤں کو کھانا کھلایا گیا۔

جیوا کے ہاں اس وقت تک اولاد نہ تھی۔ اس کے عرض کرنے پر فرمایا۔ تمہارے ہاں لڑکا خدا دیوے گا۔ حسین بخش نام رکھنا۔

آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی اولاد کے لیے عرض کرتا۔ تو ہمیشہ آپ اپنے پیر کے نام پر حسین بخش نام رکھنے کے لیے فرماتے۔

آپ کی دعا سے جیوا کے ہاں لڑکا ہوا جس کا نام حسین بخش رکھا گیا۔ اس کے بعد سات لڑکے اور پیدا ہوئے جن میں سے حسین بخش، پیر محمد، شیر محمد، عبداللہ، مراد بخش کے نام یاد رہے ہیں۔

حسین بخش کا لڑکا یعنی جیوا کا پوتا خانصاحب میاں چراغ الدین اب برج جیوا میں ذیلدار اور رئیس اعظم ہے۔ میاں چراغ الدین صاحب کے ہاں بھی آٹھ لڑکے ہیں۔

دوسرے بیٹے حاجی شیر محمد کی اولاد سے میاں عبدالوہاب دوسرے علاقہ کے ذیلدار ہیں۔ اور میاں جیوا کی اولاد آپ کی دعا سے اس وقت صاحب اقتدار اور کثیر رقبہ کے مالک اور علاقہ کے رئیس ہیں۔

غرض اس راستے آپ ڈیرہ غازی خاں پہنچے۔ ہیرانند کو معلوم ہوا تو اس نے پہلے اپنے ملازموں کو نذرانہ دے کر بھیجا۔ آپ کی زبان سے نکلا۔ وہ خانہ خراب خود کیوں نہ آیا۔ رات کو ہیرانند کی عورت بیمار ہوگئی۔ اسی حالت میں وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور بیعت ہوئی اور اپنا سارا زیور اتار کر آپ کی خدمت میں پیش کیا اور درخواست کی کہ میں ہ جاؤں

تو میری لاش کو جلایا نہ جاوے۔

صبح کو وہ مرگئی۔ ہیرانند نے کہا کہ کل علاقے کے ہندو جمع ہوں گے۔ میں کس طرح اس کو دفن کرسکتا ہوں۔ فرمایا۔ کہ تم اپنے دستور کے مطابق جلاؤ۔ مگر کفن اچھا مسلمانوں کا سا دینا اور دکھلا دینا۔

جب کفنا کر جلانے کے لیے گئے تو آپ نے ایک درویش کو بلا کر کہا کہ تم خفیہ طور پر جاؤ اور لاش کی نگرانی رکھو۔ خبردار اگر یہ عورت جل گئی تو تجھے بھی جلا دیا جاوے گا۔ جو کچھ ظہور میں آدے وہ آکر بیان کرو۔

جب چتا جل چکی اور دستور کے مطابق سر پر ضرب لگائی تو کفن صحیح سالم باہر نکل آیا۔ لوگ حیران ہوئے۔ درویش نے وہاں پہنچ کر کہا کہ اس کفن کو حضرت صاحب کا ہاتھ لگا ہوا ہے۔ یہ نہیں جلے گا۔ مجھے دے دیا جاوے۔ چنانچہ درویش کفن لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ عرض کیا۔ کہتے ہیں کہ پھول چنتے وقت متوفیہ کی ہڈیوں کا نشان تک بھی نہ ملا۔ ہیرانند بھی آخر کار مسلمان ہو گیا۔ اس کی یادگار کے طور پر ایک چاہ موضع موہلو والی میں حضرت کے جانشینوں کے نام ہے۔

گوبند جس ساکن جلال آباد تحصیل ترن تارن

قلعہ نونار میں کاردار تھا اور حضرت کا معتقد تھا۔ برچھا گردی میں کچھ سکھوں نے قلعہ پر حملہ کیا۔ لڑائی ہوئی۔ گوبند جس کا ایک بازو لڑائی میں کٹ گیا جس پر گوبند جس اور اس کے ہمراہی قلعہ میں محصور ہو گئے۔ کسی طریق سے اس نے حضرت کے پاس یہ کیفیت عرض کر بھیجی۔ آپ نے سن کر فرمایا۔ گوبند جس کا بازو کیا کٹا۔ بازو کاٹنے والے خود کٹ گئے۔ چنانچہ سکھ مالکان قلعہ کی امداد پہنچ گئی اور محاصرین سب کے سب قتل ہو گئے (کٹ گئے) جلال آباد میں اب تک گوبند جس کی اولاد موجود ہے اور یہ واقعہ بھی مشہور ہے اور مجھ سے بیان کیا گیا کہ گوبند جس حضرات مکان شریف کا مرید تھا۔

ٹیک چند ساکن فتح گڑھ چوڑیاں

لاہور میں چنے اُبال کر گھنگنیاں بیچا کرتا

تھا۔ حضرت کا شہرہ سن چکا تھا۔ ایک دن اس کو معلوم ہوا کہ حضرت صاحب کلانور والے یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں وہ اسی طرح چھابڑی سر پر اٹھائے پہنچ گیا اور آپ کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے دل میں کچھ ایسا تاثر ہوا کہ وہ چھابڑی حضرت کے قدموں میں رکھ دی اور دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کی کہ اس غلام کی اس قدر استطاعت ہے آپ اسے قبول فرما کر درویشوں میں تقسیم فرما دیویں۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ ان کو فروخت کرو۔ درویشوں کو خدا بہت کچھ دیتا رہتا ہے۔ ٹیک چند نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضرت درویشوں کو تو ضرورت نہیں لیکن اگر میرے یہ چند دانے حضور قبول فرما کر درویشوں کو کھلا دیں تو میرے لیے عین سعادت ہے۔ اس کے عجز و انکسار اور التجا پر آپ نے غلام محمد کو حکم دیا کہ درویشوں کو تقسیم کر دو۔ فرمایا۔ بھئی تمہارا نام کیا ہے۔ عرض کیا ٹیکو۔ فرمایا۔ آج سے اس کو لالہ ٹیک چند پکارا کرو۔ اور فرمایا " بھئی وا تیریاں گھنگنیاں ونڈنیاں تے اللہ دے فضل دیاں لہراں چلنیاں۔"

ٹیک چند آپ سے رخصت ہو کر جا رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص نے جو سرکاری ملازم تھا۔ ٹیک چند کو خوش شکل دیکھ کر کہا کہ لالہ جی نوکری کرو گے۔ اثبات میں جواب دینے پر وہ ٹیک چند کو ایک افسر کے پاس لے گیا۔ کمسریٹ میں ملازم ہو گئے۔ چار آنے دے کر اپنا نام ہندی میں لکھنا سیکھا۔ رفتہ رفتہ آپ کی دعا سے لالہ ٹیک چند کمسریٹ تو کیا کل سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے اور اندر باہر کے سب کام ان کے سپرد ہو گئے اور راتی تسد اکور کے منظور نظر ہو گئے۔ جس طرح لالہ ٹیک چند کہتے وہی ہوتا۔

حضرت نے کلانور میں ایک مسجد کی تیاری کا ارادہ کیا۔ لالہ ٹیک چند نے یہ کام اپنے ذمہ لیا لیکن مسجد کی بنیاد دیکھ کر لالہ ٹیک چند گھبرا گیا۔ جب حضرت نے غلام محمد کو لالہ ٹیک چند کے پاس روپیہ کے لیے بھیجا تو اس نے کہا کہ میری طرف سے یہ روپیہ پیش کر کے عرض کرنا کہ فی الحال اسی روپیہ سے کام چلا دیں زیادہ روپیہ

موجود نہیں ہے۔ غلام محمد نے اسی طرح حاضر خدمت ہو کر عرض کر دیا۔ آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا، خود ہی روپیہ بھیجے گا۔ ادھر آپ کی طبیعت مکدر ہوئی۔ ادھر مہاراجہ شیر سنگھ کے پاس شکایت ہوئی کہ لالہ ٹیک چند کل خزانہ کھا گیا ہے۔ اور اندرون محلات میں اس کی آمدورفت بہت بدنامی اور بے عزتی کا باعث ہے۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے حکم دیا کہ تیسرے دن لالہ ٹیک چند کی شیر سے کشتی کرائی جاوے۔ جب جمعدار نے اس واقعہ کی اطلاع لالہ ٹیک چند کو دی۔ تو لالہ صاحب کے اوسان خطا ہو گئے۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کیا جاوے۔

آخر لاچار ہو کر گھوڑوں کی ڈاک لگا کر کلانور حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ چونکہ لاہور سے کلانور فاصلہ پر تھا۔ اس لیے جس وقت لالہ صاحب پہنچے۔ آپ دروازہ بند کر کے لیٹ گئے تھے۔ غلام محمد نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا کہ باہر ایک شخص ہاتھ جوڑے کھڑا ہے۔ فرمایا۔ کھڑا رہنے دو۔ اُسے کچھ نہ کہو۔ وہ اسی لائق ہے۔

مگر لالہ ٹیک چند گرمیوں کی ساری دوپہر گلے میں پگڑی ڈال کر حضرت کی دہلیز پر سر رکھ کر روتا رہا۔ نماز ظہر کے لیے دروازہ کھلا تو فرمایا۔ بلا لاؤ۔ لالہ ٹیک چند نے حاضر ہو کر آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور رونا شروع کیا۔

فرمایا۔ کیا حال ہے۔ لالہ ٹیک چند! عرض کیا کہ حضور کی مہربانی سے نہایت اچھا ہوں۔ مگر صرف آخری دیدار کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ کل مہاراجہ شیر سنگھ صاحب کے حکم سے شیر سے کشتی ہے۔ چونکہ آپ کا خادم ہوں اور اس دروازے کے سوا اور کوئی ملجا و ماوا نہیں ہے۔ لہٰذا آخری زیارت کے لیے آیا ہوں۔

فرمایا۔ کون شیر سنگھ۔ عرض کیا سرکار شیر سنگھ۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ مسجد کی بنیاد دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ ہمارے کام تو منعم حقیقی کے سپرد ہیں۔ وہی کارساز کافی ہے۔ کم بخت تمہارے دل میں کیا خیال آیا۔ فرمایا۔ شیر سنگھ مر گیا۔ جہان سے اٹھا لیا گیا۔ تم جاؤ اور مسجد کے لیے انتظام کرو۔ مگر مہاراج کے پاس کل نماز عصر کے بعد جانا۔ اس سے پہلے نہ جانا۔ جو بتاشے تم لائے ہو۔ نالہ کرن میں ڈال دو۔ لالہ ٹیک چند

نے جب یہ خوشخبری سُنی تو آپ کی جوتیوں کا تلا (نچلا حصہ) اپنی زبان سے چاٹنے لگا اور اجازت ملنے پر لاہور واپس آیا۔

اور ۱۰۰ چھکڑے (گڈے) موضع لودی ننگل کے کمسریٹ میں کام کرتے تھے۔ مسجد کی اینٹیں بہم پہنچانے کے لیے لگا دیئے۔ اور مسجد کی تعمیر شروع کرائی۔ جو بعد میں مکمل ہو گئی اور اب تک موجود ہے۔

ادھر تاریخ مقررہ پر مہاراجہ شیر سنگھ نے بارہ دری میں جو دریائے راوی کے کنارے متصل مزار حضرت شاہ بہلول دربار لگایا اور جشن شروع کیا۔ ایک طرف فوج کو تنخواہ تقسیم کرنے کے لیے خزانہ کی پیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف شیر کا پنجرہ لالہ ٹیک چند کے ساتھ کشتی کرانے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ لالہ ٹیک چند کی حاضری کا حکم دیا گیا۔ جو شخص بلانے جاتا اُس کو کچھ دے دلا کر کہہ دیا جاتا کہ کپڑے بدل کر حاضر ہوتا ہوں۔ غرض حسب فرمان حضرت عصر کے بعد لالہ صاحب پہنچے۔ اس اثنا میں بانا اور لاڈا پہلوان کی کشتی شروع ہو چکی تھی۔ لالہ صاحب کو دیکھ کر مہاراجہ شیر سنگھ نے کہا۔ کہ اس کی مشکیں باندھ دو۔ اس کشتی کے بعد اس کی کشتی دیکھی جاوے گی۔

اتنے میں سردار اجیت سنگھ سنداں والیہ اپنی فوج سمیت حاضر ہوا۔ بابا دھونکلا سنگھ فراش نے مہاراجہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور سندھاں والیہ کی قرابینوں پر بتھری لگی ہوئی ہے۔

مہاراجہ نے کہا کہ باباجی سندھاں والیہ کا ہم نے کچھ بگاڑا تو نہیں بلکہ جب اُن کو دیس نکالا دیا گیا تھا۔ تو میں نے بصد منت باباجی کو راضی کر کے اُن کو واپس بلوایا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ بیٹا سندھانوالیہ کا اعتبار نہ کرنا۔ اسی اثناء میں اجیت سنگھ قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے فتح بلائی اور کہا کہ بھایا جی یہ دونالی رائفل میں نے کلکتہ سے ۷۰۰ روپیہ میں منگائی ہے۔ کہاں دکھاؤں۔ مگر سرکار کی توجہ کشتی کی طرف تھی۔ اور اجیت سنگھ روش کے نیچے تھا۔ اس نے بندوق کی نالیاں بندوق دکھانے کے لیے قریب پہنچا دیں اور گھوڑے دبا دیئے۔ فائر کا ہونا تھا کہ مہاراجہ کی ڈاڑھی جل کر

سیاہ ہوگئی ۔ دوسرے بھائی نے تلوار سے سر قلم کر دیا ۔ ایک کہرام مچ گیا ۔ بابا پہلوان کہا کرتا تھا کہ میں اس وقت لاڈا کے اوپر تھا ۔ اسی طرح برہنہ جسم بھاگ نکلا ۔ اور بڑے میاں صاحب کے درس میں جاکر دم لیا ۔ اور چادر لے کر اوڑھی ۔

میا سنگھ مذہبی کھنے والا نے لالہ ٹیک چند کی مشکیں تلوار سے کاٹیں اور کہا کہ بھاگ جا تیری زندگی کے دن ابھی باقی ہیں ۔ ٹیک چند نے حاضر ہو کر مسجد مکمل کی ۔

ٹیک چند کے وارث دیوان دلباغ رائے صاحب موضع کوٹ کیسرا سنگھ کے واحد مالک اور آنریری مجسٹریٹ اور رئیس اعظم امرتسر ہیں اور بیان ہوتا ہے کہ ان کے بزرگ حضرت کا ختم دلوایا کرتے تھے ۔

گلھو خاں قوم سقہ ساکن خطرائے تحصیل اجنالہ

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا مصاحب تھا ۔ میں نے خود یہ واقعہ اکثر لوگوں سے سنا ہے اور ایک کتاب میں بھی پڑھا ہے کہ ایک دفعہ مہاراج سفر میں تھے اور حکم تھا کہ گلھو خاں سب سے آگے چلے ۔ مہاراج اس طرح جا رہے تھے اور گلھو خاں کے گھوڑے کی گرد مہاراج پر پڑتی تھی ۔ باڈی گارڈ کے ایک سکھ سردار نے گلھو خاں کو کہا کہ پیچھے ہو جاؤ ۔ مہاراج پر گرد پڑتی ہے ۔ مگر مہاراجہ صاحب نے جو گلھو خاں کے گھوڑے کی گرد کو اپنی آنکھوں کا سرمہ سمجھتے تھے ۔ فرمایا کہ گلھو خاں کے گھوڑے کی گرد کہاں پایئے ۔ " گلھو خاں کے گھوڑے کی گرد کہاں نصیب ہوتی ہے ۔"

گلھو خاں حضرت کلانوری کا ملنے والا تھا اور آپ کی محبت کی یہ تاثیر تھی چنانچہ گلھو خاں کی یادگار محل اور مسجد خطرائے کلاں میں اب تک موجود ہے ۔

موضع منج میں حضرات مکان شریف کی ملکیت تھی ۔ حضرات مکان شریف کی طرف سے وہاں غلام قادر ۔ میاں عطا محمد ۔ بابا لبو ۔ عمر بخش ۔ عبداللہ کوٹ والا رہتے تھے ۔ قلعہ دار کلانور صاحبزادہ فریدالدین سمیت ان درویشوں کو گرفتار کر کے کلانور لے آیا ۔ اور حوالات میں دے دیا ۔

حضرت کلانوری کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو مہر رو ڈا کو بلا کر فرمایا کہ اگر صاحبزادہ صاحب آج قید میں رہے تو کلانور کی خیر نہیں۔ آج ہی غرق ہو جاوے گا۔

مہر صاحب گئے اور ضمانت دے کر صاحبزادہ کو چھڑا لائے۔ جب مہر صاحب صاحبزادہ کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے تو حضرت نے خوش ہو کر مہر صاحب کے حق میں دعا فرمائی۔ فرمایا۔ ایسی برکت ہوگی کہ سات پشتوں تک کمی نہیں آئے گی۔

مہر امیر اللہ ذیلدار فرمایا کرتے کہ ہم پر آپ کی دعا کا اثر ہے۔

بابا بستو وغیرہ باقی درویش حوالات میں مکان شریف کی طرف منہ کر کے مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر گزری کہ قلعہ دار کو خبر پہنچی کہ تمہاری بیوی سخت بیمار ہے۔ گھبراہٹ میں قلعہ دار جلدی سے اٹھا۔ ننگے سر تھا اور کھونٹی سے ہتھیار لٹک رہے تھے وہ اس کے سر پر گرے۔ سر میں زخم آیا۔ خون جاری ہو گیا۔ قلعہ دار کے ملازم (دیا رام) نے عرض کیا کہ حضور نے جب سے یہ کالے کرموں والے درویش قید کیے ہیں۔ انہوں نے مرغوں کی طرح آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اُن کو چھوڑ دیں۔ ورنہ قلعہ غرق ہو جاوے گا۔ قلعہ دار نے ہاتھ جوڑ کر درویشوں کو حوالات سے نکالا اور رخصت کیا۔

چوہدری منصبدار نمبردار ڈھیری والا کا لڑکا سخت بیمار ہو گیا۔ مایوسی کی حالت میں کلانور حضرت کی خدمت میں لے آیا۔ حضرت نے دعا فرمائی اور فرمایا کہ لڑکا بھلا چنگا (تندرست) ہے۔ منصبدار نے اجازت مانگی۔ آپ بدھ کے روز اجازت نہ دیتے تھے۔ اس نے اجازت کے لیے اصرار کیا مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ زیادہ مجبور کیا تو فرمایا جاؤ مگر حضرت کی طفیل تمہارے کوٹھوں پر سوہاگہ پھر جاوے گا۔ منصبدار نے گھر جا کر ذکر کیا تو اس کی عورت نے کہا کہ حضرت کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کبھی خالی نہیں جاتے۔ ہماری اب خیر نہیں۔ مکان شریف جا کر عرض کرد۔ عرس مکان شریف قریب تھا۔ عرس کے دن دو نو صاحب تشریف فرما تھے۔ منصبدار ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر مارے ہیبت کے عرض نہ کر سکا۔ آخر قیوم عالم کے دریافت کرنے پر عرض کیا۔ حضرت کلانوری نے اس طرح کہا ہے۔ فرمایا اُن کے

حکم کی تعمیل میں چھوٹی سی لکڑی کا سوہاگہ بنا کر مکان پر پھیر دو۔

دستور تھا کہ جب کبھی آپ کسی پر ناراض ہوئے۔ تو وہ مکان شریف میں حاضر ہو کر عرض کرتا۔ حضراتِ مکان شریف کی طرف سے سفارش ہوتی۔ تو جواب میں آپ فرماتے ("غلام داکی حق ہے جو سرکار فرماوے منظور ہے")

ایک دفعہ آپ اپنے کتے پر ناراض ہوئے۔ وہ مکان شریف آ گیا۔ جب آپ مکان شریف تشریف لائے تو کتا بھی سامنے آ گیا۔ کتے پر نظر پڑی تو فرمایا۔ تو یہاں پناہ لینے کے لیے آ گیا ہے۔ ادھر کتا تڑپ رہا تھا ادھر آپ وجد میں تھے۔

سردار پرتاپ سنگھ ساکن جوڑہ آپ کا معتقد تھا۔ آپ اس سے خوش طبعی بھی فرمایا کرتے۔ بدھ وار حاضر ہوا۔ اس نے اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا۔ آج یہیں رہو۔ سردار صاحب نے اصرار کیا۔ تو فرمایا۔ "نہیں رہنا تے سردار جی کر پا کرو۔ چھوا پلانا سر تے دھرو۔" اتفاق کی بات ہے راستے میں گھوڑے کو ٹھوکر لگی۔ گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ سردار صاحب کو چھوا پلانا (زین اور تارو) سر پر اٹھا کر گھر آنا پڑا۔

سردار پرتاپ سنگھ کے ساتھ آپ اکثر مذاق فرمایا کرتے۔

ایک دفعہ اس نے کہا کہ حضرت کتے ہندو ہیں یا مسلمان۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ رات کو کہلا بھیجا کہ آج دعوت ہماری طرف ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو مدعو کیا گیا۔ اور ایک شخص سے فرمایا کہ تم شہر کے کتوں سے کہہ دو کہ تمہاری دعوت بھی ہماری طرف ہے۔

علیحدہ علیحدہ کھانے کی جگہ تیار کرائی گئی۔ قناتیں لگوا دی گئیں۔ درمیان میں کتوں کے لیے جگہ بنائی، جو آ کر وہاں جمع ہو گئے اور ان کے لیے قیمہ ڈال کر روغنی روٹیاں تیار کرائی گئیں۔ کھانے کے وقت قناتوں کا پردہ اٹھا دیا گیا۔ کتے اپنی اپنی روٹی لے کر الگ الگ ہو بیٹھے۔ آپ نے سردار صاحب سے ہنس کر فرمایا کہ پرتاپ سنگھ دیکھ لو، کتے ہندوؤں کی طرح کھاتے ہیں یا مسلمانوں کی طرح اور سمجھ لو کہ آیا وہ ہندو ہیں یا مسلمان۔ کیونکہ مسلمان مل کر کھانا کھاتے تھے۔ اور ہندو الگ الگ۔

آپ فرماتے۔ میاں میلا ضرور دیکھنا چاہیے۔ اس سے قیامت کا دن یاد آجاتا ہے۔ جس کے پاس پیسے ہوں وہ شیرینی وغیرہ حسب پسند خرید لیتا ہے اور جو وہاں خالی ہاتھ جاوے اس کو سوائے حسرت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

کبھی کبھی آپ درویشوں کو حکم دیتے کہ آج میلا لگاؤ۔ درویش تمام ساز و سامان چھکڑوں پر لاد کر لے جاتے اور دو رویہ دکانیں سجا کر میلے کا بازار لگا دیتے۔ آپ تشریف لے جاتے اور دریافت فرماتے کہ فلاں چیز کا کیا نرخ ہے۔ نرخ عرض کرنے پر فرماتے، یہ بہت گراں ہے۔ درویش جو پہلے سے طبیعت شناس تھے کہتے کہ آپ کی مرضی ہو خریدیں ورنہ اپنی راہ لیں۔ اس طرح خوش طبعی فرما کر وہ تمام ساز و سامان اور مٹھائیاں وغیرہ للہ تقسیم فرما دیتے۔

آپ کے لنگر میں ہمیشہ گوشت پلاؤ۔ زردہ اور اعلیٰ اقسام کے کھانے تیار رہتے۔ درویشوں کا لباس بڑے ٹھاٹھ کا ہوتا اور آپ کے شیخ حضرت حاجی صاحب مرحوم کا فرمان پورا نظر آتا "کہ آپ کے درویش امیر ہوں گے۔"

منڈی میں جو اچھی جنس آتی۔ شام داس آڑھتیہ وہ سب کی سب دیوان خانہ میں پہنچا دیتا۔ جب حساب ہوتا۔ ہزاروں روپے ادا کیے جاتے۔

چنانچہ آپ کی وفات کے وقت جو حساب ہوا۔ تو ۲۷ من خام صرف مرچ سیاہ کی قیمت ادا کی گئی۔

بوجہ کسر نفسی آپ کسی کو بیعت نہ کرتے۔ جو شخص بیعت ہونے کے لیے عرض کرتا۔ فرماتے میاں پلاؤ زردہ کھانا ہو تو یہاں رہو۔ خدا کا نام سیکھنا ہو۔ تو مکان شریف چلے جاؤ۔ فرماتے۔ یہ بے ادبی ہے کہ حضرت قیوم العالم کے ہوتے ہوئے میں اپنی دکان علیحدہ چلاؤں۔

علاقہ شکر گڑھ سے مسمی الفا گوجر نے اصرار کیا کہ میں نے آپ سے بیعت ہونا ہے۔ آپ نے بہتیرا سمجھایا مگر الفا اپنی بات پر مُصِر رہا۔

فرمایا۔ "تمہارا کچھ نہ رہے گا۔" اس نے عرض کیا، خواہ کچھ بھی نہ رہے

بعیت آپ سے ہوں گا۔ بالآخر آپ نے اس کو بعیت کیا۔ وہ مغلوب الحال ہو گیا۔ اس کے بیوی بچے بھی فوت ہو گئے اور خود اسی حالتِ دیوانگی میں اس کا وصال ہوا۔
آپ بڑے سخی تھے۔ سائل کو کبھی محروم نہ جانے دیتے۔ سب کچھ تقسیم فرما دیتے۔ اور افلاس کا خیال نہ کرتے۔
تعمیر مسجد کے وقت جب مزدوروں کو مزدوری تقسیم فرماتے تو لوگ حیران رہ جاتے کہ اس قدر روپیہ کہاں سے آتا ہے۔
چنانچہ دو مزدور رات کو آپ کے مصلے کے نیچے کی زمین کھودتے رہے مگر کچھ نہ ہاتھ آیا۔ دوسرے دن آپ نے مزدوری تقسیم فرمائی تو ان دونوں کو دو چند اُجرت عطا فرمائی۔ عرض کرنے پر فرمایا۔ تم رات کو بھی کام کرتے رہے تھے۔
ایک دفعہ آپ نے مالی (باغبان) کو حکم دیا کہ کوئی حلوا کدو ہے۔ اس نے عرض کیا کہ ابھی کدو کی بیلیں بڑھ رہی ہیں۔ پھول نکل رہے ہیں۔ فرمایا، تلاش تو کرو۔ شاید کوئی نکل آوے۔ مالی گیا تو دو بہت بڑے بڑے کدو لے آیا۔ دو عورتیں وہاں سے گزر رہی تھیں۔ کدو دیکھ کر حیران ہوئیں اور کہا کہ بے موسمے کدو کیسے خوش نما ہیں۔ فرمایا، تمہیں پسند ہیں تو دونوں لے جاؤ۔

رتڑ چھتڑ کا نام مکان شریف رکھا گیا

سنہ ۱۲۷۰ھ میں آپ نے رتڑ چھتڑ کا نام مکان شریف رکھا۔ آپ کے خادم غلام محمد نے عرض کیا کہ فلاں شخص رتڑ چھتڑ سے آیا ہے۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ میرے سامنے پھر رتڑ چھتڑ نام نہ لینا۔ خبردار مکان شریف کہنا ہو گا۔ میاں خدا کی رحمت کا مورد ہے۔ ملائکہ کے اترنے کا مقام ہے۔
اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (پ ۲۴ ع)

ترجمہ: "جو اللہ کو رب کہتے ہیں اور اس پر قائم رہتے ہیں۔ ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔"

وہاں ہر وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ چنانچہ اس دن سے مکان شریف مشہور ہے۔ تبرکاً چھپر کا نام کوئی نہیں لیتا۔ تبرک چھپر صرف کا غذات مال میں مدفون ہے۔

حاجی صاحب مرحوم کی وفات کا صدمہ آپ کو اس قدر ہوا تھا کہ آپ کے کل بال اسی وقت سفید ہو گئے تھے اور آپ خضر صورت معلوم ہوتے تھے۔

۱۹ شوال ۱۲۷۲ھ میں آپ واصل باللہ ہوئے۔ ان دنوں برسات کا موسم تھا۔ قیوم العالم کو جب اس سانحہ ہوش ربا کی اطلاع ملی اور آپ کے دل پر اس واقعہ جانکاہ کا بڑا صدمہ ہوا۔ اسی وقت پیادہ پا چل کھڑے ہوئے۔ خلقت کا ایک بہت بڑا ہجوم ہمراہ تھا۔ ایک قیامت برپا معلوم ہوتی تھی۔ راستہ بھر اعلیٰ حضرت کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔

آپ نے خود پہنچ کر حضرت بڈھن شاہ صاحب مرحوم کو غسل دیا اور سپرد خاک کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ چالیس دن کلانور میں تشریف فرما رہے۔ ختم چہلم پر آپ کی وصیت کے مطابق صاحبزادہ فریدالدین صاحب کی جانشینی اور دستاربندی عمل میں آئی۔ کیونکہ آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ آپ نے اپنی زندگی میں کل مال ومتاع قیوم العالم کی نذر کر دیا تھا۔ آپ کا وصیت نامہ اب تک سجادہ نشین صاحب مکان شریف کے پاس محفوظ ہے۔ جس کی نقل ذیل میں درج ہے۔

۷۸۶

نسب خود سید بڈھن شاہ ولد سید حیات علی شاہ بن سید حسین علی شاہ ترندی گلانوری اقرار کردہ اعتراف صحیح شرعی نمودہ مخبر باشم و در حالت صحت نفس و ثبات عقل و نفاذ جمیع تصرفات عقلیہ بریں وجہ کہ آنچہ مکانات سکنی و غیر سکنی و زمین ایمہ جات معافیات و چاہات آبنوشی و آبپاشی و اسپاں و چارپایاں و دیگر ہمہ اال مولشی و نیز اسباب اشیائے قسم پارچات و ظروفات و نسخہ جات کتاب ہا و نیز آلات بارات سواری قسم رتھ و بہل و عرابہ ہا و بینس وغیرہ ذالک کہ از داد ایزدی جلشانہٗ در قبضہ و اقتدار ایں نفیر است۔ بجناب معارف و حقائق پناہ حضرت مولانا و مخدومنا سید السادات سید امام علی شاہ صاحب حی احمدی مخدومی نقشبندی ادام اللہ برکاتہم نذریہ فی سبیل اللہ کردانیدم و بخشودہ دادم و عنداللہ تہیتہ ہبہ نمودم و ہمہ ہبک خود را در حق و ملک صاحب موصوف کردم۔ پس ہیچکس را از اقربا و وارثان ایں نفیر با اسباب اشیائے و مکانات و معافیات و اراضیات مذکورہ ہرگز و اصلاً و قطعاً واسطہ و غرض و مطلبے نیست۔ بنا بریں ایں چند کلمہ نوشتہ شد کہ عندالحاجت سند ساطع و صحت قاطع گردد۔

تحریر بتاریخ ۱۷ ماہ ربیع الاول ۱۲۷۱ھ بقلم بندہ نبی بخش ولد قاضی اللہ داد مرحوم

العبد
سید بڈھن شاہ

گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد
بندہ محمد بخش ولد شیخ کریم بخش	شمس الدین ککے زئی	احمد بخش ولد کریم بخش
باقرار جناب صاحبان		باقرار صاحبان

قیوم العالم نے بطور تحفہ تسبیح و قلمدان لے لیا باقی تمام مال و اسباب صاحبزادہ صاحب فرید الدین کے سپرد کر دیا۔ اصل تحریر حوالگی اسباب مکان شریف میں موجود ہے۔ نقل حسب ذیل ہے:

٧٨٦

باعث تحریر ایں حروف و بموجب تسطیر ایں سطور آنکہ

چوں جناب حقائق آگاہ و معارف دستگاہ حضرت پیر سید امام علی شاہ مکان شریف
دولت برکاتہ، بروز انتقال حضرت زبدۃ الواصلین قدوۃ السالکین عرفان پناہ حضرت پیر
بڈھن شاہ کلانوری نور اللہ مرقدہٗ رونق بخش قصبہ کلانور گردیدہ احیائے مراسم تکفین و تجہیز و تدفین و
خرچ لابدی از نان دہی خلائق فاتحہ خواں و ختم چہلم شریف آنحضرت مرحوم و مغفور بجا
آوردند۔ چنانکہ برافراد جمیع عباد اللہ را پسندیدہ آمد۔ یقین است کہ رضائے خالق را ہم
باعث باشد و دریں ضمن قریب مبلغ یکصد روپیہ از گرہ شریف خود بخرچ آوردہ اند و چوں
حضرت شاہ صاحب کلانوری در حین حیات خود کاغذ ہبہ نامہ بنام نامی آنحضرت نوشتہ
بودند و ہر چند موجب دلیل سند ہبہ نامہ وغیرہ کوالف بالکل مالک و وارث ترکہ حضرت ممدوح بودند
مگر مقتضائے علو ہمتی و دریا دلی آبادی و معموری مکان کلانور مد نظر عالی داشتہ از جائیداد متروکہ حضرت
جنت مکانی بجز تسبیح سلیمانی کہ بطور عاریت از آں حضرت گرفتہ بودند و سوائے قلمدان
چیزے از دیگر قسم پارچات و ظروفات و مال و مویشی و نقد جنس وغیرہ نشدہ اند بلکہ برائے
اخراجات درویشان ایں مکان دریں جائے گزاشتند۔ مناسب است کہ ہر کس را از ایں احوال
واقفی و خبر بودہ باشد۔ گواہی خود برایں کاغذ ثبت کردہ بدہد کہ عند اللہ ماجور و عند الناس
مشکور خواہد شد۔ کان ذالک فی التاریخ ہفتم شہر ذی الحجہ ١٢٧١ھ مطابق ماہ بھادوں سمت ١٩١٢

گواہ شد
بندہ رحمت خاں ولد دیدار بخش
کل بیان واقعہ درست است

گواہ شد
بندہ نتھے خاں ولد محکم الدین حلقہ نشین حضرت شاہ صاحب
بیان واقعہ درست است

گواہ شد
فقیر باب اللہ محمد درگاہی

گواہ شد
بندہ احقر العباد محمد بخش
بیان واقعہ صحیح و درست است

گواہ شد
فقیر علی محمد ولد سید سلطان شاہ
بیان واقعہ درست است

گواہ شد
نور محمد نمبردار کلانور
بیان واقعہ درست است

گواہ شد
عطا محمد قانون گوئے کلانوری
محضر نامہ بیان واقعہ درست است

گواہ شد
غلام محمد آنچہ دریں نوشتہ
است درست است

گواہ شد
فقیر اکبر علی ولد سید عمر شاہ
بیان واقعہ درست است

گواہ شد
بندہ رحمت خاں آنچہ
ضمن است صحیح است

گواہ شد
خیر الدین
بیان واقعہ درست است

گواہ شد
انور شاہ آنچہ دریں نوشتہ
است درست است

مزار مبارک کلانور میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ بمصداق
ارباب فنا زندہ بجہانِ دگراند

مزار مبارک سے فیض آپ کے مزار سے برابر لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔
سید محمد حسین صاحب سجادہ نشین کلانور نے حضرت کے حالات کے متعلق میرے عرض و اصرار پر فرمایا کہ ۱۷سال کی عمر میں میرے والد صاحب فوت ہو گئے۔ ان کی وفات اور خانگی تنازعات اور کچھ حالات کی ناموافقت کے باعث میں نہایت مغموم تھا۔ حضرت کے مزار مبارک پر مراقب ہوا اور عرض کیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک سفید براق ہاتھ مزار مبارک سے باہر نکلا۔ پھر آپ کی زیارت ہوئی اور آپ نے اپنا ہاتھ میری پشت پر پھیرا اور فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ خدا فضل کرے گا۔ چنانچہ آٹھ دن کے اندر اندر میری سب پریشانیاں دور ہو گئیں۔ اب جب کوئی مشکل پیش آتی ہے۔ تو آپ سے عرض کرنے پر دور ہو جاتی ہے۔

موضع سیکھوں متصل چک قاضیاں کے ایک شخص غلام حیدر نے بیان کیا کہ میں مرض گنٹھیا میں عرصہ تک مبتلا رہا۔ جب میں بہت لاچار ہو گیا تو ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کلانور لے گئے ہیں۔ آپ تشریف فرما ہیں۔ مجھے آپ کے پیش کیا گیا اور عرض کیا گیا کہ حضرت غلام حیدر درد سے بہت تنگ ہے۔ آپ نے میرے جسم پر ہاتھ پھیرا۔ صبح کو بیدار ہوا تو مرض کا نام و نشان نہ تھا۔

اس قسم کے واقعات عام ہیں۔ بخوفِ طوالت صرف ان دو واقعات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

نوٹ: افسوس کہ مؤلف سے ذکرِ مبارک کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ کیونکہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں دوسری جلد کا مسودہ تلف ہو گیا۔ (ناشر)

ذکرِ معدنِ فیوض

۱۹۸۰ء

گوہرِ شہوارِ بحرِ ولایت

حضرت سیّد امام علی شاہ

۱۴۰۰ھ

۱۹۸۰ء

فی روضتِ الجنتّ

۱۹۸۰ء

تھے ایک مردِ خدا حضرتِ امامِ علی !
محبِ شاہِ ہُدیٰ حضرتِ امامِ علی

تھا عکسِ اُسوۂ اصحاب پاک اُن کا چلن !
جلالِ شیرِ خدا حضرتِ امامِ علی

مطیعِ خالقِ کونین اور محبِ رسولؐ
مطاعِ شاہ و گدا حضرتِ امامِ علی

تمام اہلِ نظر جن سے فیضیاب ہوتے
ہیں سب کے راہ نما حضرتِ امامِ علی

طبیعت اُن کی زمانے سے بے نیاز رہی
تھے شانِ فقر و غنا حضرتِ امامِ علی

شہنشہی بھی جہاں آ کے سر جھکاتی تھی
وہ صدرِ بزمِ وِلا حضرتِ امامِ علی

وہ ارضِ پاک، جسے سب کہیں مکانِ شریف
ہیں اُس میں جلوہ نما حضرتِ امامِ علی

اُبھر رہی ہے جو رہ رہ کے میرے سینے سے
وہ دلنواز صدا، حضرتِ امامِ علی

قمرؔ: وہ عالی مقدر ہے جس پہ فرما دیں
نگاہِ لُطف و عطا حضرتِ امامِ علیؒ

بتاریخ: یکم ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ
مطابق: ۱۸ر فروری ۱۹۸۰ء

★

قمر یزدانی بنوانہ
ضلع سیالکوٹ

ذکرِ مُبارک

(حصّہ دوم)

آپ جانتے ہیں کہ "ذکرِ مُبارک" کی دوسری جلد کا مسودہ ہنگامہ ۱۹۴۷ء میں ضائع ہوگیا تھا۔ اسی حصّہ میں حضرت قیوم عالم رحمتہ اللہ علیہ کے حالات شرح و بسط کے ساتھ مندرج تھے۔ خدا جانے اس میں کیسی قیمتی اور نادر معلومات تھیں۔ جن سے ہم محروم ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آج چالیس سال گزر چکے ہیں۔ افسوس کہ کسی صاحب علم نے قیوم عالم کا تذکرہ مرتب کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اس لئے فقیر نے مختلف مطبوعہ کتب کے مضامین "ذکرِ مبارک" کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کر دیئے ہیں۔ یہ مرتب شدہ تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ کام کرنے کا فقیر اہل ہے۔ اس کام کی عظیم ذمہ داری صاحب سلسلہ اہل علم حضرات پر عاید ہوتی ہے۔ دیکھئے یہ سعادت کس خوش نصیب کے حصّہ میں آتی ہے۔

پہلا مضمون "معیار السلوک" (مصنفہ مولوی ہدایت علی جے پوری مرحوم) سے ماخوذ ہے۔

اور اثنائے حلقہ میں جو شخص غیر آپ کے سامنے ہو کر مسجد میں گزرتا، اس کے پیر کے دھکے سے آپ کی آنکھ کھل جاتی، اور اس شخص چلنے والے پر نظر پڑ جاتی اگرچہ وہ آپ سے مرید بھی نہ ہوتا تو اس کا دل خود بخود ذکر خدا سے جاری ہو جاتا۔ اور وہ اس کو اپنی قبر میں ساتھ لے جاتا۔

اور بعض وقت کسی کو ایک ہی توجہ سے ولایت سے مشرف فرماتے۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ نے دریائے راوی میں زمین پر بیٹھے ہوئے ایک پٹھان خلیلی سے فرمایا "میاں تم کیا چاہتے ہو؟ تم کو ہمارے پاس ٹھہرے ہوئے بہت روز ہوئے، پٹھان خلیلی نے عرض کیا کہ حضرت میں دنیا چاہتا ہوں" حضرت سیّد صاحب نے فرمایا "میاں اچھا تم اتنی مرتبہ الحمد شریف پڑھ لیا کرو۔ قدرتِ خدا اس پٹھان خلیلی کو غیب سے چاندی بنانا سکھا دیا۔ وہ جب چاہتے جنگل سے چاندی کا ڈھما بنا کر لے آتے، اس خوشی سے وہ اور بھی موٹے ہو گئے۔ ایک روز حضرت سیّد صاحب کے مکان کی دیوار خام بن رہی تھی وہ پٹھان خلیلی بھی گڑھے میں سے مٹی کھود کھود کر اوپر دے رہے تھے۔ حضرت سیّد صاحب اس پٹھان خلیلی کے روبرو زمین پر بیٹھ گئے۔ اور ان کا کام دیکھتے رہے۔ نہ معلوم حضرت سیّد صاحب نے ان کے دل میں کیا القاء فرمایا کہ وہ پٹھان کام کرنے کے بعد سیدھے حجرہ میں جا کر بقاعدہ نماز رو بقبلہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اور انہوں نے سوائے وقتِ حاجت بیت الخلا حجرہ سے باہر نکلنا موقوف کر دیا۔ کبھی لنگری جو کھانا بانٹا کرتا تھا، کھانا لے کر جاتا تو تیسرے چوتھے وقت بہت تھوڑا سا کھا لیا کرتے اور ہر وقت شب و روز مراقب رہتے۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے جا کر میاں خلیل سے پوچھا کہ تم چاندی بنانا بھول گئے ہو جو اس قدر مغموم اور چپ چاپ حجرہ میں بیٹھے رہتے ہو! جواب دیا خاں صاحب چاندی بنانا یاد ہے۔ مگر دل نہیں چاہتا۔ یہاں تک ان پر عشق شدید اور جذب کثیر غالب ہوا کہ اسی حالت میں چھ مہینہ تک وہ شب و روز مراقب رہے، اور اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ایک حجام حضرت سید صاحب کے مُرید تھے۔ ان کے سپرد بکریوں کو چرانے کی خدمت تھی۔ وہ جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جنگل کی گھاس جسے کانس کہتے ہیں۔ اس کی نوکیں پاؤں کو زخمی کر دیتی ہیں، اس گھاس نے ان کے ننگے پاؤں کو جگہ جگہ سے زخمی کر دیا تھا وہ شخص لنگڑاتے ہوئے جناب حضرت سیّد صاحب کی خدمت شریف میں سلام کرنے کو حاضر ہوئے، آپ نے ان سے لنگڑا کر چلنے کا حال دریافت فرمایا، اور پھر اپنی نعلین مبارک (جوتی) پہننے کو مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے ان نعلین کو اٹھا کر چوما، اور سینہ پر ان کو باندھا۔ اسی وقت سے جذبِ ربانی پیدا ہوُا، اور تا زیست یہی عمل ان کا رہا، اور جب جذب کی زیاتی ہوتی تو وہ نعلین کا تلا زبان سے چاٹا کرتے۔ یہاں تک تلووں کو چاٹا کہ ان میں سوُراخ ہو گئے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوُا۔

مگر جس کو انہوں نے جو دُعا دی وہ خدا کی جناب سے رَد نہ ہوئی اور جس دل پر توجہ فرمائی۔ وہ ذکرِ خدا سے منوّر ہو گیا۔ ہزاروں کو ان سے فیض پہنچا اور ہزاروں کے کام ان کی دُعا سے نکلے اور ہزاروں کے دل قفسِ دنیا سے نکل کر عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئے۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں، ایک خاں صاحب جن کا نام عادل خاں تھا وہ شیخاواٹی کی انتہا اور پنجاب کی ابتداء پر کوئی گاؤں ہے، وہاں کے تھے، اور وہ انگریزی رسالہ میں نوکر تھے۔ وہ اتفاقاً مکان شریف کے قریب ہو کر کہیں جا رہے تھے حضرت سیّد صاحب کا حال سُن کر سلام کے واسطے حاضر ہوئے۔ سلام کرنے کے بعد بس وہیں بیٹھ گئے اور نوکری اور حاضری کی کچھ خبر نہیں، چھ ماہ بعد کچھ افاقہ ہوُا تو اپنی چھاؤنی میں گھوڑے سمیت حاضر ہوئے، اور استعفا دینا چاہا، تو سب سوار بولے۔ عادل خاں صاحب تم نوکری اور قواعد روزمرّہ کرتے ہو تم کو کوئی تکلیف نہیں پھر کیوں نوکری چھوڑتے ہو، انہوں نے فرمایا حضرت سید صاحب کی خدمت شریف سے چھ ماہ بعد آیا ہوں، پھر وہیں جاؤں گا لوگ سُن کر حیران ہوئے کہ روزمرّہ قواعد میں اور پہرہ پر حاضر رہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ میں چھ ماہ بعد آیا ہوں، عادل خاں صاحب یہ فرما کر چلے آئے اور دو تین برس حضرت سید

صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ عادل خاں صاحب
کو ایک ہی توجہ میں حضرت سید صاحب نے بندہ خاص بنا دیا تھا اور ایسا جذب کثیر خدا نے
ان کو عطا فرمایا کہ اگر وہ کسی وقت نظر غیرت یا غصہ سے درخت یا گھاس کی طرف دیکھ لیتے
تو اس میں آگ لگ جاتی، وہ اکثر خاموش آنکھ بند کئے ہوئے مراقب بیٹھے رہا کرتے تھے
خاں صاحب ہی نہیں بلکہ تمام طلبہ حضرت سید صاحب کے وقت حلقہ یا غیر حلقہ خدا کی یاد میں
مستغرق رہتے اور خاموش رہا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے اسقدر بے خبر رہتے تھے۔
کہ باوجود برسوں تک ایک جگہ رہنے کے نہ نام سے واقف ہوتا تھا اور نہ جائے سکونت سے اور
یہاں تک خدا کی یاد میں مشغول رہتے تھے کہ اگر کسی کا کپڑا پھٹ جاتا تو اس کے سینے کی طرف
مخاطب نہیں ہوتے اور اگر کسی کی جوتی گم جاتی تو اس کی تلاش میں نہ پھرتے نہ کسی سے کہتے
عادل خاں صاحب جب بعد اجازت حالت ہوش میں آنے کے اپنے گھر گئے اور وہ اپنی ماں کے
ایک ہی بیٹے تھے اور انہوں نے اپنی والدہ کو کوئی خط بوجہ جذب کے نہیں لکھا تھا اور ان
کی والدہ کو خبر نہیں تھی کہ میرا بیٹا کہاں ہے تو ان کی والدہ ان کے فراق میں روتے روتے
اندھی ہو گئی تھی۔ جب عادل خاں صاحب گھر پہنچے تو ان کی والدہ آواز سن کر ان کو ہاتھ سے
ڈھونڈنے لگیں۔ تو عادل خاں صاحب نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ تمہاری آنکھوں میں
کیا ہوا تو ان کی والدہ نے کہا کہ بیٹا تیرے فراق میں روتے روتے اندھی ہو گئی ہوں عادل
خاں صاحب نے جب یہ سنا تو ان کو جذب ربانی پیدا ہوا اور انہوں نے اثنائے جذب
میں اپنا آب دہن والدہ کی آنکھوں پر لگا دیا۔ اللہ کے فضل سے ان کی والدہ کی آنکھیں
اسی وقت روشن ہو گئیں۔ اسی واسطے حضرت مولانا رومیؒ نے اولیاء کی شان میں اپنی پسچ
فرمایا ہے:۔

اکمہ و ابرص چہ باشد مردہ نیز — زندہ گردد از فسوں آں عزیز
اندھا اور کوڑھی تو کیا بلکہ مردہ بھی — اس بندۂ خاص کے دم کرنے سے زندہ ہو جاتا ہے

امرتسر میں ایک مولوی صاحب تھے جو قاری بھی تھے وہ اولیاء اللہ کی طرف اپنے
وقت میں نیک گمان نہ رکھتے تھے۔ حضرت سید صاحب کے ایک خادم نے ان سے کہا کہ

مولوی صاحب کبھی آپ حضرت سید صاحب سے بھی تو ملو ، انہوں نے کہا اچھا جمعہ ہے چلو آج جمعہ کی نماز وہیں پڑھیں گے، لیکن سید صاحب قاری نہیں ہیں اسواسطے ہماری نماز کامل نہیں ہوگی۔ اور آج فلاں قسم کے کھانے کو بھی دل چاہتا ہے۔ جب مولوی صاحب پہنچے تو حضرت سید صاحب کے ایک خادم بخاری عالم اور قاری بھی تھے اور وہ بہت عرصہ سے مجذوب تھے۔ ان سے حضرت سید صاحب نے فرمایا: مولوی بخاری صاحب تم قاری بھی ہو اور مولوی بھی ہو آج تم نماز پڑھاؤ تاکہ مولوی صاحب جو امرتسر سے آئے ہیں ان کی نماز کامل ہو جائے حضرت سید صاحب کے فرماتے ہی بخاری صاحب کا جذب فوراً جاتا رہا اور حالت ہوش میں آگئے اور انہوں نے نماز جمعہ کی پڑھائی۔ حضرت سید صاحب کے کشف سے واقف ہو کر مولوی صاحب امرتسری بہت حیران ہوئے۔ جب نماز ہو چکی تو حضرت سید صاحب کے ارشاد سے وہ ممبر پہ بیٹھے حضرت سید صاحب نے ان کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی مولوی صاحب ممبر پر سے بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو حضرت سید صاحب کے پاؤں چومے۔ اور اپنی بدگمانی کی معافی چاہی اور بیعت ہو کر درجہ کمال کو پہنچے۔ اسی واسطے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ڈرو مومن کی فراست سے کہ وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے "۔

حضرت صاحب ایک روز تشریف رکھتے تھے کہ ایک گاؤں کا آدمی آپ کی خدمت شریف میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا میاں کچھ وعظ کہو اس شخص نے عرض کیا کہ حضرت میں تو ان پڑھ گاؤں کا آدمی ہوں میں تو کچھ بھی نہیں جانتا ہوں آپ نے فرمایا میاں کچھ تو کہو کہتے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ تو کھڑا ہو جا۔ اس نے اپنی گاؤں کی پنجابی زبان میں کہا کہ خدا ایک ہے ۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ میاں خوب عمدہ وعظ فرمایا۔ قدرت حق کہ چند روز بعد اس شخص کی قوت بیانی اس قدر بڑھی کہ تمام پنجاب میں اس کا شہرہ ہو گیا۔ اور کسی مذہب کا عالم عیسائی یا ہندو وغیرہ اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اور بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کو اگر لکھا جائے تو بہت بڑی ایک ضخیم کتاب بھی کافی نہ ہو کیونکہ حضرت سید صاحب کے حالات وکرامات بہت کثرت سے ہیں۔ جو اس کتاب میں بطور نمونہ لکھے گئے ہیں جو عقلاء اور طلبہ

کے لئے کافی ہیں۔ کسی نے ایسے ہی لوگوں کی شان میں خوب کہا ہے :

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند | آیا بود کہ گوشۂ چشم بما کنند

وہ خاصانِ حق کہ جو مٹی کو ایک نظر سے کیمیا بنا دیں، | کاش کہ وہ ایک نظر لطف و کرم ہم پر کریں۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کے کشف کا یہ حال تھا کہ جو سامنے کی چیز ظاہر کی آنکھوں سے نظر آتی ہے اس سے زیادہ حضرت سیّد صاحب کو قریب اور بعید کی چیز بفضلہ تعالیٰ دل کی آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ آپ جب حلقہ فرمایا کرتے تو ایک خادم حضرت کے پیچھے کھڑا رہا کرتا تھا جہاں کسی کے دل میں اِدھر اُدھر کا خیال آتا تو آپ فوراً فرمادیا کرتے کہ میاں کیا کرتے ہو؟ خدا کی یاد کرو۔ اگر کوئی نیا آدمی کہ جو داخل سلسلہ نہ ہوتا اور وہ حلقہ میں آکر بیٹھ جاتا تو آپ سر مبارک اٹھا کر خادم کی طرف دیکھتے خادم سمجھ جاتا کہ کوئی غیر شخص شریکِ حلقہ ہو گیا ہے چنانچہ خادم صفوں میں تلاش کر کے نئے آدمی کو لا کر پیش کرتا۔ آپ اس شخص سے فرماتے "میاں فقیر اس وقت اپنی قبر کی فکر میں ہے پھر آنا" ایک روز آپ بعد نمازِ مغرب حلقہ میں مراقب تھے۔ آپ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ فلاں سمت کو فلاں جگہ جاؤ اور ٹھنڈا پانی لیتے جاؤ اور اس نام سے پکارو، اور پھر اس کو یہاں ساتھ لے آؤ۔ بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ جب آدمی اس طرف گیا اور پکارا تو اسی نام کا ایک شخص حضرت سیّد صاحب کی ملاقات کو آرہا تھا، مگر راستہ بھول گیا تھا اور سخت پیاسا تھا اس کو پانی پلایا اور کہا کہ تم کو جناب حضرت سید صاحب یاد فرماتے ہیں وہ بہت خوش ہؤا۔

ایک لڑکا حضرت سیّد صاحب کی خدمت میں اکثر حاضر ہؤا کرتا تھا۔ ایک روز جب وہ آیا تو حضرت سیّد صاحب نے فرمایا آج چند قسم کے کھانے پکاؤ۔ اور اس لڑکے سے فرمایا "میاں تم کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔ بعد کھانا تیار ہونے کے حضرت سیّد صاحب نے اس کے ساتھ تناول فرمایا۔ اور بہت مہربانی اور کرم سے پیش آئے اور جب وہ جانے لگا تو کچھ دُور تک خلافِ عادت آپ اس کو چھوڑنے کے لئے تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو بڑے حضرت صاحب سے فرمایا" خاں صاحب اس کی ہماری آخری ملاقات تھی، کچھ عرصہ بعد معلوم ہؤا کہ اس کا انتقال

ہوگیا اور پھر آپ سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے روز آپ کے پاس ہزاروں خادم سلام کو حاضر ہوئے اور ہر ایک خادم اپنے خلوص کے موافق روپیہ پیش کرتا۔ آپ اس پر دست مبارک رکھ دیتے اور وہ خادم روپیہ وہیں زمین پر چھوڑ جاتا، جو خادم روپیہ اٹھانے اور رکھنے پر مقرر تھے وہ جب دوبارہ آتے تو اسی قدر روپیہ جھولی بھر کر پھر لے جاتے۔

ایک شخص درویش کامل کی تلاش میں کابل سے ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً وہ اس وقت موجود تھے ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ فقیر تو بہت مالدار ہوگا۔ آپ نے فرمایا میاں صاحب یہ مال خدا کا مال ہے۔ خدا کے بندوں کے کام آتا ہے۔ میری ملک نہیں ہے یہ خدا کی ملک ہے۔ آپ بھی حسب ضرورت لے جاؤ۔ اس شخص نے اپنی سوءظنی سے توبہ کی اور آپ سے بیعت ہو کر کمال کو پہنچا۔

آپ کی برکت اور فیضان سے زندہ ہی نہیں مردہ بھی امیدوار رہتے تھے۔ بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم جناب سید صاحب کے ہمراہ ایک گاؤں گئے۔ جہاں حضرت سید صاحب کے اکثر مرید تھے حضرت سید صاحب نے نماز عصر پڑھی اور آپ ختم درود شریف کے واسطے بیٹھے۔ اتنے میں چند شخص سفید لباس پہنے ہوئے مسجد میں آئے اور یکے بعد دیگرے صرف جناب سید صاحب سے سلام و مصافحہ کرکے چلے گئے۔ لیکن ہم اور چند لوگ حیران تھے کہ ان لوگوں کو کبھی گاؤں میں نہیں دیکھا اور یہ لوگ کھڑے کھڑے آئے اور چلے گئے۔ اور سلام و مصافحہ بھی صرف حضرت سید صاحب ہی سے کیا۔ بعد حلقہ و مراقبہ ہم نے حضرت سید صاحب سے عرض کیا کہ یہ لوگ کون تھے؟ آپ نے فرمایا اس گاؤں کے مردے تھے ملاقات کو آئے تھے

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت سید صاحب کی قبولیت دعا کا یہ حال تھا کہ جو دعا کسی کے لیئے آپ نے کردی وہ جناب باری سے رد نہیں ہوتی تھی۔

ایک روز ایک بڑھیا ستر سال کے قریب عمر کی جو پاؤں سے بھی کچھ مجبور تھی حضرت سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ "حضرت میں اور میرا شوہر دونوں ضعیف ہیں اور میں پیروں سے بھی معذور ہوں ہم دونوں کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے

آپ دُعا فرمائیں کہ خدا مجھ کو اپنے فضل سے فرزند عطا فرمائے۔ آپ سُن کر مسکرائے اور جو حکیم صاحب خانقاہ میں طلبہ کے علاج معالجہ کے لئے رہا کرتے تھے ان کو طلب فرمایا، حکیم صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا سنو یہ بڑھیا کیا کہتی ہے۔ بڑھیا کی عرض کو سُن کر حکیم صاحب بھی ہنسنے لگے اور عرض کیا کہ حضرت اس کے اولاد ہونے کے دن اب کہاں ہیں! اس کی آرزو قاعدہ حکمت سے بالکل خلاف ہے۔ بڑھیا حکیم صاحب کی گفتگو کو سُن کر بولی "کہ حضرت اگر میرے اولاد ہونے کے دن ہوتے تو میں یہاں کیوں حاضر ہوتی؟ یہ سُن کر حضرت سیّد صاحب نے فرمایا حکیم صاحب وہ خدا جس نے حضرت آدم علیہ السّلام کو بلا ماں باپ کے پیدا کیا وہ خدا جس نے بلا باپ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو پیدا کیا جب وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس ضعیفہ کو اولاد دینے پر قادر نہیں ہے بلکہ مجبور ہے، اور ضعیفہ سے فرمایا، اماں تم جاؤ فقیر دُعا کرے گا۔ بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ تین یا چار سال بعد وہ بڑھیا آئی اور دو بچے ایک گود میں اور ایک کا ہاتھ پکڑے ہوئے حضرت سیّد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور حضرت سیّد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ کی دُعا سے خدا نے مجھ کو دو فرزند عطا فرمائے۔ یہ قبولیتِ دُعا اور قدرتِ حق کا نمونہ دیکھ کر سب حیران تھے۔ بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ حضرت سیّد صاحب نے کسی کام کے واسطے ہاتھ جناب باری میں دعا کے واسطے اٹھائے ہوں اور وہ کام نہ ہُوا ہو۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ زندہ و مُردہ انسان کیا، جانور بھی حضرت کو جانتے تھے۔ اور آپ کی خدمت سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت سیّد صاحب کے یہاں خانقاہ میں پے در پے تین وقت کا فاقہ سب کو ہو گیا اور آپ کے اہل و عیال اور طلبہ اور جانور سب تین وقت بھوکے رہے۔ جناب حضرت سیّد صاحب نے مجھ سے فرمایا "خاں صاحب تین وقت سب کو ہو گئے سب پریشان ہیں آپ ہماری سواری کی گھوڑی لے جاؤ اور فروخت کر کے اس کا سامان لاؤ یہ آواز گھوڑی نے سُن کر گھاس کھانا بند کر دیا اور سست ہو کر گردن جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار جاری ہو گئی۔ حضرت سیّد صاحب گھوڑی کی یہ حالت ملاحظہ فرما کر خود بھی غمگین ہو کر سر

مبارک پہنچا فرما کر خاموش ہو گئے۔ اور پھر گھوڑی کے لیجانے یا فروخت کرنے کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ ایک سیٹھ امرتسر کا حاضر ہؤا، اور اس نے ایک تھال میں پانچ صد روپیہ اور کچھ کپڑا پیش کیا، جناب حضرت سیّد صاحب نے فرمایا، اے گھوڑی فکر مت کر تیری قسمت کا خدا نے بھیج دیا۔ یہ سُن کر گھوڑی کودنے لگی اور خوشی خوشی گھاس کھانا شروع کر دیا۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سخت بیمار ہو گئے اور چہرہ جسم پر ورم آگیا اور طاقت اُٹھنے بیٹھنے کی بھی نہ رہی۔ اور ہم نے جان لیا کہ تیرا وقت اخیر آگیا۔ اسی اثناء میں حضرت سیّد صاحب نے ارشاد فرمایا، خاں صاحب راوی دریا کے پرلے کنارے فلاں گاؤں میں فلاں شخص سے جا کر کہو کہ لنگر خانہ کے واسطے لکڑی نہیں ہے۔ یہ ارشاد سُن کر ہم بہت متفکر ہوئے کہ چلنے کی طاقت نہیں۔ درمیان میں دریا اور تعمیل حکم میں تاخیر باعث گستاخی اور بے ادبی ہے، چنانچہ فرمایا، کہ ہم ہمت کر کے لکڑی ہاتھ میں لے کر چل دیئے، ندی میں پاؤں رکھتے ہی کپ کپی چڑھی اور پھر قدرت خدا کیا دیکھی کہ جب زیادہ پانی میں چلا تو جسم میں سے سیاہ دھواں جیسا نکل کر پانی پر بہتا ہؤا صاف معلوم ہؤا۔ جب ہم راوی ندی کے پرلے کنارہ پر پہنچے تو نہ ضعف تھا نہ ورم تھا نہ بیماری تھی۔ ہم بالکل تندرست ہو گئے۔

ایک لڑکا امرتسر سے آیا، اس کا باپ ساتھ تھا۔ اس کو تپ کہنہ (دق) تھی۔ اور انتہائی درجہ پر پہنچ چکی تھی، حکیم صاف جواب دے چکے تھے۔ اور اس لڑکے کے جسم میں سوائے ہڈی اور کھال کے کچھ نہ تھا، حضرت سیّد صاحب نے فرمایا کہو میں اچھا ہوں وہ بولا حضور میں تو سخت بیمار ہوں۔ آپ نے فرمایا "میاں تو کہو میں اچھا ہوں" اس نے کہا میں اچھا ہوں۔ آپ نے فرمایا، میاں تم بے شک اچھے ہو، الحمد للہ! آپ نے اس لڑکے کے والد سے فرمایا۔ اس کو یہاں چھوڑ دو، چندروز بعد آنا۔ اس کا والد چھوڑ کر چلا گیا۔ کئی روز کے بعد جب آیا تو لنگر خانہ کا کھانا تقسیم ہو رہا تھا چنانچہ اس لڑکے کا باپ بھی کھانے میں مشغول ہو گیا۔ اور بیٹا خود اپنے باپ کو کھانا اور پانی لا لا کر دے رہا تھا۔ مگر اس کے باپ نے اس کو بالکل نہیں پہچانا کیونکہ اس کی شکل و صورت جو اس کے خیال میں تھی۔ وہ بالکل تبدیل ہو چکی تھی اور وہ لڑکا خوب موٹا اور توانا ہو گیا

تھا۔ حضرت سید صاحب سے اس کے باپ نے عرض کیا۔ حضرت میرا لڑکا کہاں ہے، ذرا اس سے مل لوں۔ آپ نے فرمایا! تم خود دیکھ لو، لڑکا باپ کے سامنے کھڑا تھا ہنس پڑا۔ باپ اس کے لپٹ گیا۔ اور سید صاحب کے پاؤں پر گر پڑا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے رمضان شریف میں افطار سے پیشتر مسجد میں عرض کیا کہ حضرت آپ کھانا میرے یہاں تناول فرمائیں، آپ نے فرمایا بہت اچھا، اس کے بعد دوسرا شخص آیا، اور اس نے عرض کیا کہ بعد نماز حضور کھانا میرے یہاں نوش فرمائیں۔ اسی طرح سات آدمیوں نے بعد نماز مغرب کھانے کو عرض کیا اور آپ نے قبول فرما لیا۔ ایک مولوی صاحب ولایتی حضرت سید صاحب کے مرید، یہ سب کیفیت اور آپ کے وعدہ سن رہے تھے۔ لیکن بوجہ پاس ادب کچھ نہ کہہ سکے مگر دل میں ان کے پریشانی ضرور تھی۔ جب بوقت عشاء تراویح کو سب لوگ جمع ہوئے تو حضرت سید صاحب کے تشریف لے جانے اور کھانا تناول فرمانے کے سب شکر گزار اور تعریف کرنے لگے۔ پھر آپس میں ان لوگوں کے گفتگو ہونے لگی۔ ایک نے کہا کہ حضرت سید صاحب نے میرے یہاں کھانا کھایا۔ دوسرے نے کہا میرے یہاں، علیٰ ہذالقیاس سب کا کلام ایک دوسرے کے خلاف تھا۔ مولوی صاحب ولایتی یہ دیکھ کر اور بھی خلجان میں پڑھ گئے بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ بعد فراغ نمازِ اشراق جناب سید صاحب ان مولوی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ مسجد کے باہر ایک بیری کا درخت تھا آپ نے فرمایا مولوی صاحب ہماری صورت دیکھو، پھر فرمایا اس درخت کو دیکھو۔ جب مولوی صاحب نے درخت کو دیکھا، تو جناب سید صاحب کی صدہا شکلیں اس درخت کے اوپر موجود تھیں۔ مولوی صاحب نے جب یہ دیکھا تو ان کے جسم پر لرزہ پڑ گیا اور نہایت خاموشی کے ساتھ گردن جھکا کر کھڑے رہے۔ تب حضرت سید صاحب نے فرمایا۔ مولوی صاحب تم تمام رات اسی پریشانی میں مبتلا رہے۔

فقیر نے جسم خاکی کے ساتھ ایک ہی جگہ کھانا کھایا، مگر حقیقتِ انسانی جس کا قیام اسماء و صفاتِ الٰہی سے ہے باقی جگہ وہ موجود تھی، اور وہ وہ حقیقت ہے کہ اگر تمام جہان میں دکھائی دے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

اسی طرح انوارِ لطائف شیخ کی شکل اختیار کر کے طلبہ اور غیر طلبہ کو ہدایت اور آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مولوی صاحب حضرت سید صاحب سے بیعت ہوئے۔ حضرت سید صاحب نے ان کو چھ مہینہ کے بعد ہی اجازت طریقہ عنایت فرمائی۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ چھ ماہ میں مولوی صاحب کی کیا تکمیل ہوئی ہوگی۔ اور حضرت صاحب نے ان کو مجاز کر دیا۔ یہ خیال جناب حضرت سید کے پاس ہی حلقہ میں پیدا ہوتے ہی کیا دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب زمین سے ترقی کر کے آسمانِ اوّل پر گئے اور میں بھی ان کے بعد ہی آسمانِ اوّل پر پہنچا تو مولوی صاحب آسمان اوّل سے آسمانِ دوم پر ترقی کر گئے۔ اور ان کے بعد دوسرے آسمان پر میں بھی پہنچا۔ اسی طرح ساتوں آسمانوں کو مولوی صاحب نے یکے بعد دیگرے طے کیا اور میں بھی ان کے بعد ہی پہنچا میں نے دیکھا کہ عرش معلّٰے کے نیچے بہت سے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور ان میں بڑے بڑے اولیاء اللہ تشریف رکھتے ہیں اور ایک حجرہ میں مولوی صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت شبلی بھی ایک حجرہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور یہ فرماتے ہیں کہ مولوی آیا تو مگر بے عشق آیا۔ اگر تلاوت قرآن پاک زیادہ کرتا تو خوب ہوتا۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ میں یہ حال دیکھ کر جان گیا کہ مجھ کو جو مولوی صاحب کی اجازت میں شک لاحق تھا۔ اس کے رفع کرنے کو حضرت سید صاحب کے تصرف اور دعا سے اللہ تعالیٰ نے اطمینان کر دیا۔ حضرت مولانا رُومی نے جو اولیاء اللہ کے حال میں فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے۔

ہر دم اورا ایک معراج خاص　　بر سر تاجش نہد حق تاجِ خاص

بندۂ خاص ہر وقت معراجِ خاص سے مشرف ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے سر پر اپنے فضل کا خاص تاج رکھتا ہے

جسم او بر خاک و رُوح در لامکاں　　لامکان وہم قعر سالکاں

اس کا جسم خاکی اس دنیا میں رہتا ہے اور رُوح عالم بالا میں ہوتی ہے وہی لامکان طالبانِ حق کا مرکز و محل ہے۔

ایسے واقعات اور کشف اور حالات اور کرامات جناب حضرت سیّد صاحب کی لکھی جائیں تو ایک دفتر چاہیئے۔

سب سے بڑی کرامت حضرت سیّد صاحب کی یہ تھی کہ ایک نگاہِ بلاقصد جس مُرید یا غیر مُرید پر پڑی اس کا دل ذکرِ حق سے جاری ہوگیا۔ اور پھر قبر میں اس نعمت کو ساتھ لے گیا اور بعض بعض کو ایک ہی توجہ میں ولایت سے مشرف فرما دیا۔ اور اس کا سبب بڑے حضرت صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جناب حضرت سیّد صاحب پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مہربانی اور کرم تھا بلکہ

بعض بعض وقت حضرت سیّد صاحب فرماتے خاں صاحب یہ فقیر جو کچھ دین و دنیا کی دولت تقسیم کر رہا ہے، جانتے ہو یہ کہاں سے آتی ہے۔ یہ مدینہ منوّرہ سے روضۂ مقدس سے آتی ہے اور یہ دولت پھر سو برس کے بعد اسی طرح ظاہر اور جاری اور تقسیم ہوگی حضرت سیّد صاحب اپنے وقت کے مجدد صدی تھے۔ اسی واسطے آپ کی نسبت اور اجرائے طریقہ اور قبولیتِ دُعا اور ہمّت باطنی نہایت درجہ قوی تھی۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں آپ کا ہر ارشاد ہر فعل برکت و نور سے خالی نہیں تھا۔ اور آپ کی بات بات میں خرقِ عادت تھی، آپ کی خدمت شریف میں طلبہ ترکستان چین، کابل اور بہت سے ملک اور جگہ کے جمع ہوتے تھے۔ اور فیضیاب ہو کر جاتے تھے۔ اور نورِ باطن پھیلاتے تھے۔ اور بڑے بڑے عالم و فاضل آپ کے حلقہ میں حاضر ہو کر نورِ باطن اخذ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولوی مفتی مسعود صاحب پیش امام مسجد فتحپوری واقع دہلی آپ ہی کے اعظم خلفاء میں سے ہیں۔ اور مفتی صاحب کے بھی جو خلفاء ہوئے وہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ با برکت صاحبِ نسبت بزرگ ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب کے خلفاء میں خاص خلیفہ حضرت مولانا رکن الدین صاحب الوری مدفیوضہ ہیں جن کا فیض اہلِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ القائے انوارِ باطن کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحبت و کلام میں یہ تاثیر عنایت فرمائی ہے کہ اکثر بیسیوں غیر مذاہب کے لوگوں نے اسلام قبول کر کے اپنے دلوں کو نورِ باطن سے منوّر کر لیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور ارشاد میں اور ترقی فرمائے۔

حضرت مولوی مسعود صاحب کی تعریف کیا کی جائے کہ جن کے مرشد سید صاحب جیسے ہوں اور ان کے خلیفہ اور طالب مولوی رکن الدین صاحب جیسے ہوں۔ میں نے چاہا تھا کہ جناب حضرت سیّد صاحب کے خلفاء کی تعداد معین کروں اور معہ نام و پتہ کے لکھوں۔ اتنا مجھ کو معلوم ہے کہ حضرت سیّد صاحب کے خلفاء سَو کے قریب تھے۔ مگر افسوس کہ میرے پاس کوئی ذریعہ ان کی مفصل کیفیت لکھنے کا نہ ملا، سُنا ہے مکان شریف میں ایک کتاب قلمی، جناب سید صاحب، اور ان کے خلفاء کے حالات میں ہے۔ مگر صاحبزادے صاحب بوجہ محبت اور کسی خاص وجہ سے کہ جو ان کی مصلحت پر مبنی ہے، کسی کو دیتے نہیں، میں جناب حضرت سیّد صاحب کے حالات اَور لکھتا اور لوگ واقف ہوتے کہ یہ ذات بابرکات مجمع کمالات نائب حقیقی سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کیسی اللہ نے پیدا کی ہے۔ مگر میرا مقصد اختصارِ کتاب ہاتھ سے جاتا تھا۔ اس لئے بہت سے مختصر حالات کہ جو نہ ہونے کے برابر ہیں، لکھے ہیں۔ حضرت سیّد صاحب کے پیر بھائی سیّد بڈھن شاہ صاحب تھے جو نہایت مستجاب الدعوات تھے۔ جو زبان سے کہہ دیتے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا ویسا ہی ظہور فرما دیتا۔ مگر غصہ ان کی طبیعت میں زیادہ تھا۔ اس واسطے حضرت سیّد صاحب نے ان کو اپنے پاس سے علیحدہ رہنے کو فرما دیا تھا۔ ان کے غصہ سے لوگوں کو نقصان زیادہ پہنچتا تھا۔ حضرت بڈھن شاہ صاحب چھ سات کوس پر ایک گاؤں تھا۔ اس میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ مگر بپاسِ ادب حضرت سیّد صاحب کے گاؤں کی طرف نہ کبھی پیٹھ کرتے تھے اور نہ کبھی تھوکتے تھے۔ ایک شخص کایستھ حضرت سیّد صاحب کی دُعا سے ضلع کے انگریز کے پاس سررشتہ دار ہو گیا تھا۔ اس کی رشوت کھانے کی اور پریشان کرنے کی شکایات اکثر سیّد صاحب کے مُرید سیّد صاحب سے عرض کیا کرتے تھے۔ اور حضرت بڈھن شاہ سُن سُن کر دل میں آزردہ ہؤا کرتے۔ اتفاق سے وہ سررشتہ دار حضرت بڈھن شاہ صاحب جہاں تھے وہاں کسی سرکاری کام کو آیا۔ اور حضرت بڈھن شاہ صاحب کے سلام کو بھی حاضر ہؤا۔ حضرت بڈھن شاہ صاحب کو اس کی صُورت دیکھتے

ہی غصہ آگیا ، اور اثنائے غصہ میں فرمایا کہ تو حضرت سید صاحب کے مُریدوں سے رشوت لے کر پریشان کرتا ہے۔ جن ہاتھوں سے تو ان کو پریشان کرتا ہے خدا تیرے وہ ہاتھ کاٹ ڈالے۔ یہ بات سُن کر وہ سیدھا حضرت سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ حال عرض کیا۔ بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حال حضرت سید صاحب نے سُن کر سکوت فرمایا، اور سر مبارک نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد سر مبارک اٹھا کر فرمایا "اے شخص تو جا، بڈھن شاہ کی دُعا درجۂ اجابت کو پہنچ چکی۔ اور اس درجہ اس نے قبولیت حاصل کی ہے کہ اب اس کا رد نہیں ہے۔ تو انتظار کر کہ یہ وقت تجھ کو کب پیش آئے۔ قدرتِ حق لاہور کی لڑائی ہوئی پنجاب میں غدر سا ہوگیا۔ اس سر رشتہ دار کے جنگل میں کسی نے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے۔

بڑے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اپنی حالت دکھانے کو حضرت سید صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تجھ سے پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ دعا اس کی قبول ہو چکی تھی۔ اب تو ایمان لے آ۔ اور یہاں رہا کر۔ چنانچہ وہ معہ بال بچوں کے ایمان لے آیا۔ اور وہیں اس نے اپنی عمر پوری کی۔

رَحْمَتُہ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن۔

نذرِ عقیدتِ مؤلف

منقبت جناب حضرت سیّد امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

امام علی ہیں حبیبِ خدائے جل و علاء
رفیقِ امتِ احمدؐ حبیب حبیبِ خدا

انہوں کی ذات ہے آیات بیّناتِ قدیر
مقر ہیں ان کے کمالات کے سب اہلِ بصیر

نگاہ جس پہ پڑی ان کی ہوگیا واللہ
ولی احمدِ مختار واصلِ باللہ

خزانچی خزانہ رسولِ پاک ہیں وہ
قسیم رحمت و نور رسولِ پاک ہیں وہ

تصرفات عجیب و غریب مکشوفات
خدا نے خوب عنایت کئے تھے انعامات

فضل خدا کا تھا ان کی دعا سے لپٹا ہوا
غضب خدا کا تھا ان کے غضب سے چپٹا ہوا

دعا کی جس کے لئے وہ ہوئی ضرور قبول
جو مدعا تھا کسی کا ہوا ضرور حصول

کرم نبی کا عنایت خدا کی ان پر تھی
نگاہ بڑوں کی تھی حق کی نگاہ جن پر تھی

تصرفات و کرامات اُنسے اتنے ہوئے
خدا کو علم ہے کیا جانے بندہ کتنے ہوئے

جناب سید والا کے کفش داروں سے
خدا نے مُردے جلائے بہت اشاروں سے

حسب نسب ہے انہوں کا نبی سے ملتا ہوا
مثال معجزہ ان کا کمال ملتا ہوا

مقامِ قال سے طالب بنائے اہلِ حال
مقامِ کفرِ طریقت میں لا کے اہلِ حال

مگر زبان سے نہ بولے خلافِ شرعِ مدام
مثال حضرت منصور بایزید کلام

بیک نگاہ مقامِ فنا میں لاتے تھے
بیک نگاہ مقامِ بقا میں لاتے تھے

کمال قادرِ مطلق نے یہ کیا تھا عطا
امام علی کو جو سیّد ہیں اور حبیبِ خدا

انہوں کے پاس سے دری نہ جاتے انعام
انہوں کے فیض سے مُردے اُمید رکھتے تمام

خدا نے فیض کا مرکز انہیں بنایا تھا
[illegible] کا دریا انہیں بہایا تھا

ہزاروں دل ہوئے روشن صدہا مقربِ حق
[illegible] نایت امام علی الحق

امام علیؒ ہیں علی اور فاطمہؓ کی نسل
امام حسینؓ و حسنؓ زین العابدینؒ کی اصل

انہوں کا خاصہ ہے بخشش و عطا و کرم ۔۔۔ انہوں کے رحم و سخا کا گواہ ہے دیر و حرم
لکھے کیا حضرت سیّد کی منقبت انسان ۔۔۔ ندا یہ آتی ہے خاموش شو ضعیف بیان
خدا پہ چھوڑ دے اے ابوالفضول اپنا خیال ۔۔۔ خدا ہی جانے خدا کا رسول ان کا کمال
اسی لئے ہے دُعا حق سے یہ ہدایت کی ۔۔۔ نصیب ہوا سے نعمت وہاں شفاعت کی

آپ کی وفات ۱۳ر شوال یوم پنجشنبہ ۱۲۸۲ھ درمیان عصر و مغرب ہوئی، مزار شریف مقام مکان شریف عرف رتر چھتر (پنجاب) میں ہے۔

ملفوظات وکرامات

گذشتہ اوراق میں قیومِ عالم حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات و مکشوفات وغیرہ کے بیان میں آپکی چند کرامات قارئین پڑھ چکے ہیں۔ یہاں حضرت کے ملفوظات اور کرامات بطورِ تبرک مختصراً خزینۂ معرفت سے نقل کی جاتی ہیں۔ (ناشر)

کلماتِ طیبات

آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ مریدوں کے دل میں اپنے شیخ کا ادب اس درجہ تک چاہیئے کہ پیر کی مجلس میں بغیر اجازت بات نہ کرے۔

پیر کی طرف بے باکانہ نظر سے نہ دیکھے۔ دُنیا کی ہر چیز سے پیر کی محبت اس کے دل میں زیادہ ہو۔ کیونکہ جس شخص کی زبان یا کسی اعضا سے پیر کے ادب کے خلاف کوئی فعل یا کلام سرزد ہو یا مرید کے دل میں پیر کے اور آداب کے خلاف خیال بھی پیدا ہو تو وُہ مرید منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ تصوّف کُل کا کُل ادب ہی ہے۔ جس مرید کے دِل میں پیرِ کامل کے خلاف خیال بھی پیدا ہو وُہ گویا پیر سے دشمنی رکھتا ہے اور دشمن کبھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا چونکہ شیخِ کامل مریدوں کے نہیں بلکہ تمام جہان کے اندیشوں سے واقف ہوتے ہیں۔ بقول مولانا

شیخ واقف گشت از اندیشہ اش
شیخ ہمچو شیر دولہا بیشہ اش

اس لئے بے اَدب مرید دین و دنیا کی نعمتوں سے محروم ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں مُرید کو چاہیئے کہ شیخ کی مجلس میں اگر کوئی تذکرہ یا کلام شروع ہو تو اُسے چاہیئے کہ شیخ کا کلام سُننے کے لئے دل وجان سے کان لگا کر متوجہ اور حاضر رہے۔ اور جو کچھ شیخ ارشاد فرمادے اُس سے استفادہ کرے۔ شیخ کی مجلس میں کبھی بغیر امر کے سبقت کلام کی دلیری نہ کرے۔ کیونکہ بقول اَلشَّیْخُ فِی قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِی اُمَّتِہٖ یعنی شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی اُمت میں ہوتا ہے۔ اور نبی کی نسبت باری تعالےٰ عزاسمہٗ فرماتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (پ ۲۶ ع ۱۳)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو۔)

پس جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے اطاعت اور ادب اور استماع سخن نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرض تھا۔ ایسا ہی مریدوں کے لئے اپنے شیخ کا مجلس میں ہر آداب کو نگاہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ پیر کے ارشادات کو سننا ہزارہا کتابوں کے پڑھنے اور علم و ہنر سے بہتر ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ پیر کی مجلس میں کلام کرنے کی ضرورت ہو تو نہایت نرم اور مودّب آواز اور طریقہ سے کرے کیونکہ باری تعالےٰ جلشانہٗ فرماتے ہیں۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ۝ (پ ۲۶ ع ۱۳) (اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو، نبی کی آواز سے۔) ——————— اور نہ ہی کبھی اپنے پیر کا نام لے کر پکارے کیونکہ باری تعالیٰ جل جلالہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (پ ۲۶ ع ۱۳) (اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔) پس جو آداب باری تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔ وہی امور شیخ کے ساتھ نگاہ رکھے چونکہ شیخ قائمقام اور نائب اور خلیفہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب بھی کبھی پیر کی خدمت میں عرض کرنے یا کسی دینی یا دنیوی حاجت کے بیان کرنے کی ضرورت ہو تو وقت کا خیال رکھے اور جس وقت شیخ کو فارغ معلوم کرے اور اپنی طرف متوجہ پاوے عرض کرے کیونکہ ایسے وقت میں عرض کرنے سے شیخ کی طبیعت زیادہ راغب ہوگی اور حصول مطلب میں جلد کامیابی نصیب ہوگی اور عرض کرنے سے پہلے اللہ تعالےٰ کی جناب سے ادب اور قبولیت کے لئے دعا کرے۔ اگر پیر سے کوئی بات یا کام ایسا صادر ہووے جس کی سمجھ نہ آوے تو اعتراض نہ کرے۔ کیونکہ شیخ کامل سے خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف کوئی امر صادر ہونا ممکن نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام

والا قصہ جو قرآن شریف میں مذکور ہے یاد کر لیوے۔

آپ فرماتے ہیں مرید کو چاہیئے کہ کوئی کام دین یا دُنیا کا شروع کرنے سے پہلے شیخ سے اجازت ضرور حاصل کرے۔ یہاں تک کہ کھانا پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ کپڑے پہننا۔ چلنا۔ پھرنا پیر کے حکم کے مطابق ہو۔ نیز عبادات میں سے نفل نماز، روزہ تلاوت قرآن مجید، پیر کے حکم کے مطابق عمل میں لاوے۔ یہاں تک کہ اگر شیخ کامل مرید کو حکم دیوے کہ ذکر و شغل اور مراقبہ کے سوا صرف نماز فرض پر اختصار کرے تو واجب سمجھے۔

آپ فرماتے ہیں۔ کہ جس چیز کو شیخ مکروہ جانتا ہے اور ہر اُس چیز سے کہ پیر کو جس سے نفرت ہو اس کا پرہیز کرے اگرچہ وہ اس کو محبوب ہی ہو۔ چاہے اس میں اپنا فائدہ دیکھے۔ نیز جن کاموں کو پیر کرتا ہے بغیر اجازت پیر کے مرید کو نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ مبتدی ہے اور شیخ منتہی ہے مبتدی بمنزلہ بیمار کے ہے اور منتہی بمنزلہ تندرست کے ہوتا ہے۔ تندرست جو چیز کھا سکتا ہے لیکن بیمار کو اکثر ان چیزوں سے پرہیز ہوتا ہے۔ پیر کی مجلس میں کبھی اوراد و وظائف و نوافل کے ساتھ مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ اور ہمہ تن پیر کے آداب اور نسبت کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے کیونکہ بقول مولوی صاحب ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریاء

آپ فرماتے ہیں کہ پیرِ کامل کی صحبت میں جب مرید متوجہ پیر کی طرف ہر شغل سے فارغ ہو کر بیٹھتا ہے تو جو فیض اور انوار خدا تعالیٰ کی طرف سے پیر پر نازل ہوتے ہیں۔ مرید پر بھی وہی انوار چمکتے ہیں۔ جیساکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام ارشاد فرماتے ہیں۔

ماصب اللہ فی صدری شیئا
الاصببتہ فی صدر ابی بکر

آپ فرماتے ہیں کہ مرید وُہ ہے کہ جس میں اوصافِ ذیل موجود ہوں۔ محبت اور شوق کی آگ اس کی نفسیاتی خواہشات کو جلا دیوے۔ اور محبت کا درد اس کے دل کو بے قرار رکھے۔ جب صبح اُٹھے تو حسرت اور افسوس کی وجہ سے اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ ہمیشہ عاجزی اور ناکامی اُس کا

شعار اور عادت ہو۔ گذشتہ زمانہ کے اعمال سے ہمیشہ شرمندہ رہے۔ اور آیندہ سے ہمیشہ ڈرتا رہے۔ نیک کاموں کے لئے تقسیم اوقات کا پابند رہے۔ جو مصیبتیں اور تکالیف اور سختیاں پہنچیں صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اُسے خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اپنے قصور کا اقرار کرتا رہے۔ اور کوئی سانس ذکر الٰہی کے بغیر نہ ضائع ہو۔ کیا خبر کہ وہی سانس آخری ہو۔ اور اس فرقہ میں جو سانس غفلت سے گزرے اُس کو مردہ گنتے ہیں۔ حاصل کلام مرید کے لئے پیر کی صحبت اور حضوری تریاقِ اکسیر ہے۔ ایک ساعت شیخ کامل کی صحبت میں حاضر رہنا ہزار سال کی خلوت اور عزلت سے بہتر ہے۔ کیونکہ مرید کو باری تعالیٰ جل جلالہٗ کی درگاہ سے براہِ راست اس لئے فیض حاصل نہیں ہوتا کہ مرید میں اربعہ عناصر اور شہوات نفسانی مانع ہوتے ہیں اور پیران منازل سے گذر کر واصل بحق ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے وسیلہ سے فیض یاب ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ پیر کی ہر دو طرف نسبت ہوتی ہے۔ پس مرید کو چاہیئے کہ اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل کو دین و دنیا کی بہتری کا سبب جانے۔ اگر حضوری میں ہو تو نسبت سے فیض یاب ہونا غنیمت جانے اور صحبت سے دُور ہو تو ارشاد کی تعمیل میں کوشش کرے اور ذکر و مراقبہ کی حالت میں تصوّر کے طریقہ سے صحبت حاصل کرے۔ اور سوتے جاگتے، کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، حتیٰ کہ کسی حالت میں بھی ذکر سے غفلت روا نہ رکھے۔

آپ فرماتے ہیں توبہ ہر شخص پر واجب ہے بقول باری تعالیٰ عزّ وجل تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ (پ ۱۸ ع ۱۰) اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب) دیگر فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔ (پ ۲۸ ع ۲۰) اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔) اور فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (پ ۲ ع ۱۲) بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو) و بقول حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ (مشکوٰۃ) گناہ سے توبہ کرنے والا اس آدمی کی طرح جس کا کوئی گناہ نہیں۔)

آپ فرماتے ہیں کہ عوام کی توبہ ممنوعہ اشیاء سے باز رہنا اور گناہوں سے بچنا ہے۔ اور خواص کی توبہ اپنی حالت کی نگہداشت ہے۔

عام را توبہ بود از کارِ بد خواص را توبہ بود از دیدِ خود

آپ فرماتے ہیں کہ توبہ اس طرح کرے کہ بعد توبہ کرنے کے گناہ کا خیال ہی اس کے دل میں نہ آوے۔

آپ نے فرمایا کہ توبہ کے بعد ایک صغیرہ گناہ کرنا توبہ کے پہلے ستر گناہوں سے بدتر ہے۔ کیونکہ توبہ کے بعد گناہ کرنا ایک توبہ کا توڑنا اور معاہدہ کی شکستگی ہے اور نقضِ عہد موجب نزولِ بلا اور سبب مسخ ہونے کا ہے۔ نقضِ توبہ سے بعض اوقات ایسی بلائیں اور آفتیں ظاہری اور باطنی نازل ہوتی ہیں کہ معاذ اللہ ان سے خلاصی ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے مشہور ہیں۔ اور قرآن شریف میں بھی مذکور ہیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

نقض دمشاق وشکست توبہ ہا!
موجب لعنت بود در انتہا
نقض توبہ عہد آں اصحاب ست
موجب مسخ آمد واہلاک و دہشت

مگر آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس اُمت میں جسم یا چہرہ کا مسخ ہونا خداوند کریم نے روا نہیں رکھا۔ لہٰذا توبہ کے توڑنے سے ان کے دل مسخ ہو جاتے ہیں۔ اور دیگر بار توبہ کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ استغفر اللہ

آپ فرماتے ہیں کہ مرید کو ہر حالت میں متوکل رہنا چاہیئے۔ کام کاج میں مشغول رہے بیکار نہ بیٹھے۔ مگر رازق پروردگار کو سمجھے بلکہ خیال رہے کہ مولا کریم مقسوم رزق ہر حالت میں پہنچاتا ہے۔ روزی کے لئے فرمانِ الٰہی کو کبھی ہاتھ سے نہ دیوے۔ کیونکہ مقسوم سے زیادہ ملنا محال بلکہ ناممکن ہے۔ اور نافرمانی کی وجہ سے خرابیٔ دو جہاں میں مبتلا ہونا یقینی ہے۔ پس چاہیئے کہ یقین کو چھوڑ کر موہوم کے لئے مصیبت میں مبتلا نہ ہوے۔

مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ہین توکل کن ملرزاں پا ؤ دست
رزق تو برتو ز تو عاشق تر است

گر ترا صبرے بدے رزق آمدے!
خویش را چوں عاشقاں بر تو زدے

آپ فرماتے ہیں کہ سب عبادتوں کا مغز اور مقصود اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ پس مرید کو چاہیے کہ کسی حالت میں بھی ذکر سے غافل نہ رہے۔ کیونکہ نماز عماد الدین اور مقصود اس سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ جل جلالہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (پ۲۱ ع۱) (کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور خدا کا ذکر سب سے بڑا ہے) دوسری جگہ فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (پ۱۶ ع۱۰) (میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔) اسی طرح قرآن شریف تلاوت اور حج سے بھی مقصود خدا تعالیٰ کا ذکر ہے۔ بلکہ اصل اسلام اور افضل ارکان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور یہ عین ذکر ہے۔ اور باقی جس قدر عبادات ہیں۔ سب ذکر ہی کی تاکید کے لئے ہیں۔ اگر ذرا غور کریں تو فوراً یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نماز بعض حالتوں میں جائز نہیں۔ حج خاص صورتوں میں فرض ہے۔ مگر ذکر کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (پ۴ ع۱۱) (یاد کرتے ہیں خدا کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے یعنی ہر حال میں) اور دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ (پ۹ ع۱۴) (اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور غافل نہ ہونا) اور ذکر کے مقابلے میں فرمایا۔ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (پ۲ ع۲) (تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کرونگا۔) اس سے بڑھ کر ذکر کی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ ذکر کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ اور ذاکر کا دل ذکر کی برکت اور نورانیت کی وجہ سے ماسوا سے پاک ہو جاتا ہے۔ جو عبادات کا اصل مقصود ہے۔ اس لئے سوائے فرائض کے مرید کو چاہیئے کہ سب اوراد اور اشغال پر ذکر کو ترجیح دیوے اور ہمیشہ ذکر میں مشغول رہے۔ تاکہ باری تعالیٰ ذکر کی برکت سے دین و دنیا کے مقصود میں کامیاب کرے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا ذِکْرًا دَآئِمًا بِحَقِّ وَبِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اٰمِیْنَ۔

ذکر کی بے شمار فضیلتیں اور برکتیں حدیث شریف میں آئی ہیں۔ ذاکر ہر وقت آفت سے

محفوظ ہے۔ ہر چیز مخلوقات میں سے اس کی تابع ہوتی ہے اور اس سے مرعوب اور بے شمار عجائباتِ الٰہی سے اس پر مکشوف ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت امام ہمام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ہر وقت ذکر میں مشغول رہتا تھا۔ اور ہفتہ میں ایک دفعہ تھوڑا سا بقدرِ سدِ رمق کھاتا تھا۔ میرے پاس کوئی شخص ہمیشہ آتا تھا اور آکر السلام علیکم کہتا۔ مگر میرے دیکھنے میں نہ آتا۔ میں صرف سلام کا آواز سُن کر جواب دے دیتا۔ ایک دن جب اُس نے السلامُ علیکم کہا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اچھا ہو اگر تو اپنے آپ کو مجھ پر ظاہر کرے تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ تو کون ہے؟ اچانک ایک نہایت خوبصورت شخص ظاہر ہوا۔ میں نے پوچھا تو کوُن ہے؟ اس نے کہا کہ میں مسلمان جن ہوں۔ جب کسی تم جیسے ذاکر کو دیکھتا ہوں تو دوست رکھتا ہوں۔ اور زیارت و سلام کے لئے حاضر ہوتا ہوں۔ اس کے بعد وُہ جن ہمیشہ میرے پاس آتا رہا اور مجھ کو چند کلمات بھی اس نے سکھائے ایک دن میں نے اس سے کہا کہ چلو مسجد میں چل کر بیٹھیں اور چند باتیں کریں۔ چنانچہ مسجد کے آخری حصہ میں ہم دونو جا کر بیٹھ گئے۔ تھوری دیر بعد اس نے مجھ سے کہا کہ لوگ مسجد میں موجود ہیں۔ ان کو کس طرح دیکھتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ بعض بیدار ہیں اور بعض سوئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے میری آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے ملا۔ اور پھر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا تو نے قرآن شریف میں نہیں پڑھا وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ (پ ۲۵ ع ۱۰) (اور جو اللہ کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں) یہ شیطان ہیں کہ جتنا کوئی شخص ذکر سے غافل ہے۔ اتنا ہی اس پر وُہ مستولی ہے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ (اس سے خدا کی پناہ) آپ فرماتے ہیں کہ وُہ جن ہمیشہ میرے پاس آتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے ایک صدقہ کا لقمہ کھایا۔ اس کے بعد وُہ میرے پاس نہیں آیا۔

آپ فرماتے ہیں؛ عادات و عبادات میں کتاب و سنت کو علماء حنفیہ کی رائے کے مطابق اپناؤ اور عزیمت پر عمل کرو۔ شریعت و طریقت میں بدعت سے پرہیز کرو۔ نیز فرماتے ہیں۔ ظاہر اور پوشیدہ ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو۔ دولت مندوں کی مجلس اختیار کرنے سے بچو اور اپنے تمام اوقات کو اللہ و رسولؐ کی فرمانبرداری اور عبادت سے آباد رکھو۔

کرامات

اگرچہ آپ مقام اور مرتبہ اس سے بہت اعلیٰ ہے کہ آپ کے ذکر کو کرامات سے آراستہ کیا جاوے۔ کیونکہ حضور کی کرامتوں میں سے سب سے افضل اور اعلیٰ یہ بات تھی کہ جو شخص بھی آپ کو دیکھتا ہزار جان سے عاشق ہوجاتا کسی شخص کو طاقت نہ تھی کہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا یا جواب دیتا۔ ہزاروں مردہ دل آپ کی ادنیٰ توجہ سے اعلیٰ منازل اور مقامات پر پہنچے۔ اور بے شمار کفار نے آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہی زنار توڑ کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اور اسلام کی دولت سے مالامال ہوئے۔ مگر یہاں پر چند ایک کرامتیں بطور نمونہ لکھنی ضروری ہیں۔ تاکہ آپ کا ذکر مبارک اس شعبہ سے معرا نہ رہے۔

آپ کے مریدوں میں سے حضرت میاں صاحب مظہر جمال ذکر کرتے ہیں کہ ہم فوج میں ملازم تھے۔ جس روز شیر سنگھ دربار اندری واقع لاہور متصل مزار حضرت شاہ بلال صاحب رحمۃ اللہ علیہ قتل ہوا۔ ہم دو شخص فراش میں حاضر تھے۔ جب سانحہ ظہور میں آیا ہم ڈر کے مارے زینہ کے راستہ اوپر چڑھ گئے۔ ناگاہ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے پیچھے دو شخص ننگی تلواریں لئے ہوئے دوڑتے آ رہے ہیں۔ اب بھاگنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ دل میں ہلاکت کا یقینی خیال ہوگیا۔ اسی حالت میں ذرا ذکر کی وجہ سے استغراق ہوگیا اور تلوار والا آدمی تلوار اُٹھا کر مجھے قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ حضور قبلہ تشریف لائے ہیں۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا لیا ہے۔ میں نے اپنے میں کوئی جنبش نہیں دیکھی۔ مگر کیا دیکھتا ہوں کہ میں خواجہ سید صاحب کے گنبد میں بیٹھا ہوں۔ بس میں نے لاکھ شکر خدا کا کیا۔ اور دل میں یقین ہوگیا کہ یہ سب تصرفات حضور عالیہ سے ہے۔ اُسی دن سے ملازمت چھوڑ کر حضور کی خدمت میں عمر گذار دی اور جو کچھ یہاں سے حاصل ہوا۔ وہ ذکر سے بالا ہے۔

ایک دفعہ ایک عورت اپنی ایک بیمار لڑکی کو حضور کی خدمت میں دُعا کے لئے لیکر چلی۔

راستہ میں لڑکی فوت ہوگئی۔ اس عورت کی صرف یہی ایک لڑکی تھی۔ اور کوئی اولاد نہ تھی۔ لڑکی کو لے کر اس ارادہ پر مکان شریف پہنچی کہ مکان شریف میں دفن کرے۔ جب حضور کی خدمت میں پہنچی اور عرض کرنے لگی تھی کہ اچانک لڑکی کو جو دیکھا۔ تو وہ بالکل تندرست ہے اور سابقہ بیماری کا بالکل کوئی اثر نہیں رہا۔ اور کھیلنے میں مشغول ہوگئی۔ ہزار ہا آدمیوں نے یہ کرامت آپکی دیکھی۔

ایک شخص مسمی نرائن سنگھ جو چک رہانہ میں رہتا تھا۔ اُسے ستر سال کی عمر میں فالج ہوگیا۔ چونکہ دولت مند اور امیر کبیر آدمی تھا بے شمار علاج کئے مگر کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ اور فائدہ ہونا ممکن بھی نہ تھا (کیونکہ اصل طب کے مطابق ساٹھ سال کے بعد اگر فالج ہو تو لا علاج ہے۔ مترجم)

حضور کی خدمت میں ارادت اور دعا کیلئے لایا گیا۔ بمجرد زیارت کے اکسیر صفت فائدہ ظاہر ہوا کہ تمام اعضاء میں حس و حرکت جاری ہوگئی جو کئی سال سے چارپائی سے نہ ہل سکتا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سات روز مکان شریف حضور کی خدمت میں رہا۔ اور بالکل تندرست ہوگیا۔ زنار توڑ کر اس نے کلمۂ شہادت پڑھا اور حضور کی بیعت میں داخل ہوگیا۔ اور کاملین میں سے ہوگیا۔ یہی شخص ایک روز جاڑے کے موسم میں لوگوں نے دیکھا کہ شیرہ کاسنی میں سکنجبین ملا کر پی رہا ہے۔ اس نے بیان کیا کہ جس روز سے حضور کی نظر کیمیا اثر بندہ پر پڑی ہے۔ یہ حال ہے کہ بغیر سرد چیزوں کے استعمال سے آرام نہیں ہوتا۔ اور اپنے باطن کا حال جو اس نے بیان کیا۔ اس کو قلم تحریر کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب کلانوری فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز ایک ساربان حضور کے دولت خانہ پر حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت میرے اونٹوں کا بادشاہ اونٹ اچانک بیمار ہو گیا ہے۔ اور سخت کانپتا ہے اور ہل جل نہیں سکتا۔ میں سخت غریب ہوں۔ اور میری روزی کا آسرا اسی پر ہے۔ اس وقت آپ خاص حالت میں تھے اور اچھا وقت بنا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تیرا اُونٹ تو بالکل تندرست ہے۔ اس نے عرض کی کہ حضرت اگر میرا اونٹ تندرست ہوتا تو میں آپکو ہرگز تکلیف نہ دیتا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا کہ تیرا اُونٹ بالکل تندرست ہے۔ تیسری دفعہ اس نے عرض کیا کہ اونٹ درِ دولت پر حاضر ہے۔ تکلیف گوارہ فرما کر ملاحظہ فرمالیویں۔ سخت بیمار ہے۔ آپ نے دہلیز پر کھڑے ہو کر سامعین کو فرمایا کہ جاکر دیکھو اونٹ کو کوئی بیماری ہے؟ اُن کے علاوہ ساربان نے بھی دیکھا کہ اونٹ بالکل تندرست ہے۔ اس نے اُونٹ پر بوجھ ڈالا

اور دعائیں دیتا ہوا خوش بخوش روانہ ہو گیا۔

مکان شریف میں بے شمار جذامی آتے اور حضور کے وضو کا پانی لے کر بدن پر ملتے اور بالکل تندرست ہو کر چلے جاتے۔ جن میں دو تندرست آدمی آجتک مکان شریف میں موجود ہیں۔ جو باوجود بدنی صحت حاصل کرنے کے روحانی صحت سے بھی مالامال ہیں۔

ایک شخص کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جس کی دونوں آنکھیں چیچک کی وجہ سے نابینا ہو گئیں۔ حضور کی خدمتِ اقدس میں اس کے باپ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ایک ہی لڑکا ہے۔ اور کاروبار دنیاوی اور ذریعہ معاش کا دارومدار اسی سے وابستہ ہے۔ وہ چیچک کی وجہ سے نابینا ہو گیا ہے مہربانی فرما کر دُعا فرما دیں۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کا لعاب اس کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ اور حکم دیا کہ چند یوم رہ کر لعاب دہن آنکھوں میں ڈالیں چنانچہ دو تین بار ڈالنے سے وہ بالکل بینا ہو گیا۔

ایک زمیندار حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میری بیوی دردِ زہ سے قریب المرگ ہے اور بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا تجھے مبارک ہو تیرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جب وہ شخص گھر واپس گیا تو دیکھا کہ بیوی تندرست اور خوش و خرم ہے اور گود میں لڑکا لے کر بیٹھی ہوئی ہے۔

قوم ہنود میں سے ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بدن پر سالہاسال سے اس قدر سوزش اور جلن تھی کہ ہر وقت مکھن اور کافور بدن پر ملتا رہتا تھا اور اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ بدن پر گویا آگ رکھی ہوئی ہے۔ وہ شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میں حضور کا نام سُن کر حاضر ہوا ہوں سخت لاچار ہوں۔ آپ وضو فرما رہے تھے۔ وضو سے فارغ ہو کر پانی کا بھیگا ہوا ہاتھ اس کے بدن پر مل دیا۔ جس سے اُس کا مرض فوراً دُور ہو گیا۔ اور پھر تمام عمر عود نہ کیا۔

ایک شخص مسمی میاں دِل احمد ولد میاں قُل احمد کا بیان ہے کہ میں ابتداء میں فرقہ وہابیہ کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اور اپنے ہم عقیدہ بعض وہابیوں سے سُنا کرتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف والے علم شریعت سے بے بہرہ ہیں۔ عام لوگ جو اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ اور علماء زمانہ کلمۃ الحق کہنے سے چُپ ہیں۔ علمائے زمانہ اُن سے دینوی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لئے اصل بات ظاہر کرنے سے باز رہتے ہیں۔ مگر دوسری طرف لوگ آپ کی کرامات اور مناقب اس قدر بیان کرتے

جن سے انکار کی گنجائش نہ تھی۔ میں اس خیال سے مکان شریف روانہ ہوا کہ اپنی آنکھ سے چل کر دیکھوں اور کانوں سے سنوں کہ اصل بات کیا ہے؟ میں مکان شریف آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور چند روز صحبتِ عالیہ میں ملازم رہا۔ اس اثنا میں اس قدر کرامات حضور کی دیکھنے میں آئیں اور طریق زندگی آپ کی اُسی طرح مطابق شریعت مطاہرہ کے پائی۔ یعنی کہ تمام زمانہ میں سوائے آپ کی ذاتِ والا سے صفات کے محال تھی۔ علوم شرعیہ میں آپ کو میں نے وحید عصر پایا۔ انکساری اور تواضع آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہابی لوگ ہمیشہ اولیاء اللہ کے خلاف کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ میں وہ سب صفتیں جو علماء حقانی اور اولیاء ربانی میں ہونی چاہئیں۔ میں نے سب دیکھیں۔ اُس وقت میں نے انکارِ اولیاء اللہ اور وہابیت سے فوراً توبہ کی اور بیعت کے لئے التجا کی۔ آپ نے کمال عنایت سے قبول فرمایا۔

ایک دفعہ میں اپنے گھر میں سخت بیمار ہوا۔ میں اور میرے اقربا زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اور سخت ضعف مجھ پر طاری ہوا۔ اس حالت میں حضور کی طرف میں نے خیال کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور تشریف لے آئے ہیں۔ آپ کا چہرہ مبارک اس قدر روشن تھا۔ کہ تمام گھر منوّر ہوگیا۔ بمجرد زیارت فیض بشارت سے مجھے ایسی کیفیت حاصل ہوئی اور وجد ہوا کہ میں اپنے آپ سے گم ہوگیا۔ جب اس بیخودی سے مجھے ہوش آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اُٹھ کر حضور کی قدمبوسی کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی لیٹے رہو۔ اور خاطر جمع رکھو کہ تیرا مرض خدا تعالیٰ نے دُور کر دیا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میں نے اپنے بدن میں طاقت پائی اور مرض بھی اُسی روز دُور ہوگیا۔ آپ کی کرامتیں اصل فارسی کتاب میں درج ہیں وہ اس قدر ہیں کہ اگر سب تحریر میں لائی جائیں تو ایک علیحدہ کتاب بن جاتی ہے۔ لہٰذا ان دو چار ہی کرامتوں پر تبرکاً اختصار کیا جاتا ہے۔

پیرِ روشن ضمیر

از مولانا نور احمد چنیوٹی

سلالہ ہے اولادِ یٰسین کا — خبردار ہے جد کے آمن کا
جگر گوشہ شاہ بدر و حنین — گلِ سرسبز چمن حسن و حسین
ثمر فاطمہ زوجۂ حیدری — عجائب گل از گلشن سامری
ہے نام اس کا مشہور اور منجلی — باطراف خواجہ امام علی
امام علی پیرِ روشن ضمیر — بفلکِ ولائت چوں بدرِ منیر
خبردار ہے سرّ ملکوت کا — ہے ملاح کشتیٔ جبروت کا
زبس چوں بلند اس کا پرواز ہے — وہ اوجِ ہویت کا شہباز ہے
ہے وحدت کے دریا کا دُرِّ یتیم — حقیقت کے بیشہ کا شیر عظیم ہے
شناور ہے دریائے لاریب کا — پیارا ہے بس عالم الغیب کا
کمال اسکا والا ہے ادراک سے — کہ سیر اس کا بالا ہے افلاک سے
کہاں لائیں ہم ایسا فکر و فہم — کمالات اس کے کرے جو فہم
ہے جسم شریفش چوں جاں شریف — لطیفے مقدس سے بھی ہے لطیف
لطیفے مقدس سے جب وہ بنا — ہووے ہم سے کب اسکی مدح و ثنا
وہ سب دلیوں کا آج سردار ہے — مجدد کی نسبت کا مختار ہے
جو تھا شجرۂ نقشبندی کہن — ہوا اس سے سرسبز اور بیخ و بن

وہ تخت ولائت پہ سلطان ہے آج
اور اقلیم دل پر اسی کا ہے راج

سادات مکان شریف کے مختصر حالات

منقول از

تذکرۂ بے مثل راجگانِ راجور

۱۳۲۵ھ ——— ۱۹۰۷ء

مؤلفہ: مرزا ظفر اللہ خاں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سب جج مرحوم

•

کتاب کا موضوع نام سے ظاھر ہے۔ راجگانِ راجور کا خاندان حضرت قیوم عالم سیّد امام علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا مرید و عقیدتمند تھا۔ اس لئے مؤلف نے اپنے خاندانی تذکرہ میں سادات مکان شریف کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔ ہم بھی اس کے ص۵۰۷ سے ص۵۲۷ تک کا پورا مضمون ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

مؤلف نے قیوم عالم قدس سرہٗ اور ان کے بعد کے جو حالات تحریر کیے ہیں، اپنے بزرگوں سے سُنے ہوئے اور خود اپنی آنکھوں دیکھے ہیں۔ اس لئے خاص اہمیّت رکھتے ہیں۔ صاحب تذکرہ (مرزا ظفر اللہ خاں) ۱۸۵۷ء میں بمقام رہلو پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر تھوڑا عرصہ مکان شریف میں بھی پڑھتے رہے۔ اپنے نانا کے حقیقی بھائی مرزا غلام محمد خاں سے علم طب اور فارسی، عربی کی تعلیم حاصل کی۔ قطب زماں حضرت سیّد صادق علی شاہ قدس سرہ کے شاگرد و مُرید تھے۔ اور علماء و صلحاء سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ مؤلف نے اپنا تذکرہ کتاب مذکورہ کے ص۴۷۲ تا ص۴۸۲ مفصل تحریر کیا ہے۔

(ناشر)

حضرت قطب الاقطاب نیر فلک ہدایت لم یزلی

سیّد امام علی شاہ صاحب

حسینی، السامری، النقشبندی، مجدّدی

اگرچہ اس مختصر کتاب میں حضرت اقدس کا ذکر دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے لیکن اس خیال سے کہ اس خاندان کا بہت سا تعلق رہا ہے اور اب تک ہے۔ بہت ہی اختصار اور ایجاز سے ہم بدیں امید ذکر کرتے ہیں کہ ہمارے لیے باعث نجات اور کتاب کے لیے موجب برکات ہو۔ اگر خدا نے توفیق رفیق کی تو ہم کسی وقت حضرت اقدس کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حضرت اقدس کا شجرہ نسب امام جعفر ثانی، امام نقی، امام تقی الجواد، امام علی موسیٰ رضا، امام موسیٰ کاظم، امام جعفر صادق، امام محمد باقر، امام زین العابدین، سید الشہداء امام حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین تک پہنچتا ہے۔ حضرت کا دودمان سندی سادات عظام سے ہے اور شجرہ طریقت حاجی حسین شاہ صاحب سے شروع ہو کر حضرت خواجہ معصوم اور وہاں سے حضرت خواجہ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور وہاں سے خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور وہاں سے حضرت امام جعفر[1] اور وہاں سے حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام حسین اور مظہر العجائب والغرائب حضرت علی ابن

---

[1] امام جعفر صادق سے خواجہ قاسم پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم تک حسب مدارج بالا پہنچتا ہے مگر صاحب "راجگان راجور" نے حضرت امام جعفر صادق سے حضرت علی رضی اللہ عنہما تک پہنچایا ہے جو شجرہ طریقت کے مطابق نہیں ہے (ناشر)

ابی طالب تک پہنچتا ہے۔ ہم نے ہر دو شجروں کا ذکر نہایت ہی مختصر طور پر کر دیا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے درمیانی نام چھوڑ دیئے ہیں۔ حضرت کے بزرگ اوّل (سیّد دانیال) حرمین الشریفین سے اٹھ کر سامرہ نواح بغداد میں تشریف لائے اور ایک عرصۂ دراز تک وہاں مقیم رہے۔ ۸۲۰ھ ۱۴۱۸ء بعہد سلطنت سیّد خضر خاں ولد سلیمان خاں حاجی حرمین الشریفین سید دانیال بطور سیر و سیاحت ہندوستان میں تشریف لائے۔ دہلی میں آکر چندے اقامت کی۔ وہاں سے ایک بزرگ حاجی سیّد مسعود تھے۔ جنہوں نے اُن کو اپنی دامادی کے شرف سے مشرف کیا۔ وہاں اُن کے تین فرزند ارجمند پیدا ہوئے۔ سیّد غفور، سید تغور، سید خواجہ حاجی سید مسعود کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس لیے اوّل الذکر ہر دو صاحبزادگان کو انہوں نے اپنے پاس بطور فرزندان رکھ لیا اور چند عرصہ کے بعد حاجی سیّد دانیال معہ سیّد خواجہ دہلی سے پنجاب کو آئے۔ موضع دہر موچک میں پہنچے۔ تو وہاں کا رئیس مسمی تہراج لاولدی کے غم میں مبتلا تھا۔ اس نے حضرت کو درویش کامل سمجھ کر بہت خاطر تواضع کی اور اس کی عورت نے بڑی التجا سے اولاد نرینہ کے لیے دعا کرائی۔ آپ نے بعد دعا فرمایا کہ تم کو دو لڑکے توام پیدا ہوں گے۔ ایک سالم الاذن اور دوسرا بلا اذن یعنی بوچہ۔ یہ دوسرا لڑکا ہم کو دے دینا۔ ان دونوں نے بڑی شکر گزاری کے ساتھ منظور کیا۔ پھر آپ وہاں سے آگئے۔ اور اُس جگہ قیام کیا جو اب موضع رتڑ چھتڑ عرف مکان شریف کے نام سے مشہور ہے اور متصل ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور میں واقعہ ہے۔ نو دس ماہ کے بعد تہراج کے گھر خدا نے توام دو فرزند بخشے۔ جن میں سے واقعی ایک بوچہ تھا۔ حسب وعدہ ان کے والدین نے بوچہ[1] پسر حضرت

---

[1] پہلے بوچہ کے والدین دوسرا بچہ لائے اور کہنے لگے وہ بیمار ہے۔ آپ نے فرمایا بیمار تو وہی ہے چنانچہ گھر گئے تو بوچہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس کا نام لے کر اٹھایا تو تندرست ہو گیا۔ بچہ تو دیا مگر یہ کہا کہ اس کو درویش نہ بنانا حبٹ بنانا۔ چنانچہ وہ بچہ بہت بڑا زمیندار اور بزرگ ہوا۔

کی خدمت میں حاضر کر دیا اور وہ پیر بوچہ کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ حضرت ہی کی خدمت میں رہا۔ اس کی اولاد اب تک کئی دیہات میں آباد ہے۔ اور پیر بوچہ کی قبر بڑی شاندار بنی ہوئی متصل خانقاہ حضرت دانیال اب تک مکان شریف میں موجود ہے۔ حضرت دانیال بڑے متبرک الانفاس زاہد عابد متقی تھے۔ آپ نے چالیس حج کیے تھے۔ حضرت دانیال نے ۸۹۶ھ میں انتقال کیا۔ اُن کی تاریخ رحلت یہ ہے۔

حضرت دانیال شاہِ زمن — شد مکیں مکان خلد بریں
بکلم دکاست گفت ہاتفِ غیب — سال ترحیل اوست خلدِ بریں

حاجی دانیال کے بعد اس کے فرزند سید خواجہ کاروبار زراعت میں مصروف ہو گئے۔ حاجی دانیال کے بہت سے مرید بھی آپ کی خدمت کرتے تھے۔ سید خواجہ نے ۹۰۴ھ میں رحلت کی۔ آپ کے واحد پسر ابوالمعالی جانشین ہوئے۔ انہوں نے ایک گاؤں سلیم پور آباد کیا۔ جو بالآخر غیر آباد ہو گیا ہے۔ اور اب بھی ایک کنواں ملّی والے کھوہے کے نام سے اس کا نشان باقی ہے۔ ان کے چار لڑکے تھے۔ سید عارف، سید زاہد، سید بلاقی، سید مرتضیٰ۔ منجملہ ان کے سید عارف کے پانچ فرزند ہوئے جن میں سے سید شاہ محمد بڑے زاہد، متقی، صاحب علم و فضل اور باکمال مشہور ہوئے ہیں۔ سید شاہ محمد ۱۰۸۶ھ میں تولد ہوئے۔ بڑے ہو کر علوم ظاہری کی تحصیل کی۔ اس سے فارغ ہو کر علوم باطنی کی تکمیل کی۔ اور مجاز طریقہ ہو کر طریق دعوت حقہ الاسلام اختیار کیا۔ چند ہی روز میں آپ کا شہرہ عام ہو گیا۔ اطراف واکناف عالم کے لوگ آتے اور فیض پاتے تھے۔ بعد چندے بھائیوں سے کسی بات پر ملال ہوا۔ آپ نے یہاں کی سکونت چھوڑ دی اور زمینات و جائداد سب بھائیوں کے پاس چھوڑ کر کسی طرف چلے گئے۔ مگر آپ کا شہرہ دُور دُور تک پہنچا ہوا تھا۔ آخر سب نے منت سماجت کی اور سردار ندہان سنگھ و راجہ گھمنڈ رچند والیِ ریاست چمبہ نے بوساطت شیخ قطب الدین آپ کو واپس

آنے کی درخواست کی اور ۱۰۰ بیگھہ زمین بطور معافی پیشکش کی۔ یہ سند عطائے معافی ۱۵ اسوج ۱۷۹۵ء کی ہے۔ پھر ہاڑ ۱۷۹۸ء ۱۰۰ بیگھہ اراضی موضع حبیٹر میں اور ۵۰ بیگھہ اراضی واسطے تعمیر باغ کے خاص رتڑ چھتڑ میں عطا کی گئی۔ اس کے بعد ۱۳ شوال ۱۹ جلوس میں ایک پٹہ بابت موضع ننگل رائے چند وچند دمعین پرگنہ کلانور کا مہری اسداللہ خاں بعہد بادشاہ محمد غازی عطا ہوا۔ اور ایک پٹہ بحکم نواب سعیدالدین خاں مہری راجی سہائے و داد خاں عطا ہوا اور بہت سے دیگر مواضعات میں زمینیں زرخرید کیں۔ کوٹ میاں صاحب والہ مسجد و چاہ و باغ تعمیر کیے۔ الغرض آپ کا عہد بڑے عروج کا تھا۔ آپ نے ۱۰ ماہ ذیقعد ۱۱۸۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے پانچ فرزند رشید تھے۔ کرم کریم۔ لطف کریم۔ شاہ کریم۔ میر کریم، فضل کریم آپ کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے ایک مدرسہ دھرم کوٹ میں جاری کیا اور وہاں ایک پختہ مسجد تعمیر کی۔ جو اب تک موجود ہے۔ سید لطف کریم نے ۱۱۸۶ھ میں انتقال کیا۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ سید نذر علی۔ سید فرزند علی۔ سید فرزند علی کے دو پسران تھے۔ سید حیدر علی حکیم حاذق سید مراد علی خود ملک سندھ کی طرف چلے گئے۔ اور یہ دونوں بچے نابالغ رہ گئے۔ اس زمانہ بوجہ بادشاہ گردی و منازعت باہمی جائداد و املاک جس قدر تھے برباد ہو گئے۔ اراضیات پر مزارعان نے قبضہ کر لیا۔ تھوڑی سی زمین خاص رتڑ چھتڑ کے ان سادات کے پاس رہ گئی۔ اور کچھ حصہ موضع چند دمعین یعنی منج کا اور کچھ معافی زیر قبضہ رہی۔ سید حیدر علی شاہ صاحب کے گھر خدا نے دو فرزند عطا کیے۔ جن میں سے ایک آسمان رشد و ہدایت اور برکت و عظمت کا آفتاب عالمتاب ہونے والا تھا۔ یعنی حضرت اقدس مولانا مخدومنا سید امام علی شاہ صاحب ۱۲۱۲ھ میں رونق بخش جہاں ہوئے۔ اور ۱۲۱۸ھ میں سید غلام علی شاہ تولد ہوئے۔ ۱۲۲۶ھ میں سید حیدر علی شاہ نے انتقال کیا۔ اس وقت حضرت اقدس کی عمر چودہ سال کی تھی۔ اور غلام علی شاہ آٹھ سال کے تھے۔ حضرت نے حسب معمول تعلیم شروع کی ہوئی تھی۔ پہلے درسی

کتابیں مولوی فقیر اللہ صاحب دھرم کوٹی سے اور کتب طب حافظ محمد رضا صاحب کالہ والہ سے پڑھیں۔ اور کچھ کتابیں مولوی نور محمد صاحب چشتی سے مطالعہ کیں۔ جودت طبع اور ذہن کی رسائی ابتدا ہی سے انتہا درجہ کی تھی۔ جو ہم سبقوں کے لیے باعث رشک اور استادوں کے لیے باعث مسرت و مزید عنایت تھی۔ اشعار کا بھی ابتدا میں شوق تھا۔ اور خود بھی فی البدیہہ شعر فرمایا کرتے تھے[1]۔ جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تو آپ کی والدہ ماجدہ ہر دو صاحبزادگان کو لے کر اپنے والدین کے پاس چلی گئیں۔ ان دنوں میں قحط نمودار رہا۔ حضرت اقدس اپنے حصہ کا کھانا محتاجوں کو دے دیا کرتے۔ جب اُن کے نانا صاحب کو یہ خبر ہوئی۔ تو انہوں نے محبت اور مہربانی سے دو چند سہ چند ان کا کھانا مقرر کر دیا۔ اور فرمایا کہ خود بھوکا رہنا مناسب نہیں ہے۔ دو ڈھائی سال کے بعد یہ صاحبزادگان معہ والدہ ماجدہ واپس تشریف لے آئے۔ ان ایام میں حضرت حاجی سید حسین علی شاہ صاحب کملائے زمانہ سے مکان شریف میں تھے۔ یہ حضرت اقدس کے رشتہ میں بزرگ تھے۔ یعنی شاہ محمد صاحب کے پوتے اور میاں کریم کے بیٹے ایک دن حضرت اقدس کتاب بغل میں دبائے دھرم کوٹ جا رہے تھے۔ کہ حضرت شاہ حسین کی نظر عنایت پڑ گئی۔ وفور مہربانی سے فرمایا۔ صاحبزادے کون سی کتاب پڑھتے ہو۔ آپ نے عرض کیا کہ فلاں کتاب۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ مثنوی مولانا روم صحت عقائد اور صفائی روح کے لیے برگزیدہ کتاب ہے۔ اس ارشاد نے دل پر گہرا اثر کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے چند ابیات مثنوی پڑھے۔ اور اُس کے

---

[1] ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مولانا محمد اعظم ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ تلاشِ حق میں حضرت اخون صاحب کے ہاں علاقہ پشاور جا رہے تھے، ایک رات مکان شریف ٹھہرے تو انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اس وقت قیوم العالم سندنا امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فی البدیہہ درج ذیل شعر ارشاد فرمایا۔

در کوہ چہ می روی بمن باش — امروز معاذ اندر جبل نیست

(ناشر)

معنوں کی تقریر بہ طرز عارفانہ و عاشقانہ ایسی کی کہ حضرت اقدس تڑپ اٹھے۔
اور دل میں کچھ ایسی کشش پیدا ہوئی کہ جی بے اختیار ہو گیا۔ پھر تو یہ وتیرہ ہو گیا
کہ حضرت اقدس ہر روز حضرت شاہ صاحب کے حضور میں حاضر ہوتے۔ اور مثنوی
سناتے۔ اور معنی مثنوی سے فیض یاب ہوتے۔ کچھ عرصہ اس طرح گزرا۔ آخر کشش
صادق اور محبت تامہ پیدا ہو گئی۔ اور آپ نے شاہ صاحب سے بیعت کر کے خدمت
گزاری پیر روشن ضمیر کمر ہمت باندھ لی۔ شب و روز حاضر حضور رہتے اور مجاہدات
و ریاضات شاقہ میں مصروف رہنے لگے۔ حضرت شاہ صاحب سپاہیانہ اطوار
رکھتے تھے۔ ایک گھوڑا نہایت عمدہ ہر وقت پاس رہتا تھا۔ اور ہتھیار بھی زیب و
تن رہتے تھے۔ حضرت اقدس نے گھوڑے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ صبح سے
شام تک سوائے اوقات نماز کے گھوڑے کی خدمت کرتے۔ رات کو جب حضرت
شاہ صاحب آرام فرماتے۔ تو آپ موضع کہنہ کی ڈھاب پر جو جنگل میں تشریف
لے جاتے۔ اور تہجد کے وقت تک وہاں گوشۂ تنہائی میں ذکر و فکر میں مشغول
رہتے۔ نماز تہجد کے وقت آ کر نماز صبح سے فارغ ہو کر گھوڑے کی خدمت
شروع کر دیتے۔ گھوڑے کی لید اور پیشاب بھی زمین پر نہ گرنے دیتے۔ اور
آپ خود اُسے اٹھا کر حدود مکان شریف سے باہر پھینک آتے۔ عزیز و اقارب
یہ حال دیکھ کر بہت حقارت سے تمسخر کیا کرتے تھے۔ مگر آپ نے کبھی اس کا
غصہ نہ کیا۔ حضرت شاہ صاحب جب یہ واقعہ سنتے تو مسکرا کر فرماتے کہ یہ صاحبزادہ
جو آج اس گھوڑے کا میلا اٹھاتا ہے۔ کل اس کا بول و براز اٹھانا لوگوں کے
لیے باعث فخر و مباہات اور ذریعہ نجات ہوگا۔ الغرض حضرت اقدس نے وہ مجاہدات
اور ریاضات شاقہ کیں جو آپ ہی کا حصہ تھا۔ کئی کئی روز فاقہ گزرتا۔ اور آپ کو
معلوم بھی نہ ہوتا۔ کسی دوسرے کان تک اس کی خبر نہ ہوتی۔ حضرت شاہ صاحب
اکثر اوقات سفر میں تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت اقدس معہ دو تین اور
خدام کے ہم رکاب ہوتے۔ ایک بار حضرت شاہ صاحب علاقہ گڑھی کریال

بمقام سموال حافظ محمود صاحب کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب
اس وقت گراں قدر مشائخ سے تھے۔ حافظ صاحب نے حضرت اقدس کے حق
میں بہت لمبی دعا فرمائی۔ الغرض اس طرح کئی سال گزرے۔ ایک دفعہ حضرت
شاہ صاحب موضع مونڈھ کو تشریف لے گئے۔ حسب معمول حضرت اقدس
بھی ہمرکاب تھے۔ آپ کے علاوہ ایک شخص غلام محمد بھی ہمراہ تھا۔ جس پر
حضرت صاحب کی مہربانی تھی۔ اس کے علاوہ اور خدام بھی تھے۔ گھوڑے
کے علاوہ ایک بہلی بھی ہمراہ تھی۔ جس پر حضرت شاہ صاحب سوار ہوا کرتے
تھے۔ اور اس کے چلانے کی خدمت غلام محمدؐ کے متعلق تھی۔ ایک رات کو ایک
مقام پر گاؤں سے باہر قیام ہوا۔ حضرت شاہ صاحب قرآن نہایت خوش الحا
سے رات کو پڑھا کرتے تھے اور جس وقت طبیعت میں بے خودی پیدا ہوتی اور
کوئی خاص وقت آتا۔ تو آپ وجد میں آکر مثنوی کے اشعار پڑھنے شروع کر
دیتے۔ یہ ایک خاص علامت خاص وقت کی تھی۔ اُس رات کو حسب معمول پہلے
آپ نے تلاوت قرآن شروع کی اور پھر بڑے زور سے مثنوی مولوی معنوی پڑھنے
لگے۔ اسی حالت میں آواز دی کہ غلام محمد ہے۔ اپنی بد قسمتی سے غلام محمد کسی ضر
کے لیے باہر چلا گیا ہوا تھا۔ حضرت اقدس نے ادب سے عرض کیا۔ کہ غلام مو
نہیں۔ مگر غلام حاضر ہے۔ حضرت شاہ صاحب جواب سن کر پھر اپنے کام میں ل
گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر آپ نے غلام محمد کو آواز دی اور وہی جواب آیا کہ غلام محمد
تو نہیں غلام حاضر ہے۔ یہ سن کر پھر آپ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر
نے غلام محمدؐ کو پکارا اور وہی جواب پایا۔ تب آپ نے فرمایا کہ جسے خدا دے
اُسے کون روک سکتا ہے۔ یہ کہہ کر ارشاد کیا کہ تم ہی آجاؤ۔ حضرت اقدس دبا
طور سے حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے ہاتھ میں ہاتھ پکڑ لیا۔ اور پھر
تک یہی حالت رہی۔ صبح صادق تک یہی بازار فیض رسانی و فیض گری گرم رہا
اور داد شدِ کمالات معنوی ہوا کی۔ صبح کو جب آپ بہلی پر سوار ہوئے۔ اور

حسب معمول غلام محمد اسی خدمت کے لیے آگے بڑھا۔ تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب یہ مقام صاحبزادہ کا ہے اور حضرت اقدس کو بہلی پر سوار ہونے کا ارشاد کیا۔ حضرت اقدس بہلی پر چڑھے تو ایک طرف ہو کر بیٹھے تاکہ پیر کی طرف پیٹھ نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب تم بلا تکلف بیٹھو۔ تمہاری پیٹھ اور منہ یکساں ہے۔ الغرض اُس وقت آپ نے حضرت اقدس کو مجاز فرمایا۔ اور اجازت دی۔ کہ اب ہمارے پاس رہنے کی ضرورت نہیں! اور اب طریق ہدایت خود جاری کرد۔ مگر حضرت اقدس نے پیر کی مفارقت گوارہ نہ کی۔ اور تاحیات حضرت شاہ صاحب کی خدمت بابرکات میں حاضر رہے۔ اب اگرچہ وہ خدمت اُن سے لے لی گئی تھی۔ اور آپ خاصان میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن آپ ہمہ تن مصروف خدمت گزاری رہے۔ یہاں تک کہ حضرت شاہ صاحب نے رحلت فرمائی۔ حضرت اقدس پر اس دوری صوری کا صدمہ بہت شاق گزرا اور آپ نے آبادی چھوڑ کر عموماً جنگل میں رہنا شروع کیا۔ دو سال اسی طرح گزرے۔ اکثر حضرت شاہ صاحب کے معتقدین آپ کے پاس آتے! اور آپ کو مجبور کرتے کہ آپ طریق ہدایت جاری کریں۔ مگر آپ انکار کرتے۔ دو سال کے بعد حضرت شاہ صاحب نے خواب میں آپ کو سخت تاکید فرمائی۔ اور ارشاد کیا کہ خداوند کریم نے تم کو یہ دولت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ اس لیے نہیں دی کہ اس کو خزینہ دفینہ کی طرح محفوظ رکھو۔ بلکہ تمہارا فرض ہے کہ اس دولت سے لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ آپ گھبرا کر اُٹھے اور مکان شریف کو تشریف لائے۔ اسی رات کو حضرت شاہ صاحب نے سید بہادر شاہ صاحب اور میاں حبیب اللہ کو عالم رویا میں آنحضرت کے پاس حاضر ہونے کی تاکید اور ہدایت فرمائی تھی۔ جب حضرت اقدس مکان شریف تشریف لائے تو یہ ہر دو صاحبان حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ عرض کیا۔ حضرت اقدس نے اس کی تصدیق کی اور اُن کو بیعت کی عزت سے مشرف کیا۔ اس روز سے اشاعت طریقہ انیقہ شروع ہو گئی۔ اور لوگ باریاب ہو کر فیض پانے لگے۔ ابتدا میں چند آدمی

مرید ہوئے۔ اس وقت مائی صاحبہ چکی پیستی اور روٹی پکاتیں اور مریدین اور مسافرین کو کھلائی جاتی۔ پھر دن بدن معتقدین کی تعداد بڑھنے لگی۔ تو درویش چکی پیستے اور روٹی اندر سے پک کر آجاتی۔ پھر اُس سے بھی کام نہ چل سکا۔ تب ایک خراس لگایا گیا۔ جسے درویش چلاتے اور آٹا پیسا جاتا۔ اور تنور لگایا گیا جس میں روٹیاں لگائی جاتیں۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہوئی کہ دو تین خراس رات دن چلتے رہتے اور تین چار تنور ہر وقت گرم رہتے اور دیگیں گوشت اور دال کی چڑھی رہتیں۔ اور ہر وقت کھانا تقسیم ہوتا رہتا۔ لوگوں کا وہ رجوع ہوا کہ پنجاب، ہندوستان، افغانستان، بلخ، بخارا، ترکستان اور عرب کے لوگ جوق در جوق درِ اقدس پر پڑے رہتے تھے۔ امراء، علماء، صلحا، حفاظ، قراء، تجار زراعت پیشہ الغرض ہر قسم کے ہر ملک کے آدمیوں کا وہاں مجمع نظر آتا تھا۔ اور تمام باوجود مختلف ممالک، مختلف اقوام اور مختلف امزجہ ہونے کے۔ ایک رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے تھے درویشی میں بادشاہی اور بادشاہی میں درویشی یہاں ہی تھی۔ دنیا کی کوئی نعمت نہیں جو یہاں نہ تھی۔ دنیا کی کوئی چیز نہیں جو یہاں نہ ملتی تھی۔ دیگیں جو روزمرہ چڑھتی تھیں۔ اتنی اتنی بڑی تھیں کہ دو دو آدمی اُن میں بیٹھ کر صاف کرتے تھے۔ میں نے اپنی صغیر سنی کے وقت وہ آخری زمانہ دیکھا ہے۔ تین تین سو بکرا روزمرہ ذبح ہوتا۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ اسی پر باقی اجناس کا قیاس کر لینا چاہیے۔ باوجود اس ثروت اور تمول کے فقر و درویشی کا عجب نمونہ تھا۔ سب لوگ خاک نشین تھے۔ اپنے ہاتھ مٹی اور گارے کے کام کرنے سے بھی عار نہ تھی۔ کسی قسم کا تکلف نہ تھا۔ حضرت اقدس خود بالکل سادہ اور بے تکلف رہتے تھے۔ مٹی اور اینٹوں کی ٹوکریاں اٹھانا امرا، علماء، حفاظ، تجار باعثِ فخر اور موجب نجات سمجھتے تھے۔ ادب کا جو شان وہاں دیکھا گیا۔ دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آیا۔ شغل و ذکر کا چرچا ہر وقت رہتا تھا۔ کوئی لمحہ کسی کا بیکار نہیں جاتا تھا۔ اوقات کی پابندی حیرت انگیز تھی۔ الغرض جو کچھ وہاں دیکھا گیا نہ کہیں دیکھا نہ سنا نہ آئندہ دیکھنے کی توقع۔ ایک شان کبریائی تھی۔ بیل، گائے، بھینس، بکریاں، بھیڑیں، گدھے

بہلیاں، رتھیں، بگیاں، پالکی، فنس، ہوادار۔ سب کچھ اس قدر تھا کہ کسی ریاست میں بھی اس قدر نہ ہوگا۔ ہاتھی بھی رہے اور در اقدس پر بندھے رہے۔ الغرض خدا نے اس شاہ طریقت اور آفتاب ہدایت کو دینی اور دنیوی بادشاعت عطا کی تھی۔ نہایت عالیشان حویلی اور بہت بڑی مسجد باغ اور دیگر مکانات تعمیر ہوئے۔ تعمیر کا کام ہر وقت جاری رہتا ہے۔ باایں کثرت مکانات لوگوں کی بہتات سے بھر جاتے رہائش کی قلت رہتی تھی۔ حضرت اقدس کے مزاج نہایت نفیس بڑے معاملہ فہم تھے۔ سخاوت۔ حلم۔ شجاعت۔ انکسار۔ تواضع۔ مروت۔ خاص کر آپ کے حصہ کی چیزیں تھیں۔ آپ کے خرق عادات اور کرامات بے شمار تھیں۔ جس خوش نصیب کو حضور کی سوانح عمری لکھنے کا فخر حاصل ہو۔ وہ ان تمام واقعات کو لکھ سکتا ہے۔ آپ کے چالیس خلفائے مجاز تھے اور ہزارہا مرید۔ باوجود اس عظمت و شان کے آپ کے منہ سے کبھی تفاخر یا تعلی کی بات نہیں نکلی۔ آپ ہمیشہ علماء اور سادات کا ادب کرتے تھے۔ ہر ایک مہمان کی اعلیٰ قدر مراتب تواضع ہوتی تھی۔ یہ بھی عادت مبارک تھی کہ ہر ایک مہمان کی رخصت کے وقت مشایعت کی جاتی۔ ہزاروں آدمی آستانہ مبارک پر پڑے رہتے تھے۔ اور کھانا اور کپڑا پاتے تھے۔ کبھی کسی امر کے لیے سوال نہیں کیا۔ لنگر میں کبھی تو گوشت پلاؤ ہوتا اور کبھی صرف نخود ابلے ہوئے۔ کبھی ایسا وقت بھی ہوتا کہ فاقہ گزر جاتا۔ جو کچھ آتا خلق اللہ کے مصرف میں خرچ ہو جاتا۔ علماء اور صلحاء کی خدمت بھی نقد و جنس سے کی جاتی کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا۔ باوجودیکہ آپ کی طبیعت نہایت نرم اور دل نہایت رحیم تھا۔ مگر رعب و جلال کا یہ حال تھا۔ کہ ہزاروں آدمی مجلس میں جمع رہتے۔ مگر کسی کا سانس بھی اونچا نہیں نکلتا تھا۔ تمام حضار سر پر چادریں اوڑھے، سر خم کیے مراقبہ کی صورت دو زانو بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ جب کوئی باہر سے آیا بچاس سو قدم پر جوتا اتار دیا اور جہاں حضرت پر نظر پڑی وہیں ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ مجلس مبارک میں سوائے شریعت یا طریقت کی باتوں کے کوئی بات

نہیں ہوتی تھی۔ پنجگانہ نماز کا وقت عجیب رونق و برکت کا ہوتا تھا۔ بڑے بڑے قرّاء اور حفاظ کا مجمع رہتا تھا۔ یہ مضمون کہ نماز مسلمان کے لیے معراج ہے وہاں ہی صادق آتا تھا۔ تمام نمازی محویت کے عالم میں ہوتے تھے۔ حضرت پانچوں وقت کی نماز مسجد میں باجماعت ادا فرماتے۔ رمضان المبارک اور دیگر بڑے دنوں میں ایک خاص اہتمام ہوتا تھا۔ الغرض وہاں کا عالم عالم دنیا سے جدا ہی نظر آتا تھا۔ ہر وقت انوار برستے معلوم ہوتے تھے۔ مکان و مکیں۔ آبادی و دشت ذکر الٰہی سے گونجتے رہتے تھے۔ اس خاندان[1] کے تمام ممبر ۱۸۵۶ء میں آپ کے حلقہ مریدی میں داخل ہوئے۔ ۱۸۵۵ء میں آپ کی اور آپ کے فرزند اعظم و اقدم مخدوم عالم حضرت سید صادق علی شاہ صاحب کی شادی بمقام ریلو[2] بخانہ مرزا محمد نواب خاں و مرزا محمد یحیےٰ خاں ہوئی۔ اور اس وقت سے اس خاندان کے تعلقات زیادہ تر بڑھ گئے۔ وفات سے پانچ سال پہلے حضرت اقدس کو وجع الفواد شروع ہوگیا۔ ہر چند حکمائے حاذق و اطبائے لائق موجود تھے۔ مگر مرض میں کمی نہ ہوئی اس وقت حضرت اقدس نے اپنے فرزند ارشد کو پیش امام مقرر کیا۔ حضرت اقدس تکلیف کی حالت میں بھی مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے پانچویں سال رمضان المبارک میں تکلیف زیادہ بڑھ گئی۔ اور آپ نے ایما اور اشارہ سے اپنی رحلت کی اطلاع دے دی۔ باوجود تکلیف کے آپ ہر روز مسجد میں تشریف لاکر تراویح بحالت قیام ادا فرماتے رہے۔ اس سال بھی حسب معمول دوبار ختم قرآن ہوا۔ عید کی نماز حضرت اقدس نے تکلیف کی حالت میں پڑھی۔ اور دولت سرا میں تشریف لے جاکر باہر قدم رنجہ نہ فرما سکے۔ مریدان خاص کی طلبی کے خطوط لکھوائے گئے۔ جس کا سرنامہ یہ تھا۔ " نماز فرض خدا قضا بود لیکن نماز صحبت

---

[1] اس خاندان سے " راجگان راجور" کا خاندان مراد ہے۔ ۱۲ (ناشر)

[2] علاقہ ریلو ضلع کانگڑہ میں ہے اور خاص کانگڑہ سے ۱۱ میل جانب شمال واقعہ ہے۔

ما را قضا نخواہد بود" اکثر خدام عید پر اور اکثر بعد عید حاضر ہو گئے۔ زیادہ تکلیف
کی حالت میں آپ اکثر یہ آیۃ شریفہ پڑھا کرتے۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ
اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔ جس روز حضرت کا انتقال ہونا تھا۔ اس سے دو روز پہلے طبیعت
میں کچھ افاقہ ہو گیا۔ بعض خواص نے عرض کی کہ بہت لوگ مشتاق قدم بوسی ہیں اگر
حضور تھوڑی دیر کے لیے باہر تشریف لے چلیں تو وہ تسلی یاب ہوں۔ آپ نے
فرمایا کہ انشاء اللہ پرسوں صبح باہر چلیں گے۔ وہ پرسوں کی صبح ایک قیامت خیز
صبح تھی۔ جس میں یہ آفتاب ہدایت دنیا ظاہری سے چھپ گیا۔ اور آپ کا جنازہ
باہر نکلا۔ انتقال کے روز عصر کی نماز تک اپنی تمام نمازیں اوقات معینہ پر ادا
فرمائیں۔ اور ہر ایک وقت وضو فرماتے رہے۔ اس روز عصر کی نماز سے فارغ
ہو کر آپ مصلیٰ پر روبقبلہ تشریف فرما تھے۔ حضرت مخدوم عالم فرزند اعظم
کو روبرو طلب فرمایا۔ تجدید بیعت کی اور آپ کو تلقین کی اجازت بخشی اور فرمایا
کہ فقیر تمہاری توبہ کا گواہ ہے۔ اور تم میری توبہ کے گواہ رہنا۔ اس کے بعد کچھ
وصیت فرمائی۔ پھر سید فخر الدین صاحب خلف الرشید حضرت شاہ صاحب مرحوم
اور سید احمد علی شاہ صاحب حکیم حاذق کو خلعت اجازت مرحمت کیا۔ اور پھر
باواز بلند پڑھا۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَآ اَوْ مِثْلِہَا
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ؁ اس کے بعد براگن پر سر رکھ کر بحالت
مراقبہ متوجہ الی ہو گئے۔ خواص معتقد حاضر تھے۔ راجہ حمید اللہ خاں نے براگن
پکڑی ہوئی تھی اور وہ جمعرات کا دن تھا۔ ۱۳ شوال مطابق ۶ مارچ ۱۸۶۶ء
ابھی آفتاب پورا غروب نہ ہوا تھا کہ یہ آفتاب عالمتاب۔ رشد و ہدایت عالم
اسباب سے غروب ہو گئی۔ براگن سے آپ گرنے کو تھے کہ سنبھال لیے گئے۔
نبض دیکھی گئی۔ تو طائر روح قفس عنصری سے آشیانہ جناں کی طرف پرواز کر
چکا تھا۔ کہرام مچ گیا۔ کسی کو سر و پا کی ہوش نہ تھی۔ جمعہ کی صبح کو حسب الفرمان کہ
ہم تیسرے روز باہر چلیں گے۔ آپ کا تابوت باہر نکال گیا۔ ہزار ہا آدمی جمع ہو گئے۔

اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ کے جنازہ کو اٹھائے۔ صندوق کے ساتھ بڑے بڑے لمبے بانس باندھے گئے۔ اور اس طرح سے عیدگاہ کے میدان میں لاکر نمازِ جنازہ ادا کر کے محاذ مسجد حجرہ شریف میں آپ کو دفن کیا گیا۔ اس کے بعد تمام مریدین اور معتقدین نے حضرت کے فرزند اعظم داقدم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت اقدس کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں۔ اور بہت سے مرثیے بنے منجملہ ان کے ایک یہ تاریخ ہے:

الا ان اولیا ما لعبد لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون

حضرت مخدوم عالم

سیّد صادق علی شاہ صاحب مرحوم

حضرت اقدس کے دو فرزند ارجمند تھے۔ اعظم و اقدم مخدوم عالم حاوی فروع و اصول، ماہر معقول و منقول حافظ قرآن حضرت سید صادق علی۔ دوسرے فضیلت دستگاہ حقائق آگاہ صاحبزادہ میر لطف اللہ۔

(دوسرے) صاحبزادہ صاحب اس وقت بہت کم سن بچے تھے۔ حضرت مخدوم عالم حضرت کے جانشین ہوئے۔ حضرت اقدس کے ابتدائی زمانہ میں ہی خاص مکان شریف میں مردانہ اور زنانہ درس[1] جاری ہو گیا تھا۔ مردانہ مکتب کے لیے بڑے بڑے علماء جلیل القدر مقرر تھے۔ اور زنانہ مدرسہ کی استانی ایک نیک بخت صاحب عصمت و عفت عالمہ تھیں۔ مخدوم عالم نے حسب معمول تعلیم شروع کی۔ چند عرصہ میں فارسی اور عربی کی پوری تحصیل کی۔ علوم ظاہری سے فارغ ہو کر علوم باطنی پر توجہ ہوئی۔ داخل حلقہ ہو کر بڑے مجاہدات اور ریاضیات شروع ہوئے۔ آپ عام درویشوں کے ساتھ گارے اور مٹی کی ٹوکری اٹھاتے اور دن بھر اس کام میں لگے رہتے۔ رات کو ذکر و شغل رہتا۔ جب یہ ابتدائی مراحل طے ہو گئے تو حضرت اقدس نے آپ کو چلہ میں بٹھلایا۔ رات دن ذکر و فکر رہتا۔ دن کو روزہ رکھا جاتا۔ پارہ نان جویں سے افطار کیا جاتا۔ ایک پارہ نان جویں سحری کے لیے ہوتا۔ مسجد کے حجرہ میں اس طرح چالیس روز گوشہ نشینی رہی[2]۔ اس محنت شاقہ اور کمی غذا

---

[1] سبحان اللہ! دین کی تبلیغ و اشاعت کا حق ان لوگوں نے ہی ادا کیا ہے۔

[2] اس گوشہ نشینی سے جاہل فقیروں جیسی چلہ کشی مراد نہیں۔ یہ حضرات سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحیح متبع تھے۔ گوشہ نشینی کے ساتھ نماز با جماعت اور دیگر مسنون اعمال کی ادائیگی پابندی سے کرتے تھے۔ (ناشر)

سے جسم نہایت لاغر اور طبیعت سخت کمزور ہوگئی تھی۔ جس روز چلہ سے نکالا تو چلنے کی طاقت نہ تھی۔ پالکی میں آپ کو باہر لایا گیا۔ جب حضرت اقدس کے حضور میں حاضر ہوئے تو حضرت اقدس نے پانچ روپیہ بطور نذر پیش کیے مخدوم عالم شرم اور ادب سے ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ اور حضرت اقدس کی طرف سے اصرار تھا کہ اپنے ہاتھ سے اٹھالو۔ آخیر بہ تعمیل ارشاد روپیہ تو آپ نے ہاتھ سے حضرت اقدس کے دست مبارک سے لے لیا مگر اسی وقت جذب و کشش کی ایسی حالت ہوئی کہ آپ حضرت اقدس کے پاؤں میں گر گئے۔ اور دیر تک رقت طاری رہی۔ آپ نے اٹھایا اور سینہ سے لگایا۔ آہ کیا خوش نصیب وہ لوگ ہیں جس کا باپ ایسا ہو اور بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں کمالات حاصل کرے۔ اس کے بعد بھی تا حیات حضرت اقدس مخدوم عالم خدمت اور ریاضیات شاقہ میں مصروف رہے۔ آپ کو سواری کا بھی شوق تھا۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں گھوڑے عمدہ سے عمدہ اصطبل میں تھے۔ آپ کو سواری میں مہارت تامہ ہوگئی۔ شریر سے شریر اور سرکش سے سرکش گھوڑا بھی آپ کے زیر ران آکر کان نہیں ہلاتا تھا۔ کبھی کبھی آپ مکتب میں جاکر مستعد طلبا کو سبق پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس نے اپنی رحلت سے چند ماہ پہلے سب گھوڑے اور مویشی کچھ فروخت کر دیئے اور کچھ دے دلا دیئے۔ درویشان مقرب سے کسی نے عرض کی کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر صادق علی میرے بعد بوجہ ضرورت ان کو فروخت کرتا تو اس کے لیے یہ بدنامی کا باعث تھا۔ اگر خدا نے اسے صاحب اقبال کیا تو خود بخود اس کے پاس سب کچھ آجاوے گا۔ الغرض حضرت اقدس نے رحلت کے وقت آپ کو مجاز کیا اور اجازت نامہ تحریری دیا گیا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آپ نے حضرت اقدس کے بعد پہلے مقبرہ بنانے کی تجویز کی۔ مریدین اور معتقدین نے بہت سا روپیہ حاضر کیا۔ اس خاندان کی طرف سے بھی پانچ ہزار روپیہ

حاضر کیا گیا تھا۔ مقبرۂ حضرت اقدس بڑا عالیشان تعمیر ہوا ہے۔ جس پر ایک لاکھ روپیہ صرف ہو چکا ہے مگر افسوس کہ ابھی تک وہ پورا مکمل نہیں ہوا۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس عالی شان حویلی میں چند ہی عرصہ میں رات کو آگ لگ گئی اور صبح ہونے تک بے خبری میں آگ نے زور پکڑ لیا۔ حویلی بھی ایک عالیشان قلعہ تھا۔ اس کی آگ بجھانی آسان نہ تھی۔ مخدرات عصمت کو کچھ تھوڑے اسباب کے ساتھ اس سے نکال کر تنور والی حویلی میں لایا گیا۔ اور وہ تمام عالی شان مکان معہ اسباب و سامان جل کر خاکستر ہو گیا۔ حضرت اقدس کا وہ خیال پورا ہوا جس کی وجہ سے آپ نے گھوڑے وغیرہ علیحدہ کر دیئے تھے تاکہ باپ کی کوئی چیز آپ کے پاس نہ رہے۔ اور سب کچھ نیا، خدا عنایت کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مخدوم عالم نے حویلی کو اس سے بھی زیادہ عالی شان اور وسیع کر کے تعمیر کیا۔ گھوڑے مویشی وغیرہ سامان بھی خدا نے پہلے سے کئی گنا زیادہ عطا کیا۔ عروج اور خرچ و اخراجات اور آمد حضرت اقدس کے وقت کے مطابق رہے۔ اور لوگ اس طرح جوق در جوق آتے اور فیض پاتے تھے۔ آپ نے بڑی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ اور ایک تصوف کے طریق پر تفسیر القرآن[1] بھی لکھی۔ سجادہ نشینی کے وقت بھی آپ کبھی کبھی طلبہ کو سبق بھی دیا کرتے تھے۔ اس خاکسار کو دعویٰ غلامیٔ مریدی کے علاوہ شاگردی کا فخر بھی حاصل ہے۔ حضرت اقدس نے اپنے وقت میں کوئی زیادہ سفر نہ فرمایا تھا۔ البتہ ہر سال کلانور تشریف لے جایا کرتے تھے اور دو تین بار رہلو جانے کا اتفاق ہوا۔ مخدوم عالم نے امرتسر، لاہور، ملتان، دہلی وغیرہ مقامات کا سیر بھی فرمایا۔ مخدوم عالم کے خوارق عادات بھی بہت ہیں۔ حضرت مخدوم عالم آخر عمر میں اکثر علیل رہا کرتے تھے۔ آپ کے خلفا بھی بہت ہیں جو بدایتہ باکمال ہیں۔

---

[1] یہ تفسیر فارسی زبان میں صرف آخری پارے کی ہے، اس کا قلمی نسخہ حضرت العلامہ مفتی محمد محمود صاحب الوری مدظلہ کے کتب خانہ میں حیدر آباد (سندھ) میں موجود ہے۔

آپ نے سنہ ۱۹۰۱ء میں اس دارِ فانی سے انتقال فرمایا۔ اور آپ کو حسبِ وصیت حضرت اقدس کے پہلو بہ پہلو اسی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کے بعد ان کے فرزندِ کلاں سید میر بارک اللہ صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ جو اب تک فیض رسانی کر رہے ہیں۔

اب ہم حضرت اقدس کی اولاد کا مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ حضرت اقدس کے تین فرزندانِ رشید ہوئے۔ سب سے بڑے حضرت مخدوم عالم جن کا ذکر ہو چکا ہے دوسرے حضرت صاحبزادہ میر لطف اللہ صاحب ہیں، جو مرزا محمد نواب خاں صاحب کے دختر زادے ہیں۔ آپ نے مکان شریف میں اوّل تعلیم پائی۔ پھر دہلی میں جا کر تکمیل کی۔ حدیث فقہ اور دیگر علوم مروجہ کی باضابطہ تحصیل کی۔ بعد ازاں علوم باطنی مختلف کملا سے حاصل کیے فی زمانناً ایسا باکمال بے نفس، بے ریا شیخ دوسرا نظر نہیں آتا۔ بایں ہمہ کمالات صوری و معنوی آپ نہایت منکسر المزاج، حلیم الطبع، بے تکلف ہیں۔ آپ کے چار فرزند ارجمند ہیں۔ ابراہیم، محمد داؤد، محمد امداد علی، محمد عبید اللہ حضرت اقدس کا تیسرا صاحبزادہ بعالم رضاعت انتقال فرما گیا تھا۔

مخدوم عالم کے چار فرزند ارجمند تھے۔ حضرت سید میر بارک اللہ سجادہ نشین، سید میر عبید اللہ، حاجی حرمین الشریفین سید میر آل رسول۔ مولوی سید میر غلام رسول متولی مسجد و خانقاہ۔ سید میر عبید اللہ اور سید میر آل رسول حاجی حافظ مرزا محمد یحییٰ خاں کے دختر زادے تھے۔ میر عبید اللہ صاحب نے آغاز شباب میں بعارضہ ہیضہ انتقال فرمایا تھا۔ ابھی تک شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ سید میر آل رسول صاحب دس سال ہوئے کہ حج کے لیے بلا اطلاع تشریف لے گئے تھے۔ بمبئی میں جا کر حصول اجازت کے لیے والدین مخدومین کے حضور میں عریضہ بھیجا چنانچہ اجازت مل گئی۔ پھر آپ نے مکہ شریف میں پہنچ کر ایک دو خط لکھے اور اس کے بعد کوئی اطلاع نہیں بھیجی۔ ہر چند تلاش ہوئی مگر آج تک اصلی او ریختہ پتہ نہیں لگا۔ حضرت میر بارک اللہ صاحب کو عربی کی پوری تحصیل ہے۔ مولانا مولوی

غلام رسول صاحب نے اول مکان شریف اور پھر دہلی میں جاکر تکمیل و تحصیل علوم عربیہ کی ہے اور آپ مسجد اور خانقاہ کے متولی ہیں۔ قرآن بھی حفظ کے کے قریب قریب یاد ہے۔ آپ بڑے خوش بیاں واعظ اور زاہد و عابد ہیں۔

اب ہم مخدوم عالم کی اولاد بطور شجرہ نسب لکھتے ہیں اور اسی پر مضمون کا خاتمہ کرتے ہیں۔

(مخدوم عالم حضرت سید صادق علی شاہ صاحب، اور دیگر خاندان کا شجرہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ اس لیے یہاں ذکر نہیں کیا)

مولوی قاری میر کرامت علی شاہ صاحب

ہم اس موقع پر اپنے مخدوم و مکرم استاذ المعظم کا ذکر کرنا اپنے لیے باعث فخر و مباہات سمجھتے ہیں۔ بڑی ناسپاسی اور ناقدر شناسی ہوگی اگر اس سے قطع نظر کیا جائے۔ مولوی قاری سید کرامت علی شاہ صاحب، کا سلسلہ نسب حضرت اقدس کے ساتھ سید لطف کریم سے جا ملتا ہے۔ ہمارے پاس جو شجرہ نسب اور خلاصہ حالات مولانا مولوی غلام رسول صاحب نے بھیجا ہے۔ اس میں تھوڑا اختلاف ہے۔ ایسے تنگ وقت کے باوجود مکرر استدعاؤں کے یہ عنایت مبذول ہوئی کہ ہم کو بوجہ طبع کتاب دریافت مکرر کا موقع نہ ملا۔ یعنی واقعات میں درج ہے کہ لطف کریم صاحب کے دو صاحبزادے تھے۔ سید نذر علی و فرزند علی اور سید فرزند علی کے پھر دو صاحبزادے ہوئے۔ سید مراد علی و سید حیدر علی۔ مگر شجرہ نسب سے پایا جاتا ہے کہ سید لطف کریم صاحب کے چار فرزند تھے۔ سید نیاز علی، سید نذر علی، سید مراد علی، سید حیدر علی۔ الغرض سید حیدر علی صاحب کے فرزند حضرت اقدس تھے اور سید مراد علی صاحب کے سید برکت علی اور ہمارے استاد سید برکت علی صاحب کے فرزند اعظم ہیں۔ گویا حضرت اقدس کے چچازاد بھائی کے بیٹے

علاوہ آپ کی شادی بھی حضرت اقدس کی صاحبزادی سے ہوئی۔

سید میر برکت علی صاحب دہلو میں مدتوں تک تشریف فرما رہے اور راجہ زادگان و مرزا زادگان کی استادی کا۔ اور تعلیم کا کام بحکم حضرت اقدس آپ کے متعلق تھا۔ جب کبھی آپ رخصت پر وطن کو تشریف لاتے تو مولوی قاری میر کرامت علی صاحب آپ کے جانشین ہوتے۔ اس کے بعد میر کرامت علی صاحب وزیر آباد میں سالہاسال تک ہم لوگوں کو پڑھاتے رہے۔ میرے ہم عمر سب آپ کی شاگردی کی عزت رکھتے ہیں۔

مولوی کرامت علی صاحب نے پہلے خاص مکان شریف میں پھر پنجاب کے بعض دیگر مقامات میں اور بالآخر دہلی میں جاکر تحصیل علم کی۔ فارسی میں آپ پنجاب بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ شاعرانہ مذاق بھی نہایت اعلیٰ ہے۔ تواریخ قصاید اور دیگر بے تعداد اشعار آپ کے موجود ہیں۔ عربی میں درجہ مولویت تک تعلیم ہے۔ قرآن پڑھنا آپ کا خاص حصہ ہے۔ پڑھانے کے جو گر اور ترکیب آپ کو یاد ہے دوسرا کوئی اس پایہ کو نہیں پا سکتا۔ تمام عمر یہی تعلیم کا کام کیا ہے۔ آپ کے دو صاحبزادوں کی شادی مخدوم عالم کی پوتیوں اور میر آل رسول صاحب کی صاحبزادیوں سے ہوئی ہے۔ اس وجہ سے اس خاندان کے ساتھ تعلق رشتہ داری بھی ہو گیا ہے۔ اب ہم میر برکت علی شاہ صاحب کا شجرہ نسب لکھ کر ختم کرتے ہیں تاکہ آپ کی اولاد کا حال معلوم ہو جائے:

شجرہ

- میر برکت علی شاہ صاحب
  - مولوی قاری کرامت علی شاہ
    - محمد یوسف (لاولد)
    - محمد مجید (لاولد)
    - محمد یونس
    - محمد حسین
    - محمد مظہر
    - محمد رشید
  - میر امانت علی شاہ
    - محمد طاہر
    - محمد ادریس
  - میر محمد یٰسین
    - محمد افضل
    - محمد اکرم
    - محمد اعظم
    - محمد امجد
    - محمد اکمل
    - محمد اشرف
  - میر محمد مکمل (لاولد)
  - میر تقی
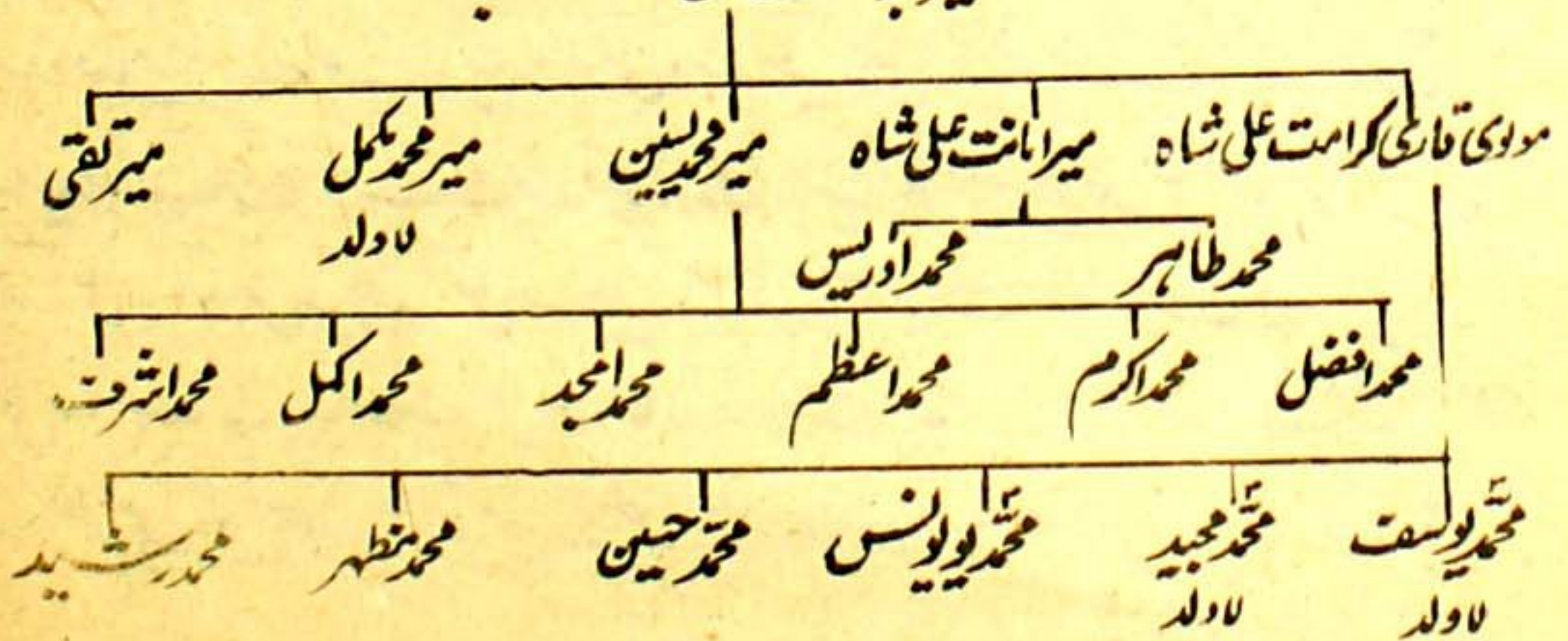
ایک نادر تحریر

(نوٹ) یہ ایک قلمی تحریر سید مظہر قیوم رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین سوم کی ہے۔ اس میں حضرت سید صادق علی، سید میر بارک اللہ اور سید میر غلام رسول رحمۃ اللہ کے حالات مختصراً درج ہیں۔)

قدوۃ السالکین حضرت سید صادق علی شاہ صاحب سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کی ولادت ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔ آپ نے اکثر علوم عربیہ مثلاً فقہ، صرف، نحو، منطق، حکمت وغیرہم مولوی غلام علی صاحب ساکن موضع لدھیوالہ ضلع گوجرانوالہ سے اپنے گاؤں قریہ طیبہ مکان شریف میں ہی تحصیل کیا اور کتب حدیث کی سند فاضل قمقام مولانا محمد مسعود صاحب جو کہ دہلی کے مشہور و معروف اساتذہ اور اعلیٰ حضرت مغفور کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ ان دنوں جبکہ فاضل ممدوح اپنے پیر بزرگوار کے آستان ہدایت نشان پر بغرض استفادہ و استفاضہ قیام پذیر تھے، حاصل کی۔ بعد از فراغ علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے گرانمایہ اوقات کا خاص شغل اشتغال فی الحقیقت والطریقت کر رکھا تھا۔ اور آپ کی بے بہا جد و جہد اکتساب علوم باطنی کے حصول و اخذ فیضان کے در پے تھی۔ حتیٰ کہ قلیل مدت میں ہی سلب لطائف کیا بلکہ جملہ مراتب سلوک طے کر کے مجاز طریق ہوئے۔ آپ اپنے والد بزرگوار قطب الاقطاب خواجہ حضرت سیدنا امام علی شاہ صاحب قدس اللہ اسرارہم کے ارتحال قلق استعمال کے بعد ۱۲۸۲ھ میں جانشین ہوئے۔ آپ کے سجادہ نشین ہونے سے بیس سال تک یہ مکان بڑا عروج و ترقی پر تھا اور ہزار ہا خلق مثمر اثمار معرفت و متمتع نتائج حقیقت ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ کی ذات ملائک صفات کے وجود باجود کے باعث اس مکان کو خاصی ترقی ہوئی۔ انہی کے زمانہ میں حضرت غوث الاغیاث سیدنا امام علی شاہ صاحب کا مزار پر انوار جو کہ پنجاب احاطہ میں اپنی بلندی اور بہتری میں نظیر نہیں رکھتا تیار ہوا۔ لیکن بعد ازاں کچھ باہمی شکر رنجی

ہونے کے باعث نسبتاً کچھ کمی واقعہ ہو گئی۔ اگرچہ آپ کی توجہ تصنیف و تالیف کی جانب نہ تھی تاہم تفسیر پارۂ عمّ[1] فارسی تصوف میں تسوید فرمائی جو قابل تحسین ہے۔ آپ پینتیس سال مسند ارشاد پر داعی الی اللہ رہ کر آخر بتاریخ ۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۷ھ مقدس شب یکشنبہ بعارضۂ بخار و استسقا اس دار فانی سے اعلیٰ علیین کو سدھارے۔ آپ کی وفات پر آپ کے صاحبزادے خورد حضرت مولانا میر غلام رسول شاہ صاحب علیہ الرحمۃ والغفران نے مختصراً ایک قطعہ لکھا ہے جو تحریر ہے:

قطعہ

چو صادق علی پیشوائے زمن
بہ یکشنبہ رفتہ در ذو المنن!
ز ماہِ رجب بست و یک بر شمار
کہ رفتہ ازیں دارِ دار المحن
غلام رسول از پئے سالِ او
بگفت الغفورست اے جانِ من
۱۳۱۷ھ

حضرت میر بارک اللہ صاحب مغفور ۱۲۷۵ھ میں تولد ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت واہ میر بشارت علی سے بحساب حروف ابجدی برآمد ہوتی ہے۔ آپ نے علوم متداولہ کی تحصیل مولوی گنج بخش صاحب ساکن جنڈیالہ ڈھاب والہ ضلع گوجرانوالہ سے کی۔ بعدش اپنے والد بزرگوار حضرت سیدنا صادق شاہ صاحب سے بیعت کی۔ اور چندیں مدت میں تمام مراحلِ سلوک طے کر کے حضرت ممدوح

---

[1] اس کا قلمی نسخہ حضرت قبلہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہٗ الوری (ابن مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس حیدرآباد (سندھ) میں موجود ہے (ناشر)

سے ہی مجاز طریق ہوئے۔ ۱۳۱۷ھ کو بعد وفات حسرت آیات آنحضرت مسندِ ارشاد پر جاگزین ہوئے۔ جملہ اہلِ پنجاب عموماً اور علاقہ بار کے لوگ خصوصاً خوش اعتقاد اور مرید تھے۔ جود و سخا غربا و مساکین کی پرورش آپ کے مزاجِ وہاج کا جبلی نتیجہ تھا۔ آپ بیس سال سجادہ نشین رہ کر بتاریخ ۲۰ محرم الحرام شب یکشنبہ ۱۳۳۷ھ بعارضہ تپ و ذات الریح واصل باللہ ہوئے۔ آپ کی وفات کا قطعہ تاریخ تحریر ہے:

قطعہ

بارک اللہ دلی و فخرِ زماں!
چوں بملکِ قدم بگشت رواں
خون فشان چشم مردماں بفراق
آسمان و زمین ہم بوفاق
طوطیِ طبع سیّد منظور!
بہرِ سالش بگفت ہو مغفور
۱۳۳۷ھ

حضرت مولانا بالفضل اولانا سید میر غلام رسول صاحب علیہ الرحمۃ والغفران ۱۲۸۰ھ مقدس میں تولد ہوئے۔ جودت و ذہانت طبع آپ کا خاص ترین بہرہ تھا۔ چنانچہ علوم عربیہ و فارسیہ کی تحصیل مولوی گنج بخش صاحب سے کی۔ اور کتب صحاح کی سند فاضلِ بے بدل مولانا محمد مسعود صاحب جو کہ دہلی کے اعلیٰ ترین فضلا سے شمار ہوتے تھے۔ خود دہلی تشریف لے جا کر حاصل کی اور بعض کتب متعلقہ منطق و حکمت مولوی محمد اسحاق صاحب منطقی سے وہیں پڑھیں۔ بعد فراغ علوم عقلیہ و نقلیہ آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت سید صادق علی شاہ صاحب سے بیعت کی۔ اور قلیل مدت میں تمام منازل و مراحل سلوک و معرفت طے کئے اور بالکلیہ اخذِ فیوض و برکات کر کے آنحضرت سے ہی مجاز طریق سلسلۂ عالیہ

نقشبندیہ ہوئے۔ آپ اپنے زمانہ کے بہترین علماء و صلحا میں سے وحید العصر تھے۔
اہل پنجاب آپ کے علم و فضل کے معترف و مقر تھے۔ اور ضلع گورداسپور کے
اعلیٰ ترین مفتی۔ چنانچہ آپ کی تحریر و تقریر کافہ علماء میں سنداً مقبول ہوتی تھی۔
قرآن شریف کے ترتیل سے پڑھنے کے باعث آپ کی ذات ستودہ صفات
کو خاص شرف و امتیاز حاصل تھا۔ بعد انتقال پُرملال اپنے والد ماجد سیدنا
صادق علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پچیس ۲۵ سال مہتدی زمرۂ انام رہ کر آخر
بتاریخ ۱۹ جمادی الاخریٰ بروز سہ شنبہ بوقت ساڑھے پانچ بجے صبح ۱۳۲۱ھ
بعارضہ دونبل پس پشت انیس ۱۹ یوم علیل رہ کر سرائے فانی سے عالم جاودانی
کو رحلت فرما ہوئے۔ قطعہ تاریخ تحریر ہے۔

قطعہ

رفت چوں سیدم غلام رسول
سوئے جنت سرا ز دار اَمل!
نوز دہم از جمادی الاخریٰ!
در رسید ش ز حق پیام اجل
بے سر و پا شدہ بماتم او!
فضل و اتقاء و حال و عمل

۱۳۲۱ھ

(یہ قطعہ تاریخ بعد وفات مولانا غلام رسول صاحب جو مولانا گنج بخش صاحب
مرحوم کے صاحبزادہ تھے نے لکھا تھا۔ گویا یہ قطعہ تاریخ حضرت میر غلام رسول
صاحب کے استاد زادہ جن کا اسم گرامی بھی غلام رسول تھا نے تحریر کیا تھا۔) (ناشر)

قطب عالم حضرت سیّد امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے

خُلَفاء

حضرت شاہ امام علی صاحب تصرف اور قوی التاثیر بزرگ تھے، آپ نے اڑتیس ۳۸ سال مسند رُشد و ہدایت کو زینت بخشی اور مخلوقِ خُدا کو فیضیاب فرمایا۔ اکثر اوقات آپ کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں طالبِ مولیٰ زیر تربیت رہتے تھے۔ اور توجہ الی اللہ کی یہ حالت تھی کہ طویل عرصہ ایک خانقاہ میں ایک ہی شیخ کی خدمت میں رہتے ہوتے ایک دوسرے سے پُورا تعارف نہیں ہوتا تھا۔ آپ خود اندازہ فرمائیں کہ ان حالات میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کا صحیح شمار اور تعارف کیسے ہو سکتا ہے۔ جس کسی نے بھی جو کچھ لکھا ہے اپنی محدود معلومات کے مطابق درج کیا ہے۔ حضرت میاں امیر الدین رحمۃ اللہ نے "چشمۂ فیض معرفت" میں انچاس خلفاء کے نام نظم کیے ہیں اور مولانا ہدایت علی نور اللہ مرقدہ نے لکھا ہے کہ آپ کے سو خلفاء تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہم نے اپنی زیرِ نظر کتب سے تلاش کر کے خلفاء کے نام ترتیب دیئے ہیں۔ اور بعد میں میاں امیر الدین مرحوم کی نظم درج کر دی ہے۔ تاکہ جو کچھ ہمیں میسّر آیا اسے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اُمید ہے کہ آپ اس حقیر کوشش کو پسند فرمائیں گے۔

(ناشر)

اسماءِ گرامی خُلفاءِ عظام

خازن کنوز الہدایت، قاسم معادن الرحمۃ، قیوم الرحمان، قطب الانس والجان، وارثِ سیّد البشر، شیخ الاجل، جامع بین الشریعۃ والطریقۃ سیدنا و مُرشدنا حضرت سیّد اِمام علی شاہ نقشبندی مجدّدی مکان شریفی قدس سرہٗ

۱۔ مخدوم العالم حضرت سیدنا صادق علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ (سجادہ نشین اوّل اور فرزندِ اکبر)

۲۔ ثمرۂ شجرِ ولایت، معالی منقبت صاحبزادہ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ فرزند پیر بزرگوار حضرت امام علی شاہ قدس سرہٗ)

۳۔ جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا محمد اعظم ٹونکی برد اللہ مضجعہ

۴۔ صفوت پناہ سیادت ونقابت دستگاہ سید بہادر علی شاہ رفع اللہ درجۃ فی الجنۃ۔ آپ کو بعد اجازت حضور نے موضع بڈو ملہی ضلع سیالکوٹ میں تلقین کے لیے رُخصت فرمایا (ص۱۲۳ خزینہ معرفت)

۵۔ الصدیق الصالح حضرت میاں خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ حقائق ومعارف آگاہ، مقبول خداوند صمد میاں عطا محمد طاب اللہ مثواہ وہرائی والا

۷۔ جامع جذب وسلوک حقائق آگاہ میاں مظہر جمال[1] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۸۔ فضیلت دستگاہ، حقائق معارف آگاہ میر احمد علی حسینی مشہدی قدس سرہٗ دھرم کوٹی

۹۔ مظہر صفاتِ ربانی، موردِ اخلاقِ سبحانی، صدر مسندِ ارشاد وہدایت مولانا محمد مسعود قدس سرہٗ دہلوی

۱۰۔ حقائق آگاہ میاں شیر محمد خاں کابلی ثم کالوی رحمۃ اللہ الباری

۱۱۔ حقائق آگاہ خدمت حافظ بڈھا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[1] ان کا اصلی نام میاں مہتاب تھا، مظہر جمال حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز فرمایا۔ مولانا محمد اعظم ٹونکی مرحوم کی وفات کے بعد حضرت نے انہیں ٹونک روانہ فرمایا۔ بڑے مؤدب بزرگ تھے۔

۱۲۔ معدنِ انوارالٰہی، مخزنِ اسرار نامتناہی میاں احمد جان قدس اللہ سرہٗ دہلوی

۱۳۔ جامع حسنات معدنِ علوم و برکات فضیلت پناہ مولانا محمد شریف بدخشانی قدس سرہٗ النورانی

۱۴۔ مجمع فضائل کاشفِ حقائق علوم مولانا نور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ سیادت ایاب حقائق مآب سید مہتاب شاہ قدس سرہٗ تنبو والہ

۱۶۔ صفوت پناہ حضرت رسول بابا کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۷۔ سیادت پناہ حضرت سید نظام شاہ کشمیری رحمۃ اللہ الباری

۱۸۔ حضرت الحافظ شرف دین خوشابی قدس سرہ النورانی

۱۹۔ مجمعِ علم و عرفان منبعِ ذوق و وجدان میاں محمد زمان رحمۃ الرحمان

۲۰۔ زائر الحرمین حقائق آگاہ حاجی عبداللہ فتح گڑھی رحمہ اللہ[۱]

۲۱۔ صفوت پناہ میاں عبداللہ صاحب مراڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۲۔ حقائق و معارف آگاہ میاں شاہ محمد قدس اللہ سرہ العزیز۔ جوگو والیہ

۲۳۔ امیر السالکین حضرت میاں امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ[۲]

مندرجہ بالا حضرت کے اجازت نامے "مکتوباتِ قطبِ ربانی" از حضرت سیدنا امام علی شاہ مکان شریفی قدس سرہٗ میں چھپ چکے ہیں۔

۲۴۔ موارد مواہبِ الٰہی مصدر معارف نامتناہی، حقائق آگاہ میاں احمد خاں رحمہ اللہ سابو والا ضلع فیروزپور (مکتوبات قطب ربانی صہ ۶۲)

۲۵۔ مولانا مولوی فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ } (خزینہ معرفت صہ ۱۲۳)

۲۶۔ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ } (خزینہ معرفت صہ ۱۲۳)

۲۷۔ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ (آیاتِ قیومیہ)

---

[۱] [۲] یہ دونوں صاحب حضرت امام علی شاہ صاحب کے مرید تھے اور آپ سے استفادہ کیا اور تکمیل سید صادق علی شاہ صاحب سے کی اور انہیں سے اجازت حاصل ہوئی۔

نام ہائے خلفاء

جناب قطب الاقطاب حضرت قدس اللہ تعالیٰ

صاحب صادق علی شاہ ایہ سجادہ جان — خلف رشید جناب دے حضرت والاشان

خلیفے نور جناب دے سارے کراں بیان — عاظم شاہ ہے مولوی اوّل ہویا جان

سید بہادر شاہ صاحب دوئم از خلفاء — میاں خدا بخش تیسرا ہے مقبول خدا

عطا محمد چار بجھ پنجواں گل حسین — فرق نہ کوئی قرب وچہ اہناں دے مابین

فتح محمد مولوی حافظ قاری جان — چھیواں وچہ شمار دے کامل مرد پہچان

شیر محمد خان نوں ستواں کراں شمار — عبداللہ نوں اٹھ گن کامل نیکوکار

قطب الدین نوں نو گن راضی رب رسولؐ — عادل خاں ہے دسواں، اللہ دا مقبول

حاجی محمد یارھواں عالم علم پہچان — سید محمدؐ بارھواں اندر یاغستان

محمد شریف تیرھواں عالم علم تمام — وچ بدخشاں اوسدا فیض جاری ہے عام

حام خاں کندوز تھیں آیا سی بادشاہ — خلیفہ ہے اوہ چودھواں حاصل قرب اللہ

شریف زادہ اک آیا خاص مدینیوں جان — بھیجیا پاک رسولؐ نے حاصل کر عرفان

اوہ خلیفہ پندراں ظاہر باطن نور — نام مبارک اوسدا میر صاحب مشہور

سولہ وچ شمار دے میاں مظہر جمال — کامل قرب خدا دا اوسنوں بے مثال

احمد خاں ستارھواں اوہ خلیفہ جان — کامل وچہ عرفان دے قوم تھیں افغان

شاہ محمد متقی ایہہ اٹھارہ جان — نور محمد انیسواں عالم کامل جان

حافظ پاک کلام دا حافظ بڈہ بجھ — خلیفہ ہے اوہ بیسواں اس وچہ شک نہ کجھ

کامل ہر دو علم وچ مولانا مسعود — خلیفہ تیئی بجھ توں در دہلی خوشنود

حبیب اللہ ہے رب دا بندہ نیکوکار — ایہ خلیفہ جان توں چوی وچہ شمار

بدر الدین مولوی خلیفہ پنجی جان — عالم فاضل چھبیاں نام محمد جان

سید پیر خطاب شاہ ایہہ خلیفہ بجھ — ستائی وچہ حساب دے اس وچہ شک نہ کجھ

سید فرید الدین صاحب ایہہ اٹھائی جان ‏ میرے دادا پیر دے خلف رشید پہچان

سید احمد علی شاہ کامل جان کمال ‏ ظاہر باطن علم وچہ کاتب بے مثال

اونتی وچہ شمار دے ایہہ خلیفہ جان ‏ نور محمد تیسواں حافظ حفظ قرآن

اکتی حافظ شرف الدین آیا وچ حساب ‏ کھوڑیوالہ قطب الدین بتی روشن تاب

تیتی گجرانوالہ قطب الدین ترکھان ‏ حاصل قرب خدا دا عارف باللہ جان

میر محمد عیسیٰ خاص بخاریوں جان ‏ چوتی وچہ حساب دے عالم صاحب عرفان

حمید اللہ پینتیسواں صادق صدق یقین ‏ خدمت گار جناب دا بندہ خاص امین

خلیفہ چھتی جان توں قدماں وچہ حضور ‏ عبدالرحیم نام ہے ظاہر باطن نور

ہدایت اللہ لاہوریا حافظ حفظ قرآن ‏ خلیفہ سینتی جان توں کامل وچہ عرفان

نور احمد لاہوریا کامل مرد پہچان ‏ خلیفہ ایہہ اٹھتیاں عالم فاضل جان

عمر بخش جناب دا خدمت گار حضور ‏ خلیفہ ایہہ انتالیاں وچہ حساب ضرور

سید شاہ سردار علی ایہہ خلیفہ جان ‏ چالی وچہ حساب دے آئے ہیں پہچان

عمر بخش اکتالیاں عابد بے شمار ‏ وچہ سیالکوٹ دے رہندا نیکوکار

عبدالحکیم کابلی کابل اندر جان ‏ بتالی وچہ شمار دے کامل مرد پہچان

ترتالی قاسم خان نوں کرتوں وچ شمار ‏ ہے مقبول جناب دا اللہ دی سرکار

چوتالی قاسم خان ہے پیشہ حکمت یار ‏ ذکر شغل اوہ رب دا کردا بے شمار

شیر محمد مولوی اوہ پنجتالی جان ‏ بندہ ہے اوہ رب دا عارف وچہ عرفان

قطب الدین تندوریا چھ تے چالی جان ‏ شہزادہ سینتالیاں فرخ سیر پہچان

نو تے چالی ہو گئے معہ مسکین حقیر
محمد بخش پنجاہ گن سارے وچ تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرۂ فارسی

باشعار چند برائے حفظ نمودن برادران دینی خود از تصنیف محمد ظفر اللہ مرحوم

اے خدا بہر حبیب خویش حضرت مصطفٰےؐ (۱) مقتدائے اولیاء و افتخارِ انبیا

از پے صدیق سلمان قاسم و جعفر دلی (۲) وز برائے بایزید بوالحسن ہم بو علی

وز برائے یوسف عبد خالق عارف باخدا (۳) بہر محمود و علی و خواجہ بابا میر ما

بہر خواجہ نقشبند و ہم علاء الدین پیر (۴) خواجۂ یعقوب ہم احرار و زاہد بے نظیر

بہر درویش محمد باقی باللہ الصمد (۵) شیخ احمد پیشوا معصوم وز عبد الاحد

وز سعیدِ حضرت خواجہ حنیفی پارسا (۶) از پئے شیخ محمد وز ذکی باخدا

حضرت خواجہ محمد حاجی احمد شاہ حسین (۷) وز امام ما علی مشکل کشا را نور عین،

وز برائے پیر ما پشت پناہ اہلِ دیں (۸)	حضرت صادق علی مقبول رب العلمین
از طفیل بارک اللہ نورِ ذاتِ کبریا (۹)	وز برائے مظہر قیوم فخر المقتدا

(۱۰) کن غریق بحرِ عرفانِ حقیقت اے خدا
غیر تو دیگر نہ بینم بگذرم از ماسوا

نوٹ: شعر ۸ و ۹ کسی بزرگ نے بعد میں اضافہ کئے ہیں۔ باقی شجرہ حضرت قیوم عالم قدس سرہ کی زندگی میں نظم کیا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون ۝

شجرہ شریف

(پنجابی)

نقشبندیہ مجددیہ مکان شریفیہ

کراں کس طرح تیری تعریف مولا تیریاں نعمتاں بے شمار اللہ
واحد ذات رحیم کریم تیری ہیں توں عاصیاں دا بخشنہار اللہ
نبی پاک ختم المرسلین سرور، دو جگ دا جیہڑا مختار اللہ
جس دا نام رؤف الرحیم آقا، جہدے نال ڈاہڈا تیرا پیار اللہ
ابوبکر صدیق دا صدق دے دے، نقشبنداں دا جو سردار اللہ
اوہدے عشق رسول دا واسطہ ای، ہووے جگ وچ ساڈا وقار اللہ
سلمان فارسی پیر کبیر میرا، صدقے اوس دے کم سنوار اللہ
خواجہ قاسم دے واسطے بخش مینوں ذات پاک تیری بخشنہار اللہ
جعفر صادق امام ہے پیر میرا جیہڑا صادقاں دا ہے سردار اللہ
اہل بیت دا رکھ لحاظ سائیاں، بھانویں لکھ مَیں ہاں بدکار اللہ
کشتی ساڈی اُمیداں تے سدھراں دی ڈُبی شوہ دریا وچکار اللہ
بایزید بسطامی دا واسطہ ای، کر فضل تے لا دے پار اللہ
مشکل حل کر شیخ بوعلی پچھے، ہویا سخت میں حال نزار اللہ
ابوالحسن خرقان دے پیر بدلے میرے گھر وی آوے بہار اللہ
پیر یوسف ہمدانی دا واسطہ ای اک وار کر شکر گزار اللہ

خواجہ عبدالخالق غجدوان والے ، تیرے عشق وچہ مست سرشار اللہ
پیر عارف محمد دے فقر بدلے ، ٹھیک ہون سارے کاروبار اللہ
حضرت خواجہ محمود الخیر صدقے ، میرے دل نوں دئیں قرار اللہ
عزیزان علی دے واسطے خیر پادیں ، جھولی کیتی مَیں ترے دربار اللہ
خواجہ بابا سماسی دا نام لے کے ، دل وی آس دا کراں اظہار اللہ
صدقے میر کلال دے کج پردے ، توں ستار اللہ توں غفار اللہ
اوہدے سنگ پچھے رکھ لنگ میرا ، کریں تنگ نہ وچ سنسار اللہ
نقشبند خواجہ بہاؤ الدین صاحب ، میں ہاں اونہاں دا خدمتگذار اللہ
وڈّا پیر جیہڑا نقشبندیاں دا ، جس دا جگ وچہ باغ پروار اللہ
پیر چرخی یعقوب دا واسطہ ای ، میں ہاں بہت ذلیل و خوار اللہ
تیری بارگاہ وچ وسیلڑا ای ، خواجہ عبید اللہ احرار اللہ
سید زاہد محمد دے زہد بدلے ، کراں عرض میں وچ سرکار اللہ
خواجہ درویش محمد دا نام لے کے ، آیا منگتا تیرے دربار اللہ
صدقے خواجہ امکنگی دے من عرضاں میرے عیب نہ مول نتار اللہ
باقی باللہ دے قدماں دی خاک ہاں مَیں ترے فضل دا سدا طلب گار اللہ
ذات پاک تیری کارساز میری ، بگڑی ہوئی تقدیر سنوار اللہ
میرا پیر سرہند شریف والا ، سارے جگ وچ جہدا وقار اللہ
الف ثانی مجدد نے شیخ احمد ، خاطر اونہاں دی کر بیڑا پار اللہ
صدقہ اونہاں دے کر خوش حال مینوں ، ہویا سخت میں حال نزار اللہ
خواجہ محمد معصوم دا واسطہ ای میرے ویریاں نوں کریں خوار اللہ
سارے جگ وچوں میں تاں ہاں عاجز نالے ہاں بڑا گنہگار اللہ
عبدالاحد مقبول درگاہ تیرا ، ہوواں رکتے نہ میں شرمسار اللہ
رکھیں شاہ حنیف دے وچ حلقے ، کر منظور مینوں نہ دُرکار اللہ

حضرت خواجہ محمد دے لگ قدمیں پاواں واسطے میں اوگنہار اللہ
محمد مظہر فقیر دے نام بدلے ، ہتھ پکڑ میرا ہاں لاچار اللہ
بھاویں کیتیاں کیڈ خطائیاں میں ، بندہ پھیر تیرا بھلنہار اللہ
شاہ زمان نوں نال لیایاں میں ، تیری وچ سچی سرکار اللہ
خالی ہتھ دوہویں کالا مُنہ سائیاں پلے کوڈیاں منتیں میرے چار اللہ
حاجی احمد جناب دا واسطہ ای ، جہدا فیض بے اَنت شمار اللہ
گھمن گھیری دے وچ ہے جان میری ، کر فضل لگا دے پار اللہ
خواجہ حاجی حسین دا واسطہ ای ، بنّے لا مینوں اکوار اللہ
ایہناں سارے بزرگاں توں جاں صدقے ، میں قربان جاواں لکھ وار اللہ
امام علی شاہ پیر دے نام اُتوں لکھ وار میں ہوواں نثار اللہ
صادق علی شاہ ولی پیارڑا اے جہدے نال اے تیرا پیار اللہ
کر کے کرم ہُن رکھ لے بھرم میرا ، مینوں کریں نہ جگ وچ خوار اللہ
میر بارک اللہ صدقے بخش مینوں گنہگار ہاں میں گنہگار اللہ
ہادی مظہر قیوم دا پکڑا پلہ ، وڑیا آن میں تیرے دربار اللہ
اپنے فضل سیتیں کج عیب میرے توں رحیم کریم ستار اللہ
صدقے ایہناں بزرگاں دے رحم کر دے میں تاں ہاں بہتا گنہگار اللہ
دکھ درد مصیبتاں دور کر دے ، نظر رحم دی کر اک وار اللہ
صدقہ غوث اعظم خواجہ قطب عالم کریں ایہہ منظور پکار اللہ
امام ابوحنیفہ دا واسطہ ای ، امام اعظم جو وچ سنسار اللہ
اوس ولی دے بدلے نگاہ کر دے جہدا فیض بے اَنت شمار اللہ
کل انبیاء تے مرسلین بدلے اَتے ہور جو ہین نیکوکار اللہ
برکت اونہاں دی فضل کر مومناں تے کیتی عرض میں تیرے دربار اللہ
میرے ماں تے باپ نوں بخش مولا کیتا میرے نال جنہاں پیار اللہ

تیرے باجھ کوئی ہور درگاہ ناہیں جتھے جا کے کراں اظہار اللہ
تیری رحمت ہر چیز تے ہے بھاری توں غفّار اللہ توں غفّار اللہ
کر عاصی دی عرض منظور مولا، خستہ جگر ہاں سینہ فگار اللہ
تیری وِچ درگاہ دے کرے عرضاں نقشبندیاں دا خدمتگار اللہ
قدرت اللہ مسکین غلام تیرا، نال فضل کریں بیڑا پار اللہ

ارکانِ دین

توضیح العقائد (رُکنِ دین : نمبر ۱)

-/۶ روپے

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسُولوں، یومِ آخرت اور تقدیر پر ایمان کی مستند تفصیلات اس میں موجود ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ (رکنِ دین : نمبر ۲)

۷/۵۰ روپے ، مجلد -/۱۰ روپے

ہر قسم کی ناپاکی سے طہارت، وضو، غسل نیز نمازوں کے اوقات و مسائل اور تمام دنوں اور سال بھر کی نفلی نمازوں کے فضائل و فوائد، باحوالہ

کتابُ الزکوٰۃ (رکنِ دین : نمبر ۳)

-/۶ روپے

زکوٰۃ و عشر کی فرضیت، فضائل و مسائل اور مصارف و فوائد وغیرہ پر تحقیقی کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ بڑا مفید ہے۔

کتابُ الصیام (رکنِ دین : نمبر ۴)

مجلد -/۱۲ روپے

رمضان المبارک اور پورے سال کے ہر قسم کے فرض اور نفل، روزوں کے فضائل و مسائل اور فوائد پر جامع کتاب ہے۔

کتابُ الحج (رکنِ دین : نمبر ۵)

مجلد -/۱۵ روپے

حج و عمرہ اور زیارتِ مدینہ منورہ کے مستند فضائل و مسائل اور ہر عمل کی شرعی حیثیت اور اسرار محبت بھرے انداز میں تحریر فرماتے ہیں۔

— تمام حصے سوال و جواب کے طرز پر آسان زبان میں لکھے ہوئے ہیں۔

— ٹائیٹل چار رنگا — طباعت عمدہ ، کاغذ سفید

اسلامی کتب خانہ ○ اقبال روڈ سیالکوٹ

ومن یتوکل علی الله فهو حسبه

الحمد لله که شجرهٔ انساب پیران طریقه نقشبندیه مجددی خاندان جناب

سید امام علی شاه صاحب

بفرمایش محب الله شیخ محمد ظفر الله در سنه ۱۲۷۶ هجریه مصطفوی

در مطبع ایشیائے سکندری باهتمام شیخ علی محمود مدد طبع

بسم الله الرحمن الرحیم

بعد حمد و ثنای پروردگاری که آفرینندهٔ ارض و سماوات است و نعت سرورِ کائنات که صاحب لولاک است کمترین عباد الله محمد ظفر الله بخدمت طالبان حق و شایقان برضای مولی محو مطلق عرض رسانست که وقتیکه این نالایقِ زمن وارد قصبهٔ بٹالہ ضلع گورداسپوره کمشنری لاهور دار الخلافت پنجاب بوسیله ملازمت محکمه بندوبست بود شام و صباح صفتِ حمیده و اوصاف پسندیده جناب شاه صاحب برگزیده درگاهِ خدا جوهر نخبه اکابرِ آلِ عبا قدوهٔ سالکان راه هدا اسمی رئیس خاندان مصطفا سیادت مآب گردون جناب عالی مراتب والا مناقب کامل شریعت عاملِ طریقت یگانه بارگاهِ صمدیت ابرتهٔ ایسال الوهیت محرم حضرت احدیت مخزن محرم کعبه هویت قبله حاجات کعبه مرادات مصدر ولایت منبع قناعت عامل حدیث پناه سنت عقیب صاحب معراج کاشانه معرفت را سراج و هاج فخر انس و ارواح برگزیده اجسام و اشباح رکن اعظم دین شاملخ ادیان باطله را ناسخ برهان همه عای هویت و تجرید سلطان کشور معرفت و توحید دستمندان را ملاذ بی پناهان را معاذ والا نظر گرامی بصر سکندر در فریدون فر از همه دور و با همه در حضور نوازش دستور صاحب راز و نیاز سرآمد سرفراز و ممتاز خرد اندوز ادب آموز آمید نواز یاس گداز افتخار ملک و ناس خدا ترس خدا شناس ستوده حواس حقیقت آساس خطا پوش عذر نیوش

آب گوہر بینش تاب جوہر آفرینش خاص الخاص بارگاہ اخلاص فیض و سعادت لم یزلی
مناص انیس خلوت خاص جلیس نہانخانہ اخلاص مصدر عنایات و فیوض کشاینده
مشکلات و غموض شہسوار جالش گاہ روابط حافظ کلام باسط از جمیع معاصی محفوظ بوعد
غفران محظوظ مظہر املاق و امتاع مجمع شکر و اقتناع شیدای بلبل بوستان مازاغ رہنمای
اہل فصاحت و بلاغ پسندیدہ و حمیدہ اوصاف مصدر الباب و الطاف قطب علی الاطلاق
مرجع آفتاب سواران آفاق قبلہ ارباب تحقیق کعبہ اصحاب تدقیق واقف الحقایق کاشف
الدقایق شایع کنندہ امر حق مقتدای کاملان ما سبق ممدوح صاحب لولاک عارج معارج
فلک الافلاک مامن اہل دانش و فرہنگ بیخ کن صاحبان ستم و شالنگ شفیع ذات
الیمین و ذات الشمال مقبول بارگاہ ذو الجلال عالم عامل عارف کامل منتخب و اصل انام
سلالہ اکابر کرام کعبہ عمل و علم قبلہ ورع و حلم پیشوای اولیا خافقین سرو صاحب قاب قوسین
قبلہ قبلہ پرستان کعبہ دین و ایمان سر خیل فضلای زمان سر گروہ ذات الصدر جہان
صاحب یقین بی گمان خلوت نشین بارگاہ بی نشان شمع شبستان شایقان صبح دودمان
صادقان سلطان دنیا و دین سیمرغ قاف یقین والی کونین مولای دارین حاجت روای
مستمندان سر دفتر قضا خانہ یزدان ملجای و ماوای دوران مطاع و مخدوم جہان
امید گاہ امیدواران مہین پناہ گنہگاران آداب فضایل دو جہان مخدوم اکابر زمان
مقتدای تابان ہادی تابان سینہ اش از تجلیات الہی مملو دلش انوار لم یزلی رنگو
محب اللہ امید پناہ فاتح ابواب اقالیم مشکلات روحانیہ مہبط انوار معارف سبحانیہ مخزن لطائف
قدسیہ معدن معارف انسیہ منظر انوار الہی معدن اسرار نامتناہی مشرق انوار باری
مہبط اسرار کردگاری واقف دقایق خفی و جلی واسطہ رحمت ہر صالح و ولی مطرح انوار لاہوتی
مبدء کمالات ملکوتی خلاصہ خاندان مصطفوی سلالہ اولاد مرتضوی جناب فیض قباب

لفظ مہ رسانیدن

اقتناع یعنی قانع بودن

شالنگ یعنی ظلم و ستم

خافقین یعنی کنارہ مشرق و مغرب

آداب فضایل یعنی فضل رسیدہ

سید امام علی شاه صاحب دام الله برکاته شنیده مشتاق قدمبوس و خواستگار جبین سای

آستانه فیض کاشانه گردیده ارشاد نموده روان شدم چون بصحرای برکت اثر سرحد ترجیتر شریف

مسکن آن قطب الاقطاب کریم و حنیف تشنگی رسیده ریاض بهشت برین رسیدم هر شجر و هر برگ گیاهش گلدسته

معارف قدسیه دیدم سبحان الله رباعی خس و خارش گلستانست گوی * غبارش گوهر جانست گوی * درین دیرینه

دیرستان نیرنگ * غبارش ایمن است از گردش رنگ * چه فروردین چه دیماه و چه مرداد * بهر

موسم فضایش جنت آباد * از هر سو صدای الله الله بلند و از هر طرف ذکر الا الله گردون ایمان را کمند

یکی در مراقبه نشسته و دیگری در بر روی اغیار بسته کسی دست دعا دراز کرده و یکی تخم معرفت

در زمین سینه خود پرورده یکی بتصور شیخ نشسته و دیگری بشغل فنا فی الله فرو رفته یکی بوعظ و پند

دیگری با نصیحت پیوند غرض با هر کسی که از خادمان و مریدان خاص مستفیض شدم بدریای معرفت

غریق یافتم حتی که حاضر در دولت گشتم و از فرحت رسائی و بختیاری طالع خویش در پیرهن نگنجیدم

و با نوار قدوم میمنت لزوم خاص الخاص فیضیاب شده درخواست بیعت نمودم فرمودند که شرط

اول بیعت بر مکروهات دنیاوی صبر کردن و ترک محرمات شرعی نمودن و آنچه خلاف حکم خدا

و رسول است از آن یکسو گردیدن است زیرا که اسرار حقیقت نشود حل بسوال * نی نیز بدر باختن

حشمت و مال * تا خون نکنی دیده و دل پنجه سال * هرگز نشد راه از قال بحال * هیچ

فائده از خالی بیعت نیست التماس نمودم سیاهی قلب روز بروز ترقی می پذیرد و زنگ معاصی

ساعت بساعت آینه سینه را بتاریکی می گیرد چه عجب که از برکت دستگیری خدام صفای قلب و صدر

حاصل گردد و ذره عمل نیک که آن هم از نارسائی بیش نیست آفتاب شود آخر کار بعد هزاران منت

و سماجت دست این نالایق بدست مبارک خود گرفته اولا تعلیم توبه از معاصیات و مکروهات نمودند

بعده ذکر اکابر خاندان خود تلقین فرمودند چندی که در آن ملک ماندم عین عنایت بحالم

مبذول ماندند و تخم اشفاق و عطوفات در زمین جانم شجره یقین نشاندند بعد باتفاقات

مصنف کی بسوی حق مایل بیعت ۱۱۲

زمانه رو بهندوستان آوردم و ماندم حالا باز اراده قدمبوس آن مصدر انوار الهی و ذوق جبین سای آن آستانه مظهر فیض نامتناهی غالب آمد خواستم که تهیدست بدر والا صفات نرسم مگر هدیه برای برادران دینی خود برم لهذا شجره خاندان نقشبندیه پیران خود مطبوع کنانیدم که ره آوردی بهتر ازین بنظر آن والهان نام مرشدان نخواهد بود و تحفه نیکوتر ازین لایق آن عاشقان اسمای پیران خویش نتوانست مهیا نمود امید که در ازای حصول شجره منظوم دعا بحق عاصی نمایند و وبال و نکال عذاب آخرت از دل و جانم ربایند

شجرهٔ منظومه از تصنیف مولوی صاحب واقف معقول و منقول مبدع علم معانی خسرو اقلیم خوش بیانی آفتاب هدایت خورشید افادت مسند نشین بزم سخنوری رشک افزای خاقانی و انوری جناب حکیم مولوی احمد علی صاحب ساکن دهرم کوٹ مرید خاص جناب شاه صاحب پیر مرشد بر حق

لا زالت شموس برکاتهم بازغة

بسم الله الرحمن الرحیم

بعد حمد نقشبند صفحهٔ کون و مکان	نیز صلوة جناب سید آخر زمان
باد روشن بر ضمیر صادقان حق گزین	شد نبی مبعوث با دو علم اندر جهان
علم ظاهر حجت حق بر عموم از اهل دین	دانش احکام شرع و صدق اقرار زبان
علم باطن سیر در اسما و وصفات حق	زین وراثت یافت خاصهٔ اولیا عارفان
بهره این علم را عیان منت آمد است	از صحابهٔ مصطفی در ظرفها تا این زمان

خاص آن نسبت که از صدیق فائض گشته است
رایحه اندوز شد بوبکر از بزم رسول
از حضور فیض بارش قاسم انوار دین
کیمیای جعفر صادق از صحبت اکسیر اوست
نور اندر سر دو چشم بایزید از دید اوست
مست صهبای حقیقت بوعلی از جام اوست
تربیت پذرفته از وی خواجه عبد الخالق است
باغ بو آمد نگهش خواجه عارف ریوگر
آرمیده دل بحق رامیتنی از صحبتش
نقش وحدت خاص او هوخت خواجه نقشبند
یافته حریت از ارشاد او خواجه عبید
خواجه درویش دولتمند از گنجینه اش
وز خمار روح بخشش خواجه باقی با خدا
یعنی آن شمع هدا پرنور از سرهند شد
خواجه معصوم روشن چشم گشت از مرشدش
مظهر تحقیق او خواجه محمد شد حنیف

نامها اهل آن نسبت بیارم در میان
یافت بوی روح افزا حضرت سلمان ازان
بردگوی سبقت تحقیق اسرار نهان
گوست صراف حقیقت نقد حال صادقان
بوالحسن خرقان خرقه رشد زو کرده عیان
یوسف همدان ازان همدرس اسرار نهان
خواجه یوسف همدانی
صاحب فضل و کرامت مقتدای خواجگان
خواجه محمود شد ثمره یافت از انخیران
حضرت بابا ز خوانش سیر را داد استخوان
بو یعقوب چرخی برطلا از چرخ آن
وز نوالش خواجه زاهد باحق آمد هم زبان
که مریدش خواجه املنگ یکتای زمان
که ز شیرینش طوطی هند شد شکر زبان
خواجه احمد مجدد الف ثانی لقب آن
خواجه عبد الاحد از وی علم شد در سخن خوان
بر سر مقصود رسید شیخ محمد راز دان

امام جعفر صادق
خواجه عبد الخالق غجدوانی
خواجه علی رامیتنی
خواجه عبید الله احرار
خواجه محمد باقی بالله

پیر و صادق طریقش شد محمد مطهری ✤
بس بدر یافت او را حاجی احمد منتقی بهم
وز کمالش یافت بهره سرو باغ انما ✤
عارف و کامل محقق راسخ و محبوب حق ✤
طایر اوج هویت شاهباز ذات بحت
قطب عالم پیر ما حضرت امام آمد علی
سال هجری یک هزار و شصت و دو صد چون گذشت
مژده باد آن طالبان را کز صدق رسوخ
هر دم از لمعان صبح صحبت این شمس حق
گر همی حلاج دیدی روی این شاه شهود
لمعه بر هر که تابد آفتاب لطف او
اینکه از بشر شناسیش بخیتم شکر بکام
بر لب دریای راوی آشکار از جنوب
در میان ملک پنجاب انتخاب هفت بوم
دیره نانک تباله تهانه و تحصیل او ✤

که مریدش قطب حق خواجه محمد شد زمان
خلف کامل اوست جانشین شاه حسین از مقبلان
نور چشم مصطفی و لا فتا الحسن جان
مقبل و اکمل مکمل قطب ارشاد زمان ✤
عندلیب باغ وحدت لا مکانش آشیان
فخر ملت جان شرع و نور دیده قدسیان
مسند ارشاد حق را زیب و زینت آمد آن
ناصیه سایند بر این سیده که مسند رشان ✤
محو میگردند در انوار سطوت بی نشان
خر اما العبد ش نوی دحی ف دیگر زبان
همچو شجره موسوی آرد انا الله بر زبان
نور مقامش شرح ارم بشنوید اید و بستان
مسکن آن قطب آید زیر سقف آسمان
حضرت جیر شریف آن موضع لطفی نشان
بر سر هر بام و سقفش نور بارد ز آسمان

از پشاور سوی دهلی گر رود از ره کسی
در میان ناف ره زان جای با بوی جان

تا که شد جهت مبارک مولد این بو زحق
شهر حق از جان و دل شد واله و شیدای آن

هم درین سودا ست بخود کوه طواز جوش عشق
آرزویش کاشکی یکبا ببینم آن مکان

یارب این بقعه مبارک چون حرم با عز و شان
باد با فیض و مکارم بوسه گاه عارفان

شجرهٔ ثانی باشعار چند برای حفظ نمودن برادران دینی خود

از تصنیف محمد ظفر الله عفی الله عنه

ای خدا بهر حبیب خویش حضرت مصطفی
مقتدای اولیاء و افتخار انبیا

از پی صدیق سلمان قاسم و جعفر ولی
وز برای بایزید بو الحسن هم بو علی

وز برای یوسف عبد خالق عارف با خدا
بهر محمود و علی و خواجه بابا پیر ما

بهر خواجه نقشبند و هم علاء الدین پیر
خواجه یعقوب هم احرار و زاهد بی نظیر

بهر درویش محمد باقی بالله الصمد
شیخ احمد پیشوا معصوم و زعبد الاحد

وز سعید و حضرت خواجه صفی پارسا
از پی شیخ محمد و ز ذکی با خدا

حضرت خواجه محمد حاجی احمد شاه حسین
وز امام ما علی مشکل کشا از نور عین

کن غریق بحر عرفان حقیقت ای خدا
غیر تو دیگر نه بینم بگذرم از ماسوا

المنة لله که شجره پیران کبار جناب سید امام علی شاه صاحب دام ظلالهم و برکاتهم

کاتب شجره ہذا محمد ممتاز نقشبندی
ساکن شہر میرٹھ

مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کا بے مثال تذکرہ

ات القدس

○ کتاب ... کے مصنف خواجہ بدر الدین سرہندی علیہ الرحمۃ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امام ربانی کی خدمت میں سترہ سال رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اپنے زمانہ کے ممتاز علماء اور مصنفین میں آپ کا شمار ہوتا ہے

○ اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے خلفاء اربعہ (حضرت صدیق، فاروق، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم) سے لے کر امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ امجاد اور آپ کے خلفاء تک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے تمام اولیائے کرام کے مفصل حالات نہایت تحقیق سے قلمبند فرمائے ہیں۔

○ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کے حالات پر آج تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ کتاب بڑی جامع اور مستند ہونے کی وجہ سے سب سے بلند درجہ رکھتی ہے اس لیے اس کا ترجمہ آسان اردو میں کرایا گیا ہے تاکہ ہر اردو خواں اس سے بخوبی فائدہ اٹھا سکے۔

○ اولیائے نقشبندیہ مجددیہ کے حالات، کرامات اور ارشادات سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کیجیے۔

جلد ڈائی دار ———— قیمت - ۲۱ روپے

مکتبہ نعمانیہ۔ اقبال روڈ سیالکوٹ

اوقمی پرنٹرز ... اردو بازار لاہور

مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کا بے مثال تذکرہ

حضرات القدس

- کتاب ہٰذا کے مصنف خواجہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امام ربانیؒ کی خدمت میں سترہ سال رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اپنے زمانہ کے ممتاز علماء اور مصنفین میں آپ کا شمار ہوتا ہے
- اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے خلفاء اربعہ (حضرت صدیق، فاروق، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم) سے لے کر امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ امجاد اور آپ کے خلفاء تک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے تمام اولیائے کرام کے مفصل حالات نہایت تحقیق سے قلمبند فرمائے ہیں۔
- مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کے حالات پر آج تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ کتاب بڑی جامع اور مستند ہونے کی وجہ سے سب سے بلند درجہ رکھتی ہے اس لیے اس کا ترجمہ آسان اردو میں کرایا گیا ہے تاکہ ہر اردو خواں اس سے بخوبی فائدہ اٹھا سکے۔
- اولیائے نقشبندیہ مجددیہ کے حالات، کرامات اور ارشادات سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کیجیے۔

جلد ڈائی دار ——— قیمت - ۲۱ روپے

مکتبہ نعمانیہ - اقبال روڈ سیالکوٹ

اوقنی پرنٹرز ۴۰ بی اردو بازار لاہور